ہلاکو خان
اسلم راہی ایم اے
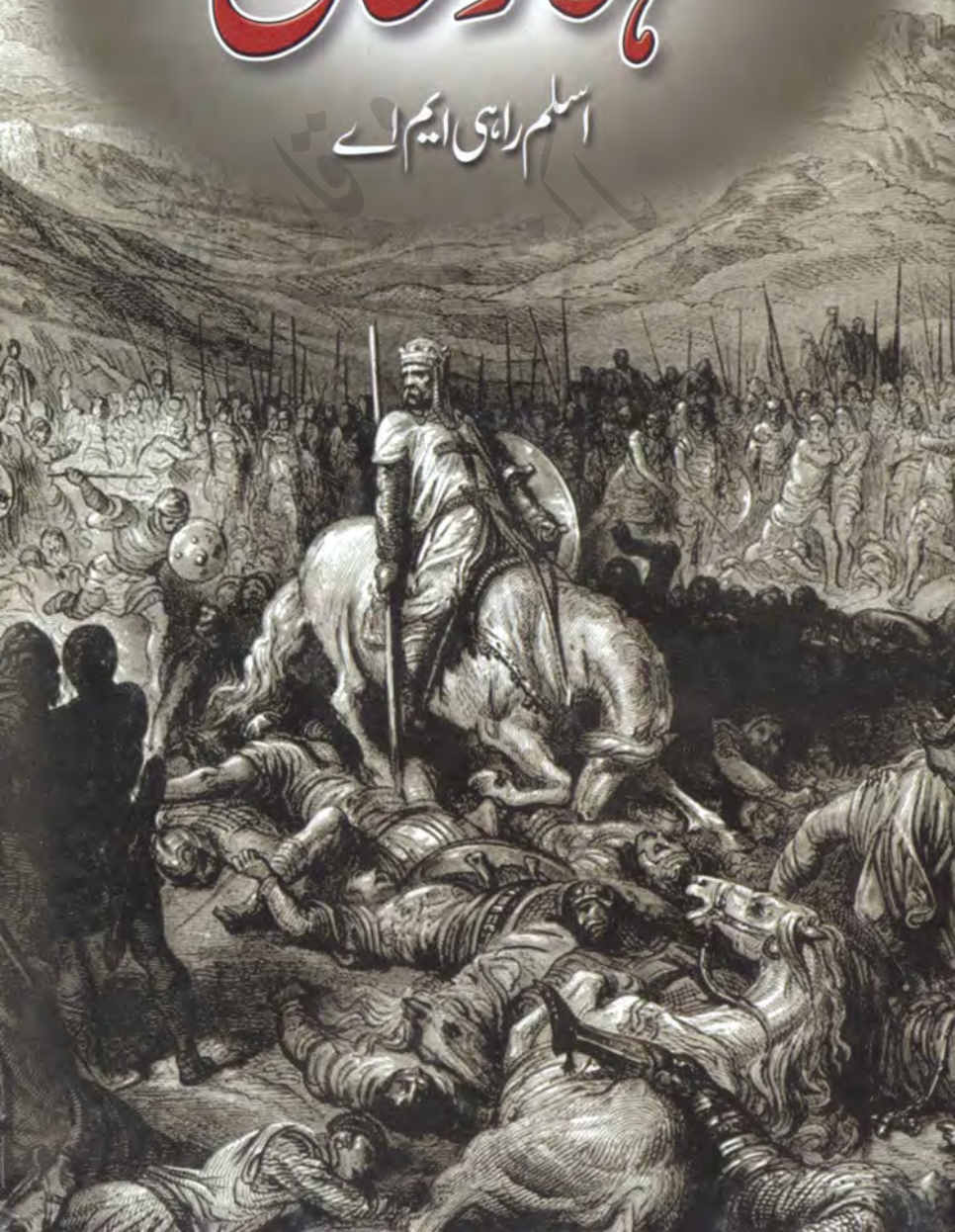
پیش لفظ

کسی قوم کی یکجہتی جب انتشار کا شکار ہوتی ہے تو اس کی دفاعی قوت میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ کوئی قوم اگر اپنے محور سے ہٹ جاتی ہے تو اس کی شیرازہ بندی منتشر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جب کسی قوم کا مرکز کمزور ہو جاتا ہے تو نہ صرف مختلف صوبوں کے عالم بغاوت و سرکشی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں بلکہ بیرونی قوتیں بھی اس قوم کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے تانک جھانک کرنے لگتی ہیں۔

یہی حال بغداد کی خلافت کا بھی ہوا۔ قوم میں یکجہتی نہ رہی، مرکز کمزور ہو گیا، صوبے بغاوت پر اُترنے لگے۔ اپنے لوگ ذاتی مفاد کی خاطر غیر ملکیوں کو حملہ آور ہو کر خلافت بغداد کو ختم کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ ان حالات ہی میں ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی جیسے لوگوں نے ہلاکو خان کو خلافت کے خاتمے کی دعوت دی۔ خلیفۂ بغداد کو کچھ اپنے کیے کی سزا بھی ملی۔ اس نے چنگیز خان کو مسلمان حکمران علاؤ الدین خوارزم شاہ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی کیونکہ وہ اس کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت سے خوف زدہ تھا۔

اس ناول میں ہلاکو خان کے حملہ آور ہونے کے کچھ ایسے گوشے بھی ملیں گے جو پردۂ اخفا میں تھے۔ ہلاکو خان کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی پہلی جنگ میں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اگر اندرونی قوتیں سازش نہ کر رہی ہوتیں تو بغداد کا سپہ سالار، منگولوں کے مرکزی شہر تک ہلاکو خان کا تعاقب کرتا۔ بہر حال ہلاکو خان تباہی و بربادی کا طوفان بن کر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوا لیکن مسلمانوں نے جب اپنے اندر اتفاق و یکجہتی پیدا کی تو ہلاکو کے لشکر کو نہ صرف بدترین شکست دی بلکہ اس کی موت کا سبب بھی بن گئے۔

اسلم راہی ایم۔اے

650ھ کا وہ سرد ترین دن تھا۔

کوہستانِ قزوین میں رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ چاروں طرف چپ اور خاموشی کا عالم تھا۔ کبھی کبھی کوہستانی سلسلے کے اندر بھیڑیے بلند آوازوں میں اس طرح رونے لگتے جیسے خبیث روحیں ان کا شکار کرنے کے لئے ان کے تعاقب میں لگ گئی ہوں۔

ایسے میں کوہستانِ قزوین کی چوٹی پر بنے ''الموت'' نام کے قلعے کے دروازے پر ایک شخص نے دستک دی تھی۔ دستک دینے والا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔ اپنے ایک ہاتھ میں اس نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی، ایک ہاتھ سے قلعہ الموت کے آہنی دروازے پر دستک دی تھی اور اس کے پیچھے عمر کے لحاظ سے بالکل اسی جیسا ایک اور شخص کھڑا تھا۔ وہ بھی اپنے گھوڑے سے اُتر کر گھوڑے کی باگ پکڑے دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

کہتے ہیں، ایک ویلمی بادشاہ نے ''الموت'' نام کے اس قلعے کو تعمیر کروایا تھا۔ بعد میں ایک شخص حسن نے 246ھ بمطابق 860ء میں اسے دوبارہ تعمیر کروایا اور پھر 483ھ بمطابق 1097ء میں حسن بن صباح نے اس قلعے پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس آہنی دروازے کے اندر جو چھوٹا دروازہ تھا، وہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والے دو مسلح جوان تھے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے دستک دینے والا انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دیکھو، میرا نام سیاہ نوف ہے اور میرے ساتھی کا نام ناؤس ہے۔ اپنے شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کو ہماری آمد کی اطلاع کرو۔''

اس پر ان دو میں سے ایک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ شیخ الجبل آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے بڑا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ وہ دونوں قلعے میں داخل ہوئے اور قلعے کا آہنی دروازہ محافظوں نے پہلے کی طرح بند کر دیا تھا۔

ایک محافظ انہیں لے کر آگے بڑھا۔ شیخ الجبل کے لئے اندر جو عالیشان اور پُر آسائش و زیبائش قصر بنا ہوا تھا، وہاں جب وہ پہنچے تو کچھ لوگ آگے بڑھے۔ ان دونوں کے گھوڑوں کو پکڑ کر ایک طرف لے گئے۔ پھر جو رہنما ان کے ساتھ تھا، وہ انہیں قصر کے ایک کمرے میں لے گیا، جہاں اس وقت قلعہ الموت کا شیخ الجبل اور حکمران رکن الدین خورشاہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جونہی ان دونوں کو آتے دیکھا، اپنی جگہ سے اُٹھ کر شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا، پُر جوش انداز میں ان سے مصافحہ کیا، پھر انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور کہنے لگا۔

''مجھے بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی سے تم دونوں کی آمد کا انتظار تھا۔ دیکھو جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں، اس کی اطلاع قاصد کے ذریعے پہلے ہی میں نے تمہیں دے دی تھی۔ ایک بار پھر میں تمہیں اپنے مقصد سے آگاہ کرتا ہوں۔ دیکھو، جب تک بغداد میں بنو عباس کی حکومت ہے، ہمارا یہ مسکن اور ہماری یہ طاقت وقوت دن بہ دن کمزور ہوتی چلی جائے گی اور پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ ہمارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔ بغداد کے اندر اس وقت دو قوتیں ہیں۔ ایک وہ جو سنت پر عمل کرنے والے ہیں۔ دوسرے وہ جو امامیہ کہلاتے ہیں۔ ان دنوں سنت پر قائم رہنے والوں اور امامیہ والوں کے درمیان بہترین اتفاق اور یکجہتی ہے۔ اب ہم نے اسی اتفاق اور یکجہتی کو توڑنا ہے۔ سنت والوں اور امامیہ والوں دونوں گروہوں کو آپس میں لڑانا ہے۔ جب یہ دونوں لڑ کر کمزور ہوں گے، ایک دوسرے کا گریبان پکڑیں گے اور پھر نوبت یہ آئے گی کہ ایک دوسرے کا قتل عام کریں گے، تب وہ ضعف کا شکار ہو جائیں گے اور پھر ہم اپنی قوت کو حرکت میں لا کر بغداد میں اپنی خلافت قائم کر لیں گے۔

یہ ہمارا اصل مقصد ہے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تم بہترین کردار ادا

کر سکتے ہو۔ دو دن یہاں آرام کرو۔ تیسرے دن یہاں سے بغداد کی طرف کُوچ کرو۔ تم دونوں کے ساتھ میرے بیس فدائی بھی بغداد کی طرف جائیں گے۔ جس کسی سے بھی تم مایوس ہو، میرے یہ فدائی تمہارے کہنے کے مطابق اُس کا خاتمہ کرتے چلے جائیں گے۔ دیکھو سب سے پہلے امامیہ والوں کو بھڑکانا ہے۔ انہیں سنت والجماعت کے خلاف ایسا بنانا ہے، جیسے تازہ صیقل کی ہوئی تلوار۔ مزید یہ کہ بغداد میں امامیہ والوں کے دو محلے یا یوں کہہ لو دو بستیاں ہیں۔ ایک کرخ اور دوسری حلہ۔ تم دونوں میں سے ایک کرخ میں، دوسرا حلہ میں قیام کرے گا۔ فی الحال تم سنت والجماعت والوں کو فراموش کر دو۔ ان کی باری بعد میں آئے گی۔ پہلے اپنا پورا زور امامیہ والوں پر لگاؤ اور انہیں سنت و الجماعت والوں کے خلاف بھڑکاؤ۔ کچھ ایسا بھڑکاؤ کہ بغداد میں بغاوت کھڑی ہو جائے۔ یہ دونوں آپس میں لڑنا شروع ہو جائیں۔ اور جب یہ کمزور ہو جائیں تو ہم ان کی کمزوری سے ایسا فائدہ اٹھائیں گے کہ بغداد میں ہماری خلافت قائم ہو جائے گی۔

بغداد میں کچھ آدمیوں سے بچ کر رہنا۔ وہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑے زبردست بلکہ کہہ سکتے ہو کہ دراز دست ہیں اور جنگ کا خوب تجربہ رکھنے کے ساتھ تلوار کے بھی دھنی ہیں۔ اور انہیں تمہاری کارروائیوں کی خبر نہیں ہونی چاہئے۔ پہلا شخص فتح الدین داؤد ہے جو بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ ہے۔ دوسرا شخص مجاہد الدین ایبک ہے۔ یہ بھی بغداد کے لشکریوں کا سالار ہے۔ تیسرا ان دونوں سے انتہائی خطرناک اور سانپ کی طرح ڈس لینے والا ہے۔ یہ منصور بن احمد ہے۔ چوتھا جو منصور بن احمد کا بڑا حامی اور دوست ہے، وہ حسام الدین جوکندار ہے۔ یہ ترک ہے۔ پانچواں شخص شرف الدین کردی ہے۔ یہ کرد ہے اور اپنے نام کے ساتھ ہی شرف الدین کردی لکھتا ہے۔ چھٹا شخص جو نہایت خطرناک ہے، وہ صالح بن اشرف ہے۔ یہ عرب ہے اور اس کا تعلق امامیہ سے ہے۔

میں یہ بات بھی کرتا چلوں کہ منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار، شرف الدین کردی اور صالح بن اشرف انتہائی گہرے اور ایک دوسرے پر جان قربان کر دینے والے دوست اور ساتھی ہیں۔ یہ مسلک کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ صالح بن اشرف گو امامیہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اپنے ساتھیوں کا بڑا وفادار اور خیر خواہ ہے۔ اسی طرح اس کے

سارے ساتھی بھی صالح بن اشرف پر جان چھڑکتے ہیں۔ لہٰذا یہ جو چھ اشخاص میں نے گنوائے ہیں، تم دونوں بغداد میں قیام کے دوران ان لوگوں سے ذرا بچ کر رہنا۔

بغداد میں ایک اور شخص بھی ہے جو تمہارے لئے کام کا آدمی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کا تعلق بھی امامیہ سے ہے۔ اس کا نام ابنِ علقمی ہے۔ اس کا پورا نام ابو طالب محمد بن احمد ہے۔ مذہباً امامیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پہلے وہ عباسی خلیفہ المستنصر کے عہد میں ایک عہدے پر مقرر ہوا، پھر مستعصم نے اپنے عہد میں اپنے وزیر نصر الدین کی وفات کے بعد اسے قلمدانِ وزارت سونپ دیا۔ یہ گزشتہ کئی برس سے اس عہدے پر فائز ہے۔ اس کے تعلقات کرخ میں امامیہ والوں سے بڑے گہرے اور برادرانہ ہیں۔ یہ شخص سازش کرنے میں بھی بڑا ماہر ہے۔ اس کے متعلق میں نے سنا ہے کہ عالم فاضل، نامور ادیب اور کتابوں کا عاشق ہے۔ اس کے کتب خانے میں دس ہزار کتب ہیں۔ بہر حال بغداد میں چند دن قیام کرنے اور امامیہ والوں کی دونوں بستیوں کرخ اور حلہ کے اندر اپنے قدم جمانے کے بعد تم ابنِ علقمی سے بھی رابطہ قائم کرنا۔ وہ تمہارے بڑے کام آ سکتا ہے۔ اگر تم پر بغداد میں کوئی مصیبت بن پڑتی ہے تو یاد رکھنا، علقمی لمحوں کے اندر اس مصیبت سے تمہیں چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ ابنِ علقمی سے یہ مت کہنا کہ تمہارا تعلق الموت کے شیخ الجبل سے ہے۔ تم اس پر یہی انکشاف کرنا کہ تم دونوں کا تعلق امامیہ مسلک سے ہے۔ تم میری تدبیر کے مطابق وہاں کام کرتے رہو۔ امامیہ والوں کو سنت و الجماعت کے خلاف بھڑکاؤ۔ دونوں کے درمیان دشمنی، عداوت پیدا کرو۔ یاد رکھنا! امامیہ والے بھی ایک طرف ہوں گے، سنت والجماعت والے بھی ایک طرف ہوں گے اور خلافت ہمارے ہاتھ میں آ جائے گی۔ دیکھو، رات گہری ہو رہی ہے۔ اب تم دونوں آرام کرو۔ کل دن کے وقت پھر گفتگو ہو گی۔''

اس کے ساتھ ہی شیخ الجبل کے کہنے پر اس کے دو آدمی سیانوف اور ناؤس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ دونوں نے قلعہ الموت کے شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کے پاس تین دن آرام کیا اور تین دنوں کے دوران رکن الدین خورشاہ انہیں برابر سمجھاتا رہا اور تین دن بعد سیانوف اور ناؤس دونوں نے بغداد کا رخ کیا تھا اور دونوں کے ساتھ شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کے بیس بیس فدائی بھی تھے۔

شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کی ہدایت پر سیانوف نے بغداد کے محلہ کرخ میں جبکہ ناؤس نے حلہ میں قیام کر لیا تھا اور اب دونوں نے خفیہ طور پر شیخ الجبل کے بھیجے ہوئے بیس بیس فدائیوں کے ساتھ کرخ اور حلہ دونوں بستیوں کے اندر مسلمانوں کے مسلکی اور فروعی اختلافات کو ہوا دیتے ہوئے ایک طرح سے آگ لگانے کا کام شروع کر دیا تھا۔

لگاتار ایک ماہ تک بغداد کے محلہ کرخ اور حلہ میں انہوں نے دن بہ دن مسلکی اختلافات کو تیز اور گہرا کرنا شروع کر دیا تھا اور لگاتار اپنے کام میں مصروف رہتے ہوئے دونوں جگہ انہوں نے ایک خاص گروہ تیار کر لیا تھا جس نے سیانوف، ناؤس اور ان کے ساتھ آنے والے فدائیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد کو نقصان پہنچانے کا عزم کر لیا تھا۔

کرخ اور حلہ دونوں علاقوں میں مسلکی اختلافات کو تیز کرنے کے بعد سیانوف اور ناؤس دونوں ایک روز محلہ کرخ میں ملے۔ جہاں وہ ملاقات کے لئے جمع ہوئے تھے، وہ سیانوف کی رہائش گاہ تھی۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر گفتگو کا آغاز سیانوف نے کیا اور کہنے لگا۔

''ناؤس میرے بھائی! شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کی ہدایت کے مطابق ہم اپنے مقصد میں کرخ اور حلہ دونوں مقام میں کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کے اندر ہم نے مسلکی اختلافات کو ایسی ہوا دی ہے کہ اس سے دونوں مسلکوں کے درمیان دشمنی، عداوت اور اختلافات گہرے ہو جائیں گے۔ اور دونوں خم ٹھونک کر ایک دوسرے کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اب میں نے ایک بڑا فیصلہ کیا ہے اس لئے کہ جس کام کے لئے ہم آئے تھے اسے ہم نے کرخ اور حلہ میں ایک طرح سے مکمل کر لیا ہے اب ان دونوں محلوں کے اندر اختلاف کی ایک چھوٹی سی چنگاری روشن کرنے کی دیر ہے۔ اور پھر دیکھنا، کیسے حالات خراب ہوتے ہیں اور کیسے لوگ بغداد کے اندر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے ہیں اور آگ اور خون کا کھیل کھیلتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سیانوف رکا، پھر کہنے لگا۔

''یہ کام کرنے کے بعد میں نے ارادہ کیا ہے کہ ابنِ علقمی سے ملاقات کی جائے۔ تم جانتے ہو کہ ابنِ علقمی کا تعلق امامیہ سے ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اس سے متعلق

باتیں سنی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ خلافت کو بنو عباس سے علویوں میں منتقل کرنا چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اقتدار اور اعلیٰ منصب کی حرص بھی رکھتا ہے اور چاہتا ہے، خلیفہ مستعصم کی جگہ وہ خود مسلمانوں کا خلیفہ بن جائے۔ میرے خیال میں دونوں اس کے گھر جاتے ہیں۔ پہلے اس کے خیالات کا جائزہ لیں گے، اس کے بعد ہم اپنے ارادوں سے کسی قدر اسے آگاہ کریں گے۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیسے ردِعمل کا اظہار کرتا ہے۔''

ناؤس نے اس سے جب اتفاق کیا، تب دونوں اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابنِ علقمی کی حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس موقع پر ان کے آگے پیچھے رکن الدین خورشاہ کے مہیا کردہ فدائی بھی تھے۔ چنانچہ ابنِ علقمی کی حویلی کے دروازے پر سیانوف نے جا کر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا ابنِ علقمی کا کوئی غلام تھا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے سیانوف کہنے لگا۔

''کیا ابنِ علقمی گھر پر ہے؟''

اس پر اُس شخص نے سیانوف کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''میرے آقا یقیناً گھر پر ہیں۔ کیا آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں؟''

سیانوف نے جب اثبات میں گردن ہلائی تو اس غلام نے دروازہ کھول دیا۔ سیانوف اور ناؤس دونوں اندر داخل ہوئے جبکہ ان کے آگے پیچھے آنے والے فدائی، ابنِ علقمی کی حویلی کے گرد پھیل گئے تھے۔ دروازہ کھولنے والے غلام نے دروازے کو پھر اندر سے زنجیر لگائی اور پھر ان دونوں کو لے کر وہ دیوان خانے کی طرف گیا۔ دونوں کو وہاں بٹھایا، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ دونوں حضرات بیٹھیں۔ میں آقا کو آپ کی آمد کی اطلاع کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ شخص دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ڈھلتی ہوئی عمر کا ایک شخص دیوان خانے میں داخل ہوا۔ پہلے اس نے سیانوف اور ناؤس سے پُرجوش مصافحہ کیا، پھر کہنے لگا۔

''میں ابنِ علقمی ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں، کیا بات ہے؟''

ابنِ علقمی جب ان کے سامنے بیٹھ گیا، تب سیانوف اور ناؤس نے اپنا تعارف کروایا۔ پھر سیانوف بولا اور کہنے لگا۔

''ہمارا تعلق امامیہ سے ہے۔ ہم گزشتہ کئی دن سے بغداد میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ محلہ کرخ اور حلہ میں کچھ بے چینی اور ہیجان سا برپا ہے اور یہ شاید مسلکی اختلافات کی وجہ سے ہے۔ کیا اس کی کوئی اور وجہ بھی ہے؟ کیا اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا؟ اور کیا کرخ اور حلہ والے جو چاہتے ہیں، اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی؟ اگر یہ کام ممکن ہے تو اس سلسلے میں ہم دونوں آپ کے ساتھ ہیں۔''

یہ الفاظ سن کر ابنِ علقمی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے اپنے بھی یہی خیالات تھے۔ اس بنا پر اس نے خوشی کا اظہار کیا، پھر کہنے لگا۔

''آپ لوگوں کے خیالات جان کر مجھے دلی خوشی ہوئی ہے اور میں خود اس کام کے پیچھے پڑا ہوا ہوں اور عنقریب آپ اس کا نتیجہ مثبت انداز میں دیکھیں گے۔''

ابنِ علقمی جب خاموش ہوا، تب کچھ دیر کے لئے سیانوف اور ناؤس دونوں تجسس بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہے، پھر ناؤس نے ابنِ علقمی کو مخاطب کیا۔

''کیا آپ ہمیں بتائیں گے نہیں کہ آپ کرخ اور حلہ میں اٹھنے والی ہیجان انگیزی کو کس طرح قابو میں لائیں گے اور اس کے لئے آپ کیا تدبیر کر رہے ہیں؟''

جواب میں ابنِ علقمی نے ایک غائر نگاہ ان دونوں پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''اس کا حل ایک ہی ہے کہ خلافت پر قبضہ کیا جائے اور اس کے لئے میں نے راستہ یہ چنا ہے کہ خونخوار منگولوں کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی جائے اور انہیں انگیخت کیا جائے کہ اگر وہ بغداد پر حملہ آور ہوتے ہیں تو مالا مال ہو جائیں گے۔ منگولوں کی طرف سے اب تک جو خبریں میرے پاس آئی ہیں، ان کے مطابق ان کا حکمران اس وقت منگو خان ہے اور اس نے اپنے چھوٹے بھائی ہلاکو خان کو مسلمانوں کے ان سارے علاقوں کا حاکم مقرر کیا ہے، جو چنگیز خان نے فتح کئے تھے اور کہتے ہیں کہ عنقریب ان علاقوں کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے ہلاکو، خراسان کا رخ کرے گا۔ اس وقت مسلمانوں کے وہ علاقے جو چنگیز خان نے فتح کئے تھے، ان پر بائیدو نام کا ایک منگول سردار ناظم اور عامل ہے اور ان سارے علاقوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تیز رفتار

قاصد، ہلاکو خان کی طرف روانہ کروں اور اسے دعوت دوں کہ اگر وہ بغداد پر حملہ آور ہو تو ہم اس کی پوری طرح مدد اور اعانت کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ میری اس پیشکش پر ہلاکو خان ضرور غور کرے گا۔ اور اگر وہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوتا ہے اور بغداد کو اپنا ہدف بناتا ہے تو پھر یاد رکھنا، خلافت ہماری ہوگی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لمحہ بھر کے لئے ابنِ علقمی رُکا، پھر سیانوف اور ناؤس دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر آپ لوگوں نے مل کر کرخ اور حلہ کے امامیہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے اندر ایک ہیجان پیدا کیا ہے تو ایک شخص ایسا ہے جو اس ہیجان کو ٹھنڈا بھی کر سکتا ہے لہٰذا اس سے بچ کر رہنا۔''

ابنِ علقمی کے ان الفاظ پر سیانوف اور ناؤس دونوں تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ پھر ناؤس نے پوچھ لیا۔

''آپ کا اشارہ کس شخصیت کی طرف ہے؟''

اس پر ابنِ علقمی بولا اور کہنے لگا۔

''میرا اشارہ امامیہ کے عالم ابوالحسن علی بن حسین کی طرف ہے۔ وہ محلہ کرخ ہی کے رہنے والے ہیں اور کرخ کے اندر ان کا بڑا اثر و رسوخ ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے ابنِ علقمی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ناؤس بولا اور کہنے لگا۔

''اگر ان کا تعلق امامیہ سے ہے تو پھر ان سے ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اور کرخ اور حلہ دونوں محلوں کے لئے وہ کیسے خطرہ بن سکتے ہیں؟''

ابنِ علقمی کے چہرے پر اس موقع پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالحسن علی بن حسین ایک بہترین عالم ہیں۔ امامیہ سے ان کا تعلق ہے لیکن وہ ایک سچے اور کھرے مسلمان بھی ہیں۔ ان کے خیالات اور لوگوں سے مختلف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سب خواہ امامیہ والے ہوں یا سنت والجماعت کے ہوں، سب سے پہلے مسلمان ہیں، اس کے بعد ہم کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا رسول (ﷺ) ایک ہے......''

ابنِ علقمی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ناؤس پھر بولا اور کہنے لگا۔

''کیا وہ چاروں خلفاء کو راشد خیال کرتے ہیں؟''

اس پر ابنِ علقمی بولا اور کہنے لگا۔

''بالکل۔ اُن کا کہنا ہے کہ جب سارے ہی مسلمان حضرت علیؓ کو قابلِ تکریم، صاحبِ وقار اور اپنا رہنما سمجھتے ہیں تو پھر ہم امامیہ سے تعلق رکھنے والے باقی تینوں شیخان سے کیوں بیزاری کا اظہار کریں؟ ہمارے لئے وہ چاروں ایک جیسے ہیں۔ یہ خیالات ہیں ابوالحسن علی بن حسین کے۔ اور محلہ کرخ میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو بڑی سختی سے ان کے خیالات کا حامی ہے۔''

ابنِ علقمی جب خاموش ہوا، تب اس بار سیانوف بولا اور کہنے لگا۔

''ہمیں اس بات کی بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ ہمارے ہم خیال ہیں، خلافت کو بنو عباس سے نکال کر علویوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عنقریب اپنے قاصد، ہلاکو کی طرف روانہ کریں گے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو ہر کوئی نہیں کر سکتا اور اس کے لئے آپ کی ذات قابلِ تعریف ہے۔ اس موقع پر ہم آپ سے یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم ابوالحسن علی بن حسین سے بات کریں اور انہیں اسی موضوع کی طرف لانا چاہیں جس موضوع پر ہم آپ کے ساتھ متفق ہوئے ہیں تو آپ کا خیال ہے کہ ہم انہیں اپنا ہم نوا بنا لیں گے کہ نہیں؟''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر علقمی کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''تم دونوں ضرور ابوالحسن علی بن حسین سے ملاقات کرو۔ اگر تم انہیں اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو میں سمجھتا ہوں، یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔''

اس پر سیانوف اور ناؤس دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پُرجوش انداز میں ابنِ علقمی سے مصافحہ کیا، پھر ناؤس کہنے لگا۔

''آپ ہلاکو کی طرف قاصد بھیجنا نہ بھولیے گا۔''

ابنِ علقمی نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور اس کے ساتھ ہی سیانوف اور ناؤس دونوں وہاں سے نکل گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سیانوف اور ناؤس دونوں امامیہ کے عالم دین ابوالحسن علی بن حسین کی حویلی کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

دروازہ جب کھلا تو دروازہ کھولنے والا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔ اسے دیکھتے ہی ناؤس بولا اور کہنے لگا۔

''میرا نام ناؤس ہے اور یہ میرا ساتھی ہے اور اس کا نام سیانوف ہے۔ ہم محترم ابوالحسن علی بن حسین سے ملنا چاہتے ہیں۔''

اس شخص کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگا۔

''میں ہی ابوالحسن ہوں۔ آپ اندر تشریف لائیں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ گئے۔ سیانوف اور ناؤس دونوں حویلی میں داخل ہوئے۔ ابوالحسن نے دروازے کو اندر سے زنجیر لگائی اور ان دونوں کو اپنے ساتھ دیوان خانے میں لے گئے، انہیں اپنے سامنے بٹھایا، پھر کہنے لگے۔

''اب بتائیں، آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟''

اس پر ناؤس بولا اور کہنے لگا۔

''ہم اس سے پہلے ابنِ علقمی سے مل کر آئے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ محلہ کرخ اور حلہ کے اندر سنت والجماعت کے حکمرانوں کے خلاف ایک ہیجان اور نفرت پائی جاتی ہے۔ لوگ بنو عباس کی خلافت سے مطمئن نہیں ہیں اور خلافت کو علویوں میں منتقل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اسی سلسلے میں ہم آپ سے بات کرنے کے لئے آئے ہیں کہ آپ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ بغداد کے اندر آپ جیسی شخصیت کا وقار اور عزت ہے۔ لوگ آپ کی بات مانیں گے اور جس طرح آپ کہیں گے، اسی طرح عمل کریں گے۔ ایسا ہو جانے کی صورت میں خلافت بنو عباس سے بڑی آسانی کے ساتھ علویوں کی طرف منتقل کی جاسکتی ہے۔''

سیانوف اور ناؤس کی یہ گفتگو سن کر ابوالحسن علی بن حسین نے ایک ناپسندیدہ سی نگاہ ان پر ڈالی اور کہنے لگے۔

''دیکھو میرے عزیزو! میرے ساتھ مسلمانوں سے متعلق اوہام کے کالے بادلوں اور تخیل کے پُر پیچ راستوں کی سی بات نہ کرو۔ اگر مسلکی اختلافات کو ہوا دی گئی تو یاد رکھنا اس میں صرف ایک مسلک والے کو نقصان نہیں پہنچے گا، دونوں مسلک والوں کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور مسلمانوں کی حالت تاروں کے کفن پہنتی شام، آتی جاتی رُتوں

کی بدبختی کی لکیروں سے بھی ابتر ہو کر رہ جائے گی۔ لوگ ایک دوسرے کا گریبان پکڑیں گے۔ بغداد کے اندر امن کی سطح کو لرزاں کر دینے والے طوفان اُٹھیں گے۔ اُفق کی گردن پر لہو کی صلیبیں جما دی جائیں گی۔ دیکھو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں، مسلمانوں کی زندگی کے تلاطم میں سلگتی آگ، اُداس شاموں، سُونی پڑی گلیوں کا سا ماحول پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں چاہئے کہ مسلمانوں کے اندر اتفاق اور یکجہتی کی بات کرو۔ سنو! ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں، اس کے بعد ہمارا کسی مسلک سے تعلق ہے۔ اور اگر ہم اپنے مسلمان ہونے کو پس پشت رکھتے ہیں اور پہلے مسلکی بات کو ہوا دیتے ہیں تو یاد رکھنا، ہمارے اندر نا اتفاقی اور کمزوری پیدا ہو گی اور ہمارے اردگرد جو ہمارے دشمن بھوکے گِدھوں کی طرح اس تاک میں ہیں کہ مسلمانوں کے اندر نا اتفاقی اور نفاق پیدا ہو اور ہم انہیں نوچ کھائیں، وہ ہم پر اُمڈ پڑیں گے۔ اگر مسلمانوں کے اندر اتفاق اور تعاون رہتا ہے تو یاد رکھنا ان کے اندر مہتاب کے نور اور نجوم کی درخشانی جیسی یکجہتی رہے گی اور وہ ایک لازوال اور بے مثال قوت بن کر اپنے ہر دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے۔ لہٰذا تم سے پھر کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے اندر نوحہ گری کا آخری کہرام، ذلت و پستی کا تخم بننے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم مسلمانوں کے اندر اتفاق، تعاون، پیار اور محبت بات کرتے ہو تو پھر میں قدم قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بھی یاد رکھو، بنو عباس، حضور ﷺ کے چچا عباس کی نسل سے ہیں۔ ہاشمی ہیں اور قابلِ احترام ہیں۔''

ابوالحسن علی بن حسین جب خاموش ہوئے، تب سیانوف بولا اور کہنے لگا۔

''اگر ہم مسلکی اختلافات کو تقویت دے کر خلافت کو تبدیل کرنا چاہیں تو پھر آپ کا کیا ردِعمل ہو گا؟ اور آپ کیا کریں گے؟''

ہلکا سا خوب صورت تبسم ابوالحسن علی بن حسین کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگے۔

''میں وہی کچھ کروں گا، جو میرے اللہ اور میرے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ لوگوں کو پکاروں گا اور انہیں اتحاد و یکجہتی کا پیغام دوں گا۔''

اگلے روز ابوالحسن علی بن حسین محلہ کرخ میں ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''لوگو! بغداد شہر کے اندر کچھ لوگ انجانے پروں پر پرواز کرتی قضا، پھیلتے بڑھتے

خونی سیالوں، دل و جان کے رشتوں کو معدوم کر دینے والے آتشیں ریگزاروں کے بگولوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر وہ مسلکی اختلافات، فروعی مسائل کو ہوا دے کر مسلمانوں کی حالت منزلوں کے ٹوٹے سنگِ میل، موت کے دائرے بنتے بھنور جیسی کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو! ایسے ہی لوگ مسلمانوں کے اندر مظالم کی رودادیں، خطاؤں کی کہانیاں تحریر کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ نفس پرستی کے طوفان کھڑے کر کے جاگتے ہولناک سپنوں کا سا ماحول پیدا کر کے رکھ دیتے ہیں۔

سنو!...... مجھے غور سے سنو!...... جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں، یہ باتیں میں اس سے پہلے بھی تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں لیکن آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ یوں جانو میں نے اپنی آنکھوں سے ایک خواب دیکھا ہے اور اس خواب کی تعبیر تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ تمہارے محلے کے علاوہ حلہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمانوں کی تقسیم، ان کے اندر نفاق، ان کے اندر نااتفاقی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ان کا اتباع نہ کرنا۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، انگارہ جذبوں، درد کی نئی سوغاتوں، ٹوٹے بکھرے اُجڑے دیار، کردار کی ہتھیلی سے گرے ہوئے انسانوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ بوند بوند پانی کو ترستے بادلوں اور غموں کے منجمد لمحوں کی طرح اپنی موت آپ مر جاؤ گے۔ میں پھر تم سے کہتا ہوں، ہم سب مسلمان ہیں۔ اپنے اپنے مسلک کو اپنے مسلمان ہونے سے پیچھے رکھو۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے غم و مسرت، راحت اور کلفتیں، دُکھ اور سُکھ ایک ہیں۔ ہماری قدیم اساطیری رسومات، جسم و روح، دھوپ سائے، کرب و آسودگی سب ایک ہیں۔ ہم بھائی بھائی ہیں۔ جو بھی ہمارے اندر نفاق، نااتفاقی پیدا کرتا ہے، اسے اپنا دشمن جانو۔ ایسے لوگ تمہارے محلوں میں داخل ہو چکے ہیں، ان سے محتاط رہو۔ یہ لوگ نبضِ فطرت میں ہلچل برپا کر کے ہماری زیست کے قہقہوں میں دُکھ بھرنا چاہتے ہیں اور ہماری چاہتوں کے راز و نیاز میں ایک ہیجان برپا کرنے کے درپے ہیں۔ میں پھر تم سے کہتا ہوں، نفاق پیدا کرنے والوں، نااتفاقی کا بیج بونے والوں سے محتاط اور ہوشیار رہنا۔ نہیں کرو گے تو پھر پچھتاؤ گے۔ جب وبا آئے گی، جب مصیبت آئے گی تو پھر صرف ایک مسلک کے لوگوں پر مصیبت اور ذلت نہیں آئے گی۔ سارے مسلمان ہی اس کا شکار ہوں گے۔ پھر نہ کوئی شہر رہے گا، نہ بستی۔ نہ آبادی رہے گی، نہ آبادیوں کو

آباد کرنے والے۔

میں جانتا ہوں، ان دنوں کرخ اور حلہ میں کچھ تحریکیں بڑی تیزی کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، ان سے بچ کر رہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہمارے اندر پھر وہی بدعتیں شامل ہو جائیں جو بنو بویہ نے ہمارے اندر جاری کی تھیں اور ہم باقی مسلمانوں سے کٹ کر ایک ایسے جزیرے کی شکل اختیار کر جائیں جس کا کسی سے کوئی تعلق واسطہ اور رابطہ نہ ہو۔ یاد رکھو......"

ابوالحسن علی بن حسین یہیں تک کہنے پائے تھے کہ ایک طرف سے تیز اور جان لیوا تیروں کی بوچھاڑ آئی اور ابوالحسن علی بن حسین کو چھلنی کر کے رکھ دیا۔ وہ وہیں گر کر دم توڑ گئے تھے۔

ابوالحسن علی بن حسین کے اس طرح مارے جانے سے امامیہ نے دوسرے مسلک پر ان کی موت کا الزام لگایا۔ اس طرح بغداد کے محلّہ کرخ میں ایک ہیجان اور ایک افراتفری کا عالم برپا ہو گیا تھا۔

محلہ کرخ کے کچھ شرفاء نے ان حالات کی شکایت خلیفہ مستعصم کے بیٹے ابوبکر سے کی۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے ابوبکر نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ اجلاس میں شامل ہونے والوں میں بغداد کے لشکریوں کا سپہ سالار فتح الدین داؤد، مجاہد الدین ایبک، نامور عرب سالار منصور بن احمد، مشہور و نامور سالار شرف الدین کردی اور امامیہ سے تعلق رکھنے والا صالح بن اشرف شامل تھے۔

جب سب جمع ہو گئے تب ابوبکر نے جو صورتِ حال بغداد کے محلّہ کرخ میں پیش آئی تھی، وہ ان سب کے سامنے پیش کی۔

اس موقع پر لشکریوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد بولا اور ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے خیال میں سب سے پہلے صالح بن اشرف کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ اسی محلے کا رہنے والا ہے۔ وہاں کے حالات کو بہتر طور سے جانتا ہے۔"

ابوبکر کے علاوہ باقی سالاروں نے بھی فتح الدین داؤد کی اس تجویز سے اتفاق کیا

تھا۔ لہٰذا سب صالح بن اشرف کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ صالح بن اشرف نے گلا صاف کیا، پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"ہم مسلمانوں میں مصیبت یہ ہے کہ ہم آپس میں اتفاق اور یکجہتی قائم نہیں رکھ سکتے۔ ابوالحسن علی بن حسین جہاں امامیہ والوں میں شہرت رکھتے تھے، وہاں وہ ہمارے دوسرے مسالک کے لوگوں کے اندر بڑی اہمیت اور بڑے وقار اور عزت کے حامل تھے۔ لہٰذا کسی بھی دوسرے مسلک والے نے ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ نہیں کیا۔ میں آپ لوگوں پر انکشاف کروں کہ کرخ اور حلہ دونوں محلوں کے حالات خراب کرنے میں کچھ قوتیں ملوث ہیں۔ اور ان قوتوں کی سرپرستی قلعہ الموت کا شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کر رہا ہے۔ جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے، اس کے مطابق کرخ اور حلہ میں اس وقت دو آدمی بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ ایک کا نام سیانوف، دوسرے کا ناؤس ہے۔ ان کے ساتھ رکن الدین خورشاہ کے بیس بیس فدائی ہیں جو ان کی حفاظت کا سامان کرتے ہیں۔ یہ دونوں یعنی سیانوف اور ناؤس، مسلمانوں کے اندر نااتفاقی، نفرت اور تعصب پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں پر واضح کر دوں کہ اگر ان کا خاتمہ نہ کیا گیا تو بغداد کے اندر وہ صورتِ حال پیدا ہو گی کہ بھائی، بھائی کا سر کاٹے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد صالح بن اشرف رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہنے لگا۔

"اگر آپ لوگ میری مانیں تو آج ہی ایسے لوگوں کے خلاف حرکت میں آ جانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ جو زہر کرخ اور حلہ میں انہوں نے پھیلانا تھا، اس کے بیج وہ ڈال چکے ہیں۔ اب ان بیجوں کی وجہ سے جو فصل بنے گی اور پکے گی، وہ بڑی ہولناک ہو گی۔ لہٰذا اگر ہم نے وقت ضائع کیا تو اس سے بھی زیادہ خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد صالح بن اشرف جب خاموش ہو گیا تب سارے سالاروں کے علاوہ خلیفہ مستعصم کے بیٹے ابوبکر نے بھی اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ فتح الدین نے اسی وقت کچھ دستے متعین کئے اور بقول مؤرخین اپنے سالاروں کے ساتھ ابوبکر نے ان

محلوں میں گھس کر مسلمانوں کے اندر نااتفاقی، نفاق اور نفرت کا بیج بونے والوں کا قلع قمع کر دیا۔ سیانوف اور ناؤس بھی اس حملے کے دوران مارے گئے۔ کچھ لوگوں کو زندہ گرفتار کیا گیا اور محلہ کرخ کے لوگوں نے تسلیم کیا کہ شیخ ابوالحسن علی بن حسین پر تیر اندازی کرنے والے وہی ہیں۔ جب ان پر سختی کی گئی تو انہوں نے تسلیم کیا کہ اس ساری سازش میں ان کا شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ شامل ہے۔ اور سیانوف اور ناؤس دونوں اس کے نمائندے تھے۔ اور ہم نے ہی ابوالحسن علی بن حسین پر تیر اندازی کی تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے جرم کو تسلیم کیا تو ابوبکر کے حکم پر ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

اس طرح وقتی طور پر بغداد کے محلہ کرخ اور حلہ میں ایک سکون اور ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ اسی دوران بغداد کا غیر ذمہ دار اور متعصب وزیر ابنِ علقمی اپنے دو قاصدوں کو ہلاکو خان کی طرف بھیج چکا تھا۔

○○○○○

دوسری طرف منگولوں کی حالت یہ تھی کہ چنگیز خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اوغدائی خان، منگولوں کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا۔

اپنی موت سے پہلے چنگیز خان نے اپنے بیٹوں میں علاقے تسلیم کر دیئے تھے۔ لہٰذا اوغدائی خان کے بھائی اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں پر جو چنگیز خان نے مقرر اور نامزد کر دیئے تھے، قابض اور متصرف ہو گئے تھے۔

چنگیز خان نے اپنے مرنے سے پہلے دشتِ قپچاق، دشتِ خزر، الان، روس، بلغار پر اپنے سب سے بڑے بیٹے ''جوچی'' کی حکومت تسلیم کی تھی۔ اس کے بعد ماور النہر، خوارزم، کاشغر، بدخشاں، بلخ، غزنی اور دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے بیٹے چغتائی خان کے حوالے کیا تھا۔ جبکہ چوتھے بیٹے تولائی خان کی حکومت میں منگولستان کا ایک حصہ دیا اور حکم دیا تھا کہ اوغدائی کے لشکر کا اہتمام اور سپہ سالاری تولائی خان سے متعلق رہے گی۔
اس طرح اوغدائی کو بادشاہ اور باقی بیٹوں میں سلطنت کو تقسیم کرنے کے بعد چنگیز خان وفات پا چکا تھا۔

کہتے ہیں کہ دو برس حکومت کرنے کے بعد اوغدائی نے اپنے تمام بھائیوں کو طلب کیا اور ایک بہت بڑی ضیافت اور جشن کا اہتمام کیا۔ جب سب لوگ آ چکے تو اپنے بھائیوں سے مخاطب ہو کر اوغدائی خان کہنے لگا۔
''میں شہنشاہ کے عہدے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ آپ جسے مناسب سمجھیں اپنا شہنشاہ بنالیں۔''

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اوغدائی خان، مسلمان ہو چکا تھا۔ اس موقع پر اس کے

بھائی چغتائی اور دوسرے بھائیوں اور سرداروں نے با اصرار اُسے تخت پر بٹھایا اور منگولوں کی رسم کے مطابق سب نے آفتاب کی پرستش کی۔ اس کے بعد سب سے بڑے بیٹے، جوچی خان کا بیٹا باتو خان اور تولی خان کے بیٹے منگو خان کو مامور کیا کہ وہ روس، چرکس اور بلغاریہ پر لشکر کشی کریں۔

اوغدائی خان سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ بہت سنجیدہ مزاج اور نیک طینت شخص تھا۔ اس نے ملکوں کی آبادی اور رفاہِ رعایا کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ اوغدائی خان کو مسلمانوں سے خاص طور پر محبت اور اُنسیت تھی۔ وہ مسلمانوں کو قابلِ تکریم سمجھتا اور ان کو ہر قسم کی راحت پہنچانا چاہتا تھا۔
منگولوں کے دستور کے مطابق غوطہ مار کر پانی میں نہانا گناہِ کبیرہ ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اوغدائی خان اور چغتائی دونوں ہمراہ جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا، ایک مسلمان دریا میں غوطہ مار کر نہا رہا ہے۔

اس موقع پر چغتائی خان نے فوراً اس کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن اوغدائی خان نے کہا، اس کو گرفتار کر لو، مجمعِ عام میں اس کو قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اوغدائی نے چغتائی خان سے جدا ہو کر تنہائی میں اس مسلمان قیدی سے کہا۔
''تم کہہ دینا، میرے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی۔ مجھ کو ڈاکوؤں کے اندیشے سے اس کو چھپانے کی ضرورت تھی، لہٰذا میں دریا میں اس کو چھپانے کے لئے داخل ہوا تھا۔''

جب اس مسلمان کو مجمعِ عام میں سزا کے لئے حاضر کیا گیا تو اس نے اپنی بے گناہی کے ثبوت میں وہی بات کہی جو اوغدائی نے سمجھائی تھی۔ یہ سن کر دریا میں اس مقام پر اشرفیوں کی تھیلی تلاش کرنے کے لئے آدمی بھیجے گئے۔ اوغدائی نے پہلے ہی وہاں تھیلی ڈال دی تھی۔ وہ برآمد ہوئی اور مسلمان کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ اس کو وہ اشرفیوں کی تھیلی اور چند تھیلیاں بطور انعام دے کر اوغدائی نے رہا کر دیا۔
اس طرح جہاں تک اس کو موقع ملتا، وہ مسلمانوں کو نفع پہنچاتا تھا۔ مگر دوسرے منگول، مسلمانوں کے دشمن اور ان کو نقصان پہنچانے کے بڑے شوقین تھے۔
اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص اوغدائی خان کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔

"میں نے رات خواب میں چنگیز خان کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میرے بیٹے اوغدائی خان کو جا کر میرا یہ پیغام دینا کہ میری خوشی اور خواہش یہ ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور ان کے قتل کرنے میں ہرگز تامل روا نہ رکھا جائے۔"

اوغدائی خان نے کہا۔

"کیا تُو منگولی زبان جانتا ہے؟"

اس نے کہا۔

"نہیں...... میں صرف فارسی میں گفتگو کر سکتا ہوں اور فارسی ہی سمجھ سکتا ہوں۔"

اوغدائی خان نے کہا۔

"چنگیز خان سوائے منگولی زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا اور فارسی قطعاً نہیں بول سکتا تھا۔ تُو نے اس کے کلام کو کس طرح سمجھا؟"

یہ کہہ کر حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ جھوٹا آدمی ہے اور چنگیز خان پر بہتان باندھتا ہے۔ چنانچہ فوراً اس کو قتل کر دیا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اوغدائی خان کی نسبت عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اگرچہ اعلانیہ مسلمان نہ ہوا تھا لیکن پوشیدہ طور پر وہ اسلام کو سچا مذہب مان کر مسلمان ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کے حق میں اوغدائی خان کی سخاوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خراسان اور شام تک کے لوگ اس کی سخاوت کا شہرہ سن کر منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم میں چلے جاتے اور مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اوغدائی خان کے باپ چنگیز خان نے جس طرح ظلم اور خون ریزی کے ذریعے دولت جمع کی تھی، اس کے بیٹے اوغدائی خان نے اسی طرح محبت، شفقت اور خدا ترسی کے جذبے سے اسے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منگولوں کی زیادتی اور ظلم سے جو لوگ ابتداءً دہشت زدہ اور بے زار و متنفر تھے، اوغدائی خان کی سخاوت اور انصاف کے سبب اس سے محبت کرنے لگے تھے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ منگولوں کی سلطنت کا بانی اگرچہ چنگیز خان تھا۔ لیکن اس کی بنیادوں

کو پائیدار اور استوار کرنے والا اس کا بیٹا اوغدائی خان تھا۔

اوغدائی خان کے بعد اس کا بیٹا منگولوں کا حکمران بنا۔ اس کا نام کیوک خان تھا۔ کیوک خان کا بھی سلوک مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا تھا۔ وہ مسلمانوں سے رواداری کے ساتھ پیش آیا کرتا تھا۔

کیوک خان کی بیوی عیسائی تھی جو برابر کیوک خان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ولیم نام کا ایک راہب بھی وہاں موجود تھا اور وہ بھی کیوک خان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں اپنا کام سرانجام دے رہا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں عیسائی، کیوک خان کے مزاج میں دخیل ہو گئے اور اسے مسلمانوں سے متنفر کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کیوک خان نے ایک روز فرمان لکھوایا کہ مسلمانوں کے قتل کرنے اور ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے تمام سردار آمادہ ہو جائیں۔ اس حکم کو لکھوا کر وہ جب باہر نکلا تو اس کے شکاری کتوں نے یکایک اس پر حملہ کیا اور اس کو چبا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

کیوک خان کے بعد منگو خان، منگولوں کا شہنشاہ بنا۔ منگو خان، چنگیز خان کے سب سے چھوٹے بیٹے تولائی خان کا بیٹا تھا یہ چار بھائی تھے۔ منگو خان، قبلائی خان، ہلاکو خان اور اریک بوغا۔

چنگیز خان کی طرح منگو خان نے اپنے بھائیوں کو مختلف علاقوں کی طرف بھیج کر فتوحات کے سلسلوں کو مزید وسیع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چین کے لئے اس نے قبلائی خان کو نامزد کیا۔ مسلمانوں کے وہ علاقے جو چنگیز خان نے فتح کئے تھے، ان پر ہلاکو خان مقرر ہوا۔ جبکہ اپنے چھوٹے بھائی اریک بوغا کو منگولوں کا خاقان بننے کے بعد منگو خان نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس طرح قبلائی خان چین اور ہلاکو خان مسلمانوں کے علاقوں کا رخ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

اسی دور میں ابنِ علقمی کے دو قاصد ہلاکو خان کی خدمت میں ابنِ علقمی کا پیغام پہنچانے کے لئے منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم میں داخل ہوئے۔

ہلاکو خان کو جب ابنِ علقمی کے قاصدوں کے آنے کی اطلاع دی گئی تو اس نے

انہیں پیش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ابنِ علقمی کے قاصدوں کو ہلاکو خان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان قاصدوں نے ابنِ علقمی کا ایک خط ہلاکو خان کی خدمت میں پیش کیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ ہلاکو خان نے ابنِ علقمی کا خط سنا۔ یہ پہلا خط تھا جو ابنِ علقمی کی طرف سے ہلاکو کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہلاکو خان نے ابنِ علقمی کے اس خط پر کوئی زیادہ توجہ نہ کی۔

اپنے خط میں ابنِ علقمی نے لکھا تھا کہ میں بڑی آسانی سے بلا جنگ اور بلا جدال و قتال خلیفہ بغداد اور عراق کی سرزمینوں پر آپ کا قبضہ کرا دوں گا۔ آپ اس طرف ضرور فوج کشی کریں۔

ابنِ علقمی کے اس خط کے جواب میں بقول مؤرخین، ہلاکو خان نے لکھا کہ علقمی جو وعدہ کرتا ہے، اس کے لئے کیا اس کے پاس کوئی کافی ضمانت ہے؟ ہم اس کی بات پر کس طرح یقین کریں؟

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ دراصل خلیفہ بغداد کی کثرتِ افواج، عربوں کی جانثاری، بہادری اور اہلِ بغداد کی جواں مردی سے منگول پہلے ہی مرعوب تھے اور چنگیز خان کی وفات بلکہ اس کے دور میں بھی شام کی سرزمینوں میں منگولوں کے کئی لشکروں کو عرب قبائل کے مقابلے میں شکستیں بھی ہو چکی تھیں اور عربوں نے اپنی صحرائی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے کئی مواقع پر منگولوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر رکھ دیا تھا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہلاکو خان کا یہ پیغام جب ابنِ علقمی کو پہنچا تو ابنِ علقمی نے خلیفہ مستعصم کی خدمت میں حاضر ہو کر محاصلِ ملکی کی کمی اور لشکر کی تنخواہوں کے زیادہ ہونے کی شکایت کر کے تخفیفِ لشکر کی تجویز پیش کی اور خلیفہ نے منظور کر لی۔

اس کے علاوہ لشکرِ بغداد کا بڑا حصہ دوسرے شہروں، ریاستوں کی طرف منتشر کر دیا گیا۔ جو تھوڑے سے آدمی بچے، ان کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے ابنِ علقمی نے یہ صورت اختیار کی کہ بازار کا محصول وصول کرنے کی لشکریوں کو اجازت دے دی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابنِ علقمی کے ان اقدامات کی وجہ سے بغداد کا جو بہت بڑا لشکر تھا، منتشر ہو کر رہ گیا۔ لشکر کی اکثریت بغداد سے باہر بھیج دی گئی۔ چند دستے بغداد میں رکھے گئے۔ پھر ابنِ علقمی نے جو لشکریوں کو اجازت دے دی کہ وہ شہریوں کے

محصول کی صورت میں اپنی تنخواہ وصول کر لیا کریں تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس سے شہر والوں کو سخت اذیت پہنچی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔

اس طرح ابنِ علقمی کو ایک اور بہانہ مل گیا کہ لشکری شہر میں لوٹ مار کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ اس بہانے کو سامنے رکھتے ہوئے ابنِ علقمی نے بہت سے لشکریوں کو لشکر سے نکال دیا اور خلیفہ سے کہہ دیا کہ ان کو منگولوں کی روک تھام کے لئے سرحدوں کی طرف روانہ کر دیا گیا ہے۔

اس موقع پر ابنِ علقمی نے ایک اور کام کیا۔ حلہ کی بستی میں امامیہ والوں کی آبادی زیادہ تھی۔ چنانچہ حلہ کے امامیوں کو آمادہ کر کے ابنِ علقمی نے ان سے ہلاکو کے پاس خطوط بھیجے اور مؤرخین کے مطابق ان خطوط میں لکھا تھا۔

”ہمارے بزرگوں نے بطور پیش گوئی ہم کو خبر دی تھی کہ فلاں سن میں فلاں منگول سردار بغداد اور عراق پر حملہ کرے گا۔ ان کی پیش گوئی کے موافق آپ ہی وہ فاتح سردار ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ آپ کا قبضہ اس ملک پر ہونے والا ہے۔ لہٰذا ہم قبل از وقت اپنی فرماں برداری کا اقرار کرتے اور آپ سے اپنے لئے امن طلب کرتے ہیں۔“

چنانچہ حلہ نام کی بستی کے جو لوگ ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہوئے، مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہلاکو نے ان کے قاصدوں کو بخوشی امن نامہ لکھ کر دے دیا تھا۔

جس وقت ہلاکو خان، ابنِ علقمی کے کہنے پر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پَر تول رہا تھا، انہی دنوں ایک اور انقلاب اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ انقلاب برقائی خان کی طرف سے تھا۔

برقائی خان، چنگیز خان کے سب سے بڑے بیٹے، جوچی کا بیٹا تھا۔ جوچی کے دو بیٹے تھے۔ باتو اور برقائی خان۔ جوچی کو مغرب کا علاقہ جہاں دریائے وولگا اور دریائے یورال بہتے ہیں، ملا تھا۔ جوچی کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا اور برقائی خان کا بڑا بھائی باتو ان علاقوں کا حکمران بنا۔

باتو خان اور برقائی خان میں بڑا اتفاق اور پیار تھا۔ باتو خان بڑی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ جب وہ شراب پیتا تھا تو وحشی تاتاری ساز بجتے تھے۔ اس کے جام طلائی ہوتے تھے۔ مگر اب بھی ان میں چنگیز خان کے دور کی طرح گھوڑیوں کا

دودھ بھرا ہوتا تھا۔ اس کی سولہ بیویاں تھیں اور جب وہ کبھی اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتا تو اس کے متحرک پڑاؤ کے ساتھ ساتھ اس کی وہ سولہ بیویاں اپنے اپنے چھکڑوں میں سفر کرتی تھیں۔ اس کی سولہ بیویوں میں سے کافی اولاد تھی اوران سب کے نام باتو خان کو خوب یاد تھے۔

اسی باتو خان یعنی برقائی خان کے بڑے بھائی کے حکم سے دریائے وولگا کے کنارے ایک شہر آباد کیا گیا جس کا نام سرائے رکھا گیا۔ اس شہر کی فصیلیں کچی تھیں جن کے اندر خیموں کا شہر آباد کیا گیا تھا۔ اس شہر میں مشرق اور مغرب کے تاجر آتے جاتے رہتے جس کی وجہ سے یہ بہت بڑی تجارت گاہ بن گیا تھا۔

بہار کے موسم میں باتو خان دریائے وولگا کے بائیں کنارے پر زندگی بسر کرتا۔ چنگیز خان کے دور کی طرح وہ اس بات کی بڑی احتیاط کرتا تھا کہ اپنے گندے ہاتھ، بہتے پانی میں نہ دھوئے کیونکہ اس سے پانی کی ارواح ناراض ہو جاتی ہیں۔ لیکن اسے اس میں بڑا مزہ آتا تھا کہ اس کے فربہ اندام جسم پر کنیزیں مشک ملیں۔ اس کے سر کے پیچھے دو موٹی موٹی چوٹیاں ہوتی تھیں جن میں قیمتی جواہرات گندھے ہوتے تھے۔ وہ گنٹھیا کا مریض تھا اور گنٹھیا سے متورم ٹخنوں میں قرمزی کپڑے کی جوتیاں، چینی ریشم کے زیب جامے ہوتے تھے اور وہ بھیڑیے کی کھالوں کے لباس پہننا بہت پسند کرتا تھا۔ ماضی کی طرح اس کے قبضے میں اب بھی تلوار تھی جسے وہ خوب استعمال کرتا تھا۔ اس کی تلوار کا قبضہ کہتے ہیں چاندی کا تھا۔ اس کے کمربند میں طلائی مہرے لٹکے جگمگاتے رہتے تھے۔ اس کے سر کی منڈھی ہوئی ٹوپی پر موتی جڑے ہوتے تھے۔ باتو خان اپنے خاقان کی طرف سے بالکل آزاد تھا اور منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم سے دُور خودمختار اور آزادی کی زندگی بسر کرنا پسند کرتا تھا۔

باتو خان کے بعد اس کا بھائی، برقائی خان مغرب کے ان علاقوں کا خاقان بنا۔ اپنے بھائی باتو خان کی زندگی ہی میں برقائی خان ایک مسلمان عالم دین شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں شیخ شمس الدین باخوری، بخارا میں مقیم تھے۔ انہوں نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس دعوت کے جواب میں برقائی خان مسلمان ہو گیا تھا۔

شیخ شمس الدین باخوری نے برقائی خان کو وصیت کی کہ وہ خلیفہ بغداد کو اپنے اسلام قبول کرنے کی اطلاع کرے، خیر سگالی کے خطوط انہیں لکھے اور ہمیشہ خلیفہ کا حلیف اور اتحادی بن کر رہے۔

برقائی خان نے شیخ شمس الدین باخوری کی ہدایت کو قبول کرلیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ برقائی خان اپنے بھائی باتو خان ہی کی طرح موٹا تازہ تھا۔ اسی کی طرح وہ گنٹھیا کے مرض میں مبتلا تھا۔ اس کی جلد زردی مائل تھی۔ کانوں کے پیچھے وہ اپنی زلفوں کو گوندھتا تھا۔ باتو خان کی طرح اسے بھی جواہرات کے آویزے، ٹوپیاں اور مرصع کمربند پسند تھے۔

اپنے بڑے بھائی باتو خان ہی کی طرح برقائی خان کی بھی تمنا تھی کہ وہ اپنے لئے ایک نیا شہر آباد کرے۔ چنانچہ اس کے بڑے بھائی باتو خان نے جو دریائے وولگا کے نشیبی علاقے میں دریا کے کنارے شہر آباد کیا تھا، جو سرائے کہلاتا تھا، وہ خیموں کا شہر تھا۔ برقائی خان نے اس دریا کے کنارے اور زیادہ شمال میں ایک اور شہر آباد کیا اور بجائے خیموں کے اس میں اینٹوں سے تعمیر کی گئی۔ اس تعمیر کے لئے اس نے مختلف علاقوں سے مسلمان کاریگروں کو اپنے پاس جمع کیا تھا۔ جاڑوں میں یہ زیادہ آرام دہ شہر ثابت ہوا۔ آج کل ان دونوں شہروں میں سے ایک کو سرائے باتو اور دوسرے کو سرائے برقائی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد مؤرخین لکھتے ہیں کہ 1258ء میں منگو خان کی موت سے کچھ عرصہ پہلے برقائی خان نے اپنے کچھ لشکریوں کو مغرب پر چھاپے مارنے کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ہراول دستے پولینڈ کی سرحد کے اندر تک گھستے چلے گئے تھے۔ جن راستوں سے وہ گزرتے تھے، پولینڈ اور دوسرے علاقوں کے لوگ خوف اور ڈر کے مارے ان سڑکوں کو کالی سڑکیں کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ منگول جہاں سے بھی گزرتے، آتش زنی اور لوٹ مار کرتے جاتے تھے۔

پولینڈ سے گزرنے کے بعد برقائی خان کے یہی لشکر روس کے علاقوں میں داخل ہوئے اور روسیوں کو رگیدنے کے بعد لتھوینیوں پر حملہ کر دیا اور یہاں بھی انہوں نے کافی مال و دولت جمع کیا۔ اس طرح سردی کے موسم میں وہ مغرب اور شمال کی طرف

یلغار کرتے ہوئے اپنے لئے بہت کچھ حاصل کرتے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس طرح بڑے سیدھے سادے طریقے سے برقائی خان کا خزانہ بھرا رہتا۔ وہ روسیوں سے خراج وصول کرتا اور مغرب کی قوموں سے لوٹ مار سے دولت وصول کر لیتا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ برقائی خان نے جو جنگی حکمتِ عملی اپنائی تھی، وہ یقیناً چنگیز خان کی اس تجویز کے بالکل برعکس تھی کہ منگولوں کا فرض ہے کہ متمدن دنیا کے لشکریوں کا قلع قمع کر کے ساری متمدن دنیا کو خانہ بدوشوں کا غلام بنا لیا جائے۔

اس طرح مغرب کی طرف یلغار کرتے ہوئے برقائی خان اپنے لئے بہت کچھ حاصل کر لیتا تھا۔ چونکہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا لہٰذا اپنے پاس وہ ترک مسلمانوں کو جمع کرنے لگا۔ اس طرح برقائی خان، منگول حکمرانوں میں پہلا شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا اور اس کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ایک انقلاب برپا ہونا شروع ہوا۔ اس لئے کہ برقائی خان نے اسلام قبول کرنے کے بعد چپ نہیں سادھ لی تھی بلکہ اس نے دوسرے منگولوں کے اندر بھی اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا اس کی دیکھا دیکھی بہت سے منگول بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تھے اور ساتھ ہی ساتھ برقائی خان اپنے علاقوں میں ترک مسلمانوں کو بھی جمع کرتا جا رہا تھا۔ اس بنا پر برقائی کی طاقت اور قوت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔

○○○○○

مسلمانوں پر یلغار کرنے اور ہلاکو خان کو مسلمانوں کے علاقوں کی طرف بھیجنے سے پہلے منگولوں کے خاقان منگو خان نے بہت سے انتظامات مکمل کئے تھے۔ ان راستوں کو صاف کیا گیا تھا جن راستوں پر ہلاکو خان نے اپنے لشکر کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ وحشیوں کی پرانی پگڈنڈی جہاں پر ہوتا ہوا کبھی چنگیز خان حملہ آور ہوا تھا، اب شاہراہ بن چکی تھی۔ اس پر ہر منزل پر چوکیاں بنا دی گئی تھیں۔ ان چوکیوں میں کھانے پینے اور سونے کا انتظام تھا اور سواری بدلنے کے لئے گھوڑوں کے گلے تھے۔ ہر منزل پر ایک چینی افسر مسافروں کو ٹھہراتا اور ان کے آنے جانے کی تاریخ اور وقت دفتر میں لکھ دیتا۔ فوجی قاصد تیز رفتاری سے سفر کرتے اور اگلی منزل پر پیغام نئے شہسواروں کے سپرد کرتے جو تازہ دم آگے سفر کرتے۔ یہ قرونِ وسطیٰ کے گھوڑوں کی ڈاک گاڑی خیال کی جاتی تھی۔ اس سلسلے کو منگول ''یام'' اور سواروں کو ''چپر'' کہتے تھے۔

کچھ مؤرخین کا یہ بھی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے، ہمارے ہاں جو چپراسی کا لفظ نکلا ہے، وہ اسی چپر ہی سے نکلا ہو۔ چنانچہ اس شاہراہ پر کبھی کوئی گرد میں اٹا ہوا منگول سوار نظر آتا، اس کا جسم چمڑے کی پیٹیوں سے کسا ہوتا۔ اس کے نیم مستور چہرے پر روغن ملا ہوتا۔ زین کی گھنٹیوں کی آواز سے پتہ چل جاتا کہ وہ خاقان کا قاصد ہے۔ اور وہ جیسے ہی ٹھہرتا، اسے تازہ دم گھوڑا تیار ملتا۔ پھر منگول پیغام ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا۔

یہ نئی چوکیوں والی سڑکیں پرانی شاہراہِ ریشم اور پہاڑی سلسلوں، دروں اور ندیوں کے آر پار ان علاقوں میں بنی ہوئی تھیں جہاں ندیوں پر پہلے کبھی پل نہیں بنے تھے۔ ان

راستوں سے نئے نئے قافلے آسانی سے مشرق اور مغرب کے درمیان سفر کرتے تھے۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ منگولوں کے خاقان منگو خان نے جب اپنے چھوٹے بھائی ہلاکو خان کو مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا تو اسے نصیحت کی کہ وہ اپنی بیوی دوقوزہ کے الفاظ پر غور کرے اور ان پر عمل کیا کرے۔

دوقوزہ کسی دور میں ہلاکو خان کے باپ کی بیوی اور اس کی سوتیلی ماں تھی اور اپنے باپ کے مرنے کے بعد ہلاکو خان نے اسے اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔ دوقوزہ سے متعلق نصیحت کرنے کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس سے بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ منگو خان کی تجویز یہ تھی کہ اس مہم میں عیسائی عنصر غالب رہے۔

ہلاکو کی محبوب بیوی دوقوزہ خاتون نسطوری عیسائی تھی۔ اس کے علاوہ ہلاکو کی ماں سیور قطنی کا بھی تعلق نستوری عیسائیوں سے تھا اور ہلاکو خان کے بعد اس کے لشکریوں کا جو سپہ سالار تھا، جس کا نام قط بوغا تھا، وہ بھی عیسائی تھا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ منگو خان کا یہ ارادہ نہ تھا کہ مذہبی لڑائی لڑیں۔ وہ اپنی یلغار میں عیسائیوں کے تعصب سے مدد لینا چاہتا تھا تاکہ اسلام کی باقی ماندہ عسکری طاقت کو کچل سکے۔

بہر حال، منگو خان کی ہدایت کے مطابق ہلاکو خان اپنا تسلط جمانے کے لئے ایک بہت بڑا اور جرار لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ چینی انجینئروں کا ایک دستہ تھا۔ بعض ماہروں کے پاس ایک نیا ہتھیار تھا یعنی چھوٹی منجنیق جس کے ذریعے آگ لگانے والا روغن نفت پھینکا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ جغرافیہ کے ماہرین تھے جو نئے مفتوحہ علاقوں کے نقشے بنا سکتے تھے۔ محصول جمع کرنے والے، سڑکیں بنانے والے اور مغرب میں چوکیاں قائم کرنے والے تھے۔ چنانچہ ہلاکو نے اپنے بھائی منگو خان کے مشورے پر عمل کیا۔ پرانے منگول دستور کے خلاف اس نے دوقوزہ خاتون کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور اسے مجلس مشاورت میں بھی شامل کیا اور اس کے مشوروں پر عمل کرنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی بیوی دوقوزہ کے لئے عبادت کرنے کے لئے لکڑی کا ایک کلیسا بھی بنا کر اس کے ساتھ رکھا تھا۔

راستے میں ہلاکو خان جہاں کہیں بھی قیام کرتا، اپنے لئے نئے لشکری بھرتی کرتا اور

ان کی تربیت کا کام شروع کرتا تھا۔ اور عسکری سپہ سالار انہیں مختلف دستوں میں بانٹتے چلے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ راستے میں غلے اور شراب کے ذخیروں میں بھی اضافہ کرتا گیا۔ راہب ولیم جو اس وقت ان علاقوں میں موجود تھا، اس کا کہنا ہے کہ ہلاکو خان جب اپنے جرار لشکر کے ساتھ کوہستانِ قفقاز کے اس علاقے سے گزرنے لگا، جہاں پہاڑی لوگ کوہستانی سلسلوں کے اندر اپنے جانوروں کے گلوں کو چراتے تھے تو وہاں اَن گنت عیسائی گرجستانی اُس کے لشکر میں شامل ہوئے۔ اس کے علاوہ آرمینیا کے بادشاہ حیثون نے بھی ایک بہت بڑا لشکر اپنے بیٹے ختلان کی سرکردگی میں ہلاکو خان کی مدد کرنے کے لئے کوہستانِ قفقاز کی طرف روانہ کیا تھا اور اس لشکر میں آرمینیا کے بادشاہ حیثون کی انتہائی خوب صورت، پُرکشش، نوعمر اور نوجوان بیٹی کیتھرائن بھی شامل تھی۔ یہاں اس کی شمولیت کا مقصد یہ رکھا گیا تھا کہ وہ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھائے اور اس کی لشکر کے اندر موجودگی کی وجہ سے اس کے لشکری مسلمانوں کے خلاف زیادہ دلجمعی اور خونخواری کا مظاہرہ کریں۔

حیثون کی یہ بیٹی جس کا نام کیتھرائن تھا، جنگ و جدل کا تجربہ رکھتی تھی۔ تلوار کی بہترین دھنی اور ماہر تھی۔ مردانہ لباس پہنتی تھی۔ سرخ چمڑے کا تنگ پاجامہ اور اسی سے ملتا جلتا اوپر کا لباس زیب تن کرتی تھی۔ دراز قد تھی۔ خود پسند اور انا پرست لڑکی تھی۔ اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ جارحیت اختیار کرنے کا ہنر خوب جانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اپنے حُسن اور خوب صورتی سے کام لے کر دشمن کو کس طرح اپنے سامنے زیر اور سرنگوں کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال وہ اپنے بھائی حیثون کے ساتھ لشکر میں شامل تھی اور ہلاکو کے حق میں مسلمانوں کے خلاف اپنی بہترین کارگزاری کا تہیہ کئے ہوئے تھی۔

دوسری طرف ہلاکو خان، جنوب مغرب کی طرف بڑھا۔ منگولوں کے رتھ دُھول اُڑاتے، فاصلوں کو سمیٹنے لگے تھے۔

ہلاکو خان نے پہاڑی سلسلوں کو عبور کیا، تبت کے برف زاروں کا چکر کاٹا۔ وہ شکار کھیلتا، ضیافتیں کرتا، دربار لگاتا پیش قدمی کرتا رہا۔ راستے میں چھوٹے بڑے حکمران اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شان و حشمت کے آگے سر جھکاتے رہے۔ اس لئے

کہ لوگ جانتے تھے کہ اس کی مزاحمت کرنا جنون تھا۔

ہلاکو کے متعلق مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ وہ اکثر باتوں کو ہنسی میں اُڑا دیتا تھا۔ اس کو سمرقند کے تربوز بڑے پسند تھے۔ قزل قم کے سرابوں سے بھی بڑی دلچسپی تھی جو دُور سے جھیلیں، ہرے بھرے جنگل نظر آتے تھے۔ لیکن جب وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے پاس پہنچتا تو وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

وہ اپنی بیوی دوقوزہ سے پیار کرتا تھا، جو کبھی اس کی ماں رہ چکی تھی۔ دوقوزہ کے ساتھ اس کی انتہائی خوب صورت اور حسین بہن سیمر بھی تھی۔ کہتے ہیں، دوقوزہ کا تعلق ترکوں کے کرائت قبیلے سے تھا۔ وہ انتہا درجہ کی حسین اور خوب صورت تھی۔ لیکن اس کی چھوٹی بہن سیمر جو اس کے ساتھ تھی، وہ اس سے بھی کہیں زیادہ خوب صورت، پُرکشش اور اعلیٰ شخصیت کی مالک تھی۔

پیش قدمی کرتا ہوا ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ قزوین میں داخل ہوا۔ یہ روئے زمین کا وہ عجیب و غریب علاقہ تھا جہاں عظیم ترین قلعے تھے۔ یہ حسن بن صباح کے فدائیوں کے شہبازوں کے گھونسلے جیسے قلعے تھے۔ یہاں کے رہنے والے چھ پشت سے اس علاقے کے رہنے والوں کو ہراساں کر رہے تھے۔ اس کے سواروں نے حسن بن صباح کے قلعہ الموت کی مصنوعی بہشت کو تہس نہس کر ڈالا، جہاں شیخ الجبل ایران کے نوجوانوں کو حشیش پلا کر مدہوش کیا کرتا تھا اور انہیں قاتل بنا دیتا تھا۔ اس نے حشیش کے شیخ الجبل کو گرفتار کر لیا اور اس کی جادو اور سحر کی کتابوں کے کتب خانے کو نذرِ آتش کر ڈالا۔ ہلاکو نے سوچا کہ اس کا بھائی منگو خان اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ کر خوش ہوگا، اس لئے اس نے شیخ الجبل کو اپنے مرکزی شہر قراقرم روانہ کیا۔ مگر شیخ الجبل کی بدقسمتی کہ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ منگو خان کا پیغام ملا کہ اسے اس شخص کو دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ پیغام ملنے کے بعد منگولوں نے شیخ الجبل رُکن الدین خورشاہ کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

انہی دنوں دشت کے خاقان منگو خان کا پیغام ہلاکو خان کو ملا جس میں اس نے کہا تھا کہ چنگیز خان کے قوانین کو رواج دینا۔ سمرقند سے لے کر مصر کے آخری سرے تک جو لوگ تمہارے آگے سر جھکائیں، ان سے فیاضی سے پیش آنا۔ اور جو سرکشی کریں، انہیں

ذلیل و خوار کرتے جانا۔ بہرحال حسن بن صباح کے قلعہ الموت کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہلاکو خان، حسن بن صباح کے دوسرے قلعوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کی بھی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ اس طرح صدیوں سے جو حسن بن صباح کے قائم کردہ فدائین، مسلمانوں کا قتل عام کرتے جا رہے تھے، خفیہ طور پر نامور مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے تھے، انہیں ذلیل و خوار کر کے موت کی نیند سلا دیا گیا تھا۔ یوں کوہستانِ قزوین میں حسن بن صباح کے قائم کردہ قلعوں کا خاتمہ کرنے کے بعد ہلاکو خان کے ہاتھ دولت کے انبار لگے جو حسن بن صباح اور اس کے بعد آنے والے حکمران، مسلمانوں کی لوٹ کھسوٹ سے جمع کرتے رہے تھے، ان سارے خزائن پر ہلاکو خان نے قبضہ کر لیا اور اس طرح چند قلعوں کو ہی فتح کرنے کے بعد ہلاکو خان کے پاس سونے چاندی اور دوسری اشیاء کے ڈھیر لگ گئے تھے۔

حسن بن صباح کے الموت نام کے قلعے میں چونکہ شیخ الجبل، رکن الدین خورشاہ کے ساتھ نصیر الدین طوسی نے بھی قیام کیا ہوا تھا جو بہت بڑا منجم تھا۔ لہٰذا ہلاکو خان نے نصیر الدین طوسی کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اس لئے کہ نصیر الدین طوسی کی نجوم میں مہارت کی وجہ سے دور دور تک شہرت پھیلی تھی اور منگول بھی اس سے خوب واقف تھے۔ یہ نصیر الدین طوسی بھی ابنِ علقمی ہی کا ساتھی تھا اور مسلمانوں کی بھلائی نہیں بلکہ مسلمانوں کی بربادی اور خواری کا خواہاں تھا۔

نصیر الدین کا پورا نام ابوجعفر محمد بن الحسن تھا۔ منجم، مؤرخ اور امامیہ کا سیاست دان خیال کیا جاتا تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص 597ھ بمطابق 1201ء میں طوس میں پیدا ہوا اور 672ھ بمطابق 1274ء کو بغداد میں وفات پائی۔ نصیر الدین طوسی نے اسماعیلی حاکم ناصر الدین عبدالرحیم بن ابی منصور کے منجم کی حیثیت سے ملازمت شروع کی۔ جب اس کی کوشش کا راز افشا ہو گیا کہ دربارِ خلافت میں جانا چاہتا ہے تو اسے نظر بند کر دیا لیکن اس کی ملازمت رکھی گئی اور اسے اجازت دے دی گئی کہ وہ علم ہیئت میں اپنی تحقیق اور مطالعہ جاری رکھے۔

1256ء میں اس نے حشیشین کے شیخ الجبل رکن الدین خورشاہ کو ہلاکو کے حوالے کروایا اور پھر ہلاکو کا معتمد مشیر ہو کر مسلمانوں کے علاقوں کی بربادی اور تباہی کی مہم میں

ہلاکو کے ساتھ رہا۔ سراغا شہر میں اس کے حکم سے ایک رسدگاہ قائم کی گئی۔ اس کے بعد یہ ہلاکو کا وزیر اور معتمدِ اوقاف بن گیا۔ اس نے اپنے اثر و رسوخ اور اقتدار کو مرتے دم تک قائم رکھا۔

اُس کے سیاسی روّیے کی تشریح اس کے امامیہ فرقے سے گہری ہمدردی رکھنے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ہمہ گیر لیاقت اور قابلیت کے باعث ایران کی امامیہ جماعت کا سردار بن گیا اور خلافتِ عباسیہ کا مخالف بن کر منگولوں سے مل گیا۔ یہ اس کے اثر و رسوخ کا اثر تھا کہ منگولوں کی پیدا کردہ عالمگیر بربادی میں امامیہ والوں پر کچھ تھوڑا بہت رحم کیا گیا اور جنوبی عراق میں ان کے مقدس مقامات ہلاکو خان اور منگولوں کی دست درازی سے محفوظ رہے۔

کہتے ہیں وہ راسخ العقیدہ امامیہ اور اماموں کا عقیدت مند تھا۔ اس کا ثبوت اس کی تصوفانہ کتاب ''کتاب الاشراف'' سے ملتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ تصوف کا قائل تھا اور الحاج کا مداح تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنے ہم مذہبوں میں ممتاز رہا۔ فقہ میں اس نے قانونِ وراثت پر کتابیں لکھیں۔ اپنے عقیدے سے محبت اور عقیدت کے باوجود اس کے تعلقات دوسروں سے خوشگوار طور پر استوار تھے۔ اس نے جلال الدین رومی سے خطوط کے ذریعے اور نجم الدین کاتبی سے بالمشافہ علمی مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔

بہرحال کچھ عرصہ تک ہلاکو خان نے کوہستانِ قزوین ہی میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیے رکھا۔ یہیں پر آ کر گرجستانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر اس کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو لشکر آرمینیا کے بادشاہ حیثون نے اپنے بیٹے ختلان اور بیٹی کیتھرائن کے ساتھ بھیجا تھا، وہ بھی کوہستانِ قزوین ہی میں آ کر ہلاکو خان سے مل گیا تھا۔ آرمینیا کے بادشاہ کا لشکر جب کوہستانِ قزوین میں ہلاکو کے لشکر میں آ کر شامل ہوا تو ہلاکو کی بیوی دوقوزہ کو اطلاع کی گئی کہ آرمینیا کے بادشاہ حیثون کے لشکر کی کمانداری اس کا بیٹا ختلان کر رہا ہے اور اس کی نائب اس کی بہن ہے جو انتہا درجہ کی خوب صورت ہے اور اس کا نام کیتھرائن ہے۔ چنانچہ دوقوزہ اور اس کی چھوٹی بہن سیمر نے خود ان کا استقبال کیا۔ دوقوزہ اور اس کی چھوٹی بہن سیمر دونوں پُرجوش انداز میں آرمینیا کے بادشاہ حیثون کی بیٹی کیتھرائن سے ملیں۔ دوقوزہ اور سیمر، کیتھرائن اور بھائی ختلان کو اپنے

ساتھ لے گئیں۔ اور جس خیمے میں وہ داخل ہوئیں، وہ خیمہ دوقوزہ کی چھوٹی بہن سیمر کا تھا۔ کچھ دیر تک سب پُرتکلف انداز میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے رہے، پھر کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے دوقوزہ خاتون کہنے لگی۔

''میں تمہیں ایک پیشکش کرتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں، اس پیشکش میں تمہاری حفاظت اور تمہاری عزت افزائی ہے۔ میں چاہتی ہوں، تم سیمر کے ساتھ اس کے خیمے میں رہو۔ اگر تم اپنا قیام اپنے خیمے میں رکھنا چاہتی ہو تو وہاں سیمر تمہارے ساتھ رہے گی۔ اور اگر یہاں رہنا پسند کرو تو پھر سیمر کا خیمہ حاضر ہے۔''

دوقوزہ کی اس پیشکش پر کیتھرائن نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پہلے اس نے بھائی کی طرف دیکھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی تب کیتھرائن بولی اور کہنے لگی۔

''میں چاہتی ہوں کہ میں اپنے لشکر ہی میں قیام رکھوں اور وہاں سیمر میرے ساتھ رہے۔''

دوقوزہ نے اسے تسلیم کرلیا۔ پھر آرمینیا کے بادشاہ حیثون کے بیٹے ختلان کی طرف دیکھتے ہوئے دوقوزہ کہنے لگی۔

''ختلان! تمہیں اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے؟''

ختلان نے جب اس سلسلے میں نفی میں گردن ہلائی، اپنی خوشی اور طمانیت کا اظہار کیا، تب کچھ دیر تک سب وہیں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ وہ خیمہ سیمر کا تھا۔ وہیں کھانا کھایا گیا۔ اس کے بعد جب ختلان کا پڑاؤ قائم ہو گیا، خیمے نصب کر دیئے گئے، تب کیتھرائن، سیمر کو اپنے ساتھ اپنے خیمے میں لے گئی اور دونوں نے ایک ہی خیمے میں قیام کرلیا تھا۔

OOOOO

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب حسن بن صباح کے قلعوں اور اس کے فدائیوں کا خاتمہ کر دیا گیا اور حسن بن صباح کے جانشین، رکن الدین خورشاہ اور اس کے اہلِ وعیال اور متعلقین سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا تو خواجہ نصیرالدین طوسی جو رکن الدین خورشاہ کی مصاحبت میں داخل تھا، اپنی زبان آوری اور ہوشیاری کے باعث ہلاکو خان

کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا۔ اسماعیلیوں کے تمام خزائن منگولوں کے ہاتھوں سے تاراج ہوئے اور ان کی سلطنت کا چراغ گل ہوا۔

جب ہلاکو خان، حسن بن صباح کے ان قلعوں سے فراغت پا چکا، تب ابنِ علقمی نے پھر بغداد سے قاصد ہلاکو خان کی طرف بھیجے تاکہ وہ بغداد پر حملہ آور ہو۔ دراصل ہلاکو خان، بغداد کے اندرونی حالات سے واقف نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں یہی بات بیٹھی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کی بہت بڑی طاقت اور قوت ہے اور یہ بھڑوں کے ایک چھتے کے مانند ہے۔ اگر اس نے اس میں ہاتھ ڈال دیا تو ہر طرف سے مسلمان اُمڈ کر اس پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ لیکن جب ابنِ علقمی نے اسے یقین دلایا کہ بغداد کے اندر جس قدر لشکر تھے، اس نے انہیں نکال کر سرحدوں کی طرف بھیج دیا ہے، تب ہلاکو خان کو کچھ حوصلہ ہوا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ نصیر الدین طوسی نے بھی ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ ان ساری وجوہات کی بنا پر نصیر الدین طوسی کو ہلاکو خان نے اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ وہ اپنے علم نجوم سے کام لیتے ہوئے یہ بتائے کہ اگر وہ بغداد پر حملہ آور ہوتا ہے تو کامیاب ہوگا۔

نصیر الدین طوسی تو پہلے ہی ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ آور ہونے کے لئے ترغیب دے رہا تھا، اس نے اس سے کہہ دیا، میرے علم کے مطابق اگر آپ بغداد پر حملہ آور ہوں گے تو کامیابی اور فتح مندی آپ کے قدم چومے گی۔

ہلاکو خان نے نصیر الدین طوسی کی اس پیش گوئی کو تسلیم کر لیا۔ چنانچہ اس نے بغداد پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

جس وقت نصیر الدین طوسی، ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے کر اس کے خیمے سے نکلا اور پڑاؤ میں سے ہوتے ہوتے تھوڑی دور ہی آگے بڑھا ہوگا کہ اچانک ایک منگول اس کے سامنے آ گیا۔ جب منگول نے اس کی راہ روکی تو نصیر الدین طوسی رک گیا۔ اس کے رکنے پر بڑے قہر بھرے انداز، غصے اور غضب میں وہ منگول نصیر الدین طوسی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تُو کیسا بدقسمت اور بدنصیب مسلمان ہے کہ اپنے آباء و اجداد کی محبتوں کے ثمر،

چاہتوں کے اثر، ان کے خلوص کے چمن، ان کی محنتوں کے صلے کا سودا کر رہا ہے، وہ بھی ہلاکو خان جیسے بد انسان کے ساتھ، تم اپنے آباء و اجداد کی کامیابیوں کو اُداس لمحوں کے زرد پتوں، زمانے بھر کی خزاں زدہ قضا کے حوالے کرنے جا رہے ہو۔ تم کیسے بدبخت انسان ہو کہ ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ آور ہونے کا مشورہ دے رہے ہو۔ تمہارا ساتھی ابنِ علقمی نمک حرامی کا ثبوت دے رہا ہے، بغداد میں بیٹھ کر ہلاکو خان کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ نصیر الدین طوسی! تم صرف اپنی پُر آسائش زندگی کو وسعت دینے کے لئے اپنے بزرگوں کی مشقت اور ریاضت، ان کے صبر اور تحمل اور ان کی سچائی کے پارچوں میں جھوٹ کے پیوند لگا رہے ہو۔ اپنے لوگوں کو، مسلمانوں کو جلتی دھوپ کے لمبے سفر سے دوچار کرنا چاہتے ہو۔ ان کے لئے تباہی اور بربادی کے در کھولنا چاہتے ہو اور ان کا رخ زوال کے پرندوں کی طرف کرنا چاہتے ہو۔ تم کیسے بدبخت انسان ہو کہ ہلاکو کے خیمے میں ابنِ علقمی کے کہنے پر بغداد کی قسمت کا سودا کر رہے ہو۔''

یہاں تک کہتے کہتے وہ منگول رک گیا۔ اس لئے کہ ہلاکو خان اپنے کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ اپنے خیمے سے نکل کر وہاں آ گیا تھا اور نصیر الدین طوسی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ تمہیں کیا کہہ رہا تھا؟''

جواب میں اس منگول نے جو الفاظ استعمال کئے تھے، وہ نصیر الدین طوسی نے ہلاکو خان سے کہہ دیئے تھے۔ تب ہلاکو خان نفرت بھرے انداز میں اس منگول کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تیری یہ مجال کہ تُو نصیر الدین طوسی کے لئے یہ الفاظ استعمال کرے۔''

اُس منگول کی چھاتی تن گئی اور قہر بھرے انداز میں وہ ہلاکو خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہلاکو! جو الفاظ میں نے اس بدبخت نصیر الدین طوسی کے لئے استعمال کئے ہیں، اس سے بھی سخت الفاظ میں تمہاری موجودگی میں تمہارے خلاف استعمال کرنے کی ہمت اور جراُت رکھتا ہوں۔ سن ہلاکو! تُو نفرت کئے جانے والا ایک جہنم، حرص و ہوس کا کوئی گہوارہ اور فنا کے لشکر کا سردار ہے۔ تُو رسوائیوں کا امین ہے۔ میری تیرے لئے بددعا

ہے کہ کوئی ایسا آدمی اُٹھے جو تیری حالت بے کفنائی لاش، بدنامی سے اٹے چہرے اور وقت کے کالے بند دروازوں جیسی کرے۔ جو تیری ذات کی طنابیں کس دے اور تیرے چہرے پر دکھ کی دھول پھیر دے۔

اس سے آگے وہ منگول کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہلاکو خان نے اپنی تلوار نکالی اور اس منگول کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

وہ منگول، مسلمان تھا۔ مؤرخین کے مطابق وہ ہلاکو خان کے چچا زاد بھائی برقائی خان کا رشتہ دار تھا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب اس منگول کے مرنے کی خبر برقائی خان کو پہنچی تو برقائی خان نے ایک سخت خط ہلاکو خان کو لکھا جس میں انتہائی کھولتے الفاظ میں اس نے ہلاکو خان سے اس مسلمان منگول کے بارنے میں باز پرس کی تھی۔ ہلاکو خان کو جب برقائی خان کا یہ خط اور پیغام ملا تو اس نے برسات سے پہلے برقائی خان پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جس روز ہلاکو خان نے برقائی خان کے اس رشتے دار کو موت کے گھاٹ اتارا، اسی شب ہلاکو خان کے لشکر میں شامل بہت سے وہ جنگجو جن کا تعلق فراتاتار سے تھا، وہ ہلاکو خان کے لشکر سے نکل کر شمال کے کوہستانی سلسلوں کی طرف چلے گئے تھے جہاں پہلے سے ان کے فراتاتار قبیلے کے لوگ، ہلاکو خان کے خلاف ایک محاذ اور گروہ بنائے بیٹھے تھے۔

جہاں تک منگولوں کے اس فراتارنام کے گروہ کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ بہرحال اس سے متعلق یوں کہا جا سکتا ہے کہ منگولوں اور تاتاریوں کے متعلق پڑھنے والوں میں خاصی اُلجھن، پیچیدگی، شبہ اور غلط فہمی سی پائی جاتی ہے۔

تاریخی کتابوں کے مطالعے سے سب سے بڑی دقت پیش آتی ہے کہ پڑھنے والے لوگ منگول، تاتار، مغل، ترکمان، کراتار وغیرہ قوموں میں نہ امتیاز کر سکتے ہیں نہ ہی ان کی تفریق اور اصلیت سے واقف ہوتے ہیں۔

جب کبھی کوئی تاریخ پڑھتا ہے کہ سلجوقی لوگ مثلاً الپ ارسلان، طغرل بیگ اور ملک شاہ سلجوقی ترک تھے۔ پھر وہ چنگیز خان کی نسبت پڑھ لیتا ہے، وہ منگول تھا۔ دوسری جگہ اسی کی نسبت پڑھتا ہے وہ ترک تھا۔ پھر چنگیز خان کو فتنہ تاتار کے نام سے موسوم

دیکھ کر قیاس کرتا ہے کہ منگول، ترک اور تاتار ایک ہی قوم کا نام ہے۔ لیکن آگے چل کر وہ منگولوں اور ترکوں کی مخالفت اور لڑائیوں کا حال پڑھتا ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ منگول اور ترک دو الگ الگ قومیں ہیں۔ پھر وہ ہندوستان کے مغلوں کی تاریخ پڑھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعض سرداروں کو ترک کہا جاتا ہے اور وہ سلاطینِ مغلیہ سے رشتہ داری رکھتے ہیں۔ پھر دیکھتا ہے، مغلوں کو مرزا کہا جاتا ہے اور ان کے نام کے ساتھ بیگ کا خطاب ضرور ہوتا ہے۔ دوسری طرف تیمور بایزید کو برسرِ پیکار دیکھتا ہے مگر ایران کے بادشاہوں کے نام تاریخ میں پڑھتا ہے تو وہاں بھی مرزا کا لفظ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسری طرف ترکمانِ عثمانی کے یہاں بک، بے یا بیگ کا خطاب موجود پایا جاتا ہے۔ یورپی مؤرخین کبھی کبھی ہندوستان کی سلطنت مغلیہ کو ترکی سلطنت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان حالات میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں اور مغلوں کی تفریق کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے۔

دراصل حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے جن کے نام حام، سام اور یافث تھے۔ یافث کی اولاد بلادِ مشرق یعنی چین وغیرہ میں آباد ہوئی۔ یافث کی اولاد میں ایک شخص ترک نامی ہوا۔ اس کی اولاد چین اور ترکستان میں پھیل گئی اور وہ سب ترک کہلائے۔ بعض لوگ غلطی سے افراسیاب کو بھی ترک سمجھتے تھے حالانکہ وہ ایران کے شاہی خاندان کیانی سے تعلق رکھتا تھا اور فریدوں کی اولاد میں سے تھا۔

چونکہ وہ ترکستان کا بادشاہ تھا، اس لئے غلطی سے لوگوں نے اسے ترک قوم میں شمار کیا۔ ترک بن یافث کی اولاد چین، ترکستان اور منگولیا وغیرہ میں جب خوب پھیل گئی تو انہوں نے امن امان اور نظام کے قائم رکھنے کے لئے ایک شخص کو اپنا سردار تجویز کرنا ضروری سمجھا۔ رفتہ رفتہ ان میں بہت سے قبیلے اور گروہ پیدا ہو گئے۔ ہر قبیلے اور گروہ نے اپنا ایک ایک سردار بنایا اور یہ تمام سردار ایک سب سے بڑے سردار کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا ترک بن یافث کی اولاد کے ہر قبیلے پر ترک کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تمام باشندگانِ چین، ختن اور ترکستان ترک کہلائے جاتے تھے۔

ترک قبائل میں سے بعض قبائل نے دریائے جیحوں کو عبور کر کے عہد اسلامیہ میں

فارس اور خراسان وغیرہ کے اندر ترک تاز اور یلغار شروع کر دی۔ ان قبائل کو ترکانِ غز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یورپ، افریقہ اور مراکش تک ان ترکانِ غز کے پہنچنے کے ثبوت ملتے ہیں۔

انہی ترک قبائل میں سے ایک قبیلہ وہ تھا جس کو سلجوقی کہا جاتا ہے۔ غالباً ترک ابن یافث کی اولاد میں ترکوں کے اسی قبیلے نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ان میں طغرل، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی وغیرہ بڑے بڑے عالیجاہ سلاطین پیدا ہوئے جن کی شہرت اور عظمت نے تمام دنیا کا احاطہ کیا۔

سلجوقیوں کے مسلمان ہونے اور خراسان کی جانب خروج کرنے سے پہلے ترکوں کے درمیان دو اور نئے قبیلے دو حقیقی بھائیوں کے نام سے موسوم ہو چکے تھے۔ ایک کا نام منگول اور دوسرے کا نام تا تار تھا۔

سلجوقیوں کے مسلمان ہونے، شہرت اور عظمت حاصل کرنے کے وقت یہ دونوں قبیلے گمنام اور بے حقیقت اور کم حیثیت کے مالک تھے۔ رفتہ رفتہ منگول اور تا تار کی اولاد میں ترقی اور نفوس کی کثرت ہوئی اور دونوں قبیلوں نے الگ ملکوں اور صوبوں میں سکونت اختیار کر لی اور ان میں جدا جدا سرداریاں قائم ہوئیں۔

ترک بن یافث کی اولاد یعنی ترکوں میں سے ایک شخص النجا خان نامی تھا۔ اس کے دو بیٹے توام متولد ہوئے۔ ایک کا نام منگول اور دوسرے کا نام تا تار رکھا گیا۔ ان دونوں سے منگول اور تا تار قومیں پیدا ہوئیں۔ منگول خان کا بیٹا قرا خان اور قرا خان کا بیٹا ارغون خان تھا جو اپنے قبیلے میں سردار سمجھا جاتا تھا۔ اسی ارغون خان کے عہد میں اس قبیلے کے ایک شخص نے گاڑی ایجاد کی جو بار برداری کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی۔

ارغون خان نے اس ایجاد کو پسند کیا اور اس کے موجد کو قانقلی کا خطاب دیا گیا۔ چنانچہ ترکی زبان میں گاڑی کو قانقلی کہا جاتا ہے اور اس شخص کی اولاد کو قبیلہ قانقلی کے نام سے یاد کیا گیا۔

ارغون خان کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹے کا نام چنگیز خان تھا۔ چنگیز خان کا بیٹا منگلی خان اور منگلی خان کا بیٹا ایل خان تھا۔ ایل خان کے بیٹے کا نام قیان تھا۔ قیان خان کی اولاد سے منگول کی قوم قیادت نامزد ہوئی۔ قیان خان کے بعد اس کا

بیٹا تیمورتاش، باپ کا جانشین ہوا۔ تیمورتاش کا بیٹا منگلی خان اور منگلی خان کا بیٹا یلدوز خان اور یلدوز خان کا بیٹا جونیا تھا۔

جونیا کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام آلان قوار رکھا گیا۔ آلان قوار کی شادی اپنے چچازاد بھائی دوبوبیان تالی سے ہوئی۔ دوبوبیان سے آلان قوار کے دو بیٹے یلکدائی اور بکجدائی پیدا ہوئے۔ آلان قوار کا شوہر دوبوبیان اپنے قبیلے کا حکمران تھا۔ ان دو بیٹوں کو کم سنی کی حالت میں چھوڑ کر دوبوبیان فوت ہو گیا۔ قبیلہ منگول نے اپنے سردار کے فوت ہونے پر اس کی بیوہ آلان قوار کو اپنے قبیلے کی سرداری تفویض کی۔

ایک روز آلان قوار اپنے کمرے میں تنہا رات کے وقت سونے کے لئے لیٹی تھی۔ ابھی نیند نہ آنے پائی تھی کہ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی یا روشن دان میں سے ایک روشنی داخل ہوتے دیکھی۔ یہ روشنی قرصِ آفتاب کی شکل میں کمرے میں داخل ہو کر فوراً آلان قوار کے منہ میں داخل ہو گئی۔ آلان قوار گھبرا کر اٹھی، اپنی ماں اور سہیلیوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔

چند روز بعد آلان قوار کو محسوس ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ لوگوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے طعن و تشنیع شروع کی۔

ملکہ آلان قوار نے اکابرین قوم کو جمع کیا اور کہا۔

”تم چند روز رات کو میرے کمرے کے پاس قیام کرو۔ تم پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔“

چنانچہ انہوں نے دیکھا ایک روشنی آسمان سے اترتی اور ملکہ کی خواب گاہ میں جاتی۔ پھر وہ شعلہ خواب گاہ سے نکلتا اور بلندی کی طرف چلا جاتا۔

اس مشاہدے کے بعد سب کو ملکہ کی صداقت کا یقین آ گیا اور کسی نے اسے طعن و تشنیع نہ کی۔

چنانچہ اس کے نتیجے میں آلان قوار کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام بوقون، سالجی اور بوز بخر رکھے گئے۔ اس طرح ملکہ کے دو بیٹے پہلے تھے، تین یہ ہو گئے۔ اس طرح اس کے پانچ بیٹے ہو گئے۔ چنانچہ بعد میں یلکدائی اور بکجدائی کی اولاد تو قبیلہ درلیکن کے نام سے موسوم ہوئی۔ بوقون کی اولاد قومِ قیقن کے نام سے، سالجی کی اولاد

قوم سالجیوت کے نام سے مشہور ہوئی۔ بوزبخر اپنی ماں کا جانشین ہوا اور قبائل منگول کا حاکم ہوا۔

بوزبخر اپنے آپ کو آفتاب کا بیٹا کہا کرتا تھا اور ابومسلم خراسانی کے زمانے میں موجود تھا۔ اسی بوزبخر کی اولاد میں چنگیز خان۔ تیمور اور منگولوں کے اکثر مشہور قبائل پیدا ہوئے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ترک بن یافث کی اولاد میں ایک شخص النجا خان تھا جس کے دو توام بیٹے منگول خان اور تاتار خان پیدا ہوئے، انہی دونوں بھائیوں کی اولاد منگول اور تاتاری قومیں بنیں۔

ان دونوں قوموں نے اپنے لئے الگ الگ مقامِ سکونت تجویز کئے۔ منگول قبیلہ تو چین کے ملک میں آباد ہوا۔ اس کے نام سے ملک کا نام منگولستان یا منگولیا مشہور ہوا۔ قبیلہ تاتار نے دریائے جیحوں کے کنارے سکونت اختیار کی اور اس کا نام تاتار یا ترکستان کہلایا۔ اس ملک پر چونکہ فریدون کے بیٹے تور کی حکومت تھی اس لئے اسے توران کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

اسی کیانی حکمران خاندان میں افراسیاب بہت مشہور ہے۔ فردوسی کے شاہ نامے میں اس کے حالات مذکور ہیں۔ کیانی خاندان کی یہ شاخ یعنی افراسیاب کی اولاد بھی اسی ترکستان یا توران میں رہ کر ترکوں کے اس قبیلہ تاتار میں مل جل گئی تھی۔

چونکہ ترکستان ممالک اسلامیہ سے زیادہ قریب تھا اور اسلامی فتوحات وہاں تک پہنچ گئی تھیں لہٰذا ترکوں کے جس قبیلے نے سب سے پہلے ممالک اسلامیہ میں خروج کیا، وہ یہی قبیلہ تاتار تھا جو بہت سے چھوٹے چھوٹے قبائل پر مشتمل تھا۔ ان تاتاری قبائل میں غالباً وہ کیانی قبیلہ جو افراسیاب کی اولاد میں سے تھا، زیادہ ذی حوصلہ اور معزز سمجھا جاتا ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک باشوکت سلطنت کی یادگار تھا۔

لہٰذا سلجوقِ اعظم کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہم افراسیاب کی اولاد میں سے ہیں۔ سب سے پہلے سلجوق نام کے شخص نے نواح بخارا میں اپنے قبیلے کے ساتھ آ کر اسلام قبول کیا۔ اسی سلجوق کی اولاد کو ترکوں کا سلجوقی قبیلہ کہتے ہیں۔

سلجوق کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ایک بیٹے کا نام اسرائیل اور ایک کا نام

میکائیل رکھا گیا۔ اسرائیل کو سلطان محمود غزنوی نے کالنجر کے قلعے میں قید کر کے بھیج دیا تھا جو سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد رہا ہو کر اپنے قبیلے میں واپس آ گیا۔

میکائیل کا بیٹا سلطان طغرل تھا اور طغرل کے دوسرے بھائی چغری بیگ کا بیٹا سلطان الپ ارسلان سلجوقی تھا جس کے حالات تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اس طرح سلجوقی قبیلے کو اگر افراسیاب کی اولاد میں سے تسلیم کر لیا جائے تو وہ ترک نہ تھا بلکہ کیانی قبیلہ تھا۔ ترکستان میں رہنے والے ترک یعنی تاتاریوں نے بھی بار بار ایران اور خراسان میں اپنی ترک تاز دکھائی۔ انہی میں سے ایک وہ قبیلہ تھا جس نے سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی اور ترکمانِ اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔

جہاں تک منگولوں کا تعلق ہے تو قبیلہ منگول، منگول خان کی اولاد میں سے تھا اور منگول خان کی اولاد کے ہر ایک فرد پر منگول ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ منگول کا مخفف مغل ہے۔ جو لوگ مغل کی جمع مغول سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ مغول جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔

منگول اور تاتار دونوں قبیلے جب ایک دوسرے سے جدا ہو کر اور جدا جدا علاقوں میں سکونت اختیار کر گئے تو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے اور ایک دوسرے پر چڑھائیاں کرتے رہے۔

جب تک کیانی خاندان، توران پر حکمران رہا اس نے تاتاریوں کا ساتھ دیا اور منگول ہمیشہ مغلوب و مقتول ہوتے رہے اور ان کو کبھی تاتاریوں پر چیرہ دستی حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ ان لڑائیوں میں منگولوں کی اکثر عورتیں تاتاریوں کے قبضے میں آ جاتی تھیں۔ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی، اس اولاد کو تاتاری لوگ باندی بچہ سمجھتے اور اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی کثرت ہوئی اور ان کی شادیاں اسی قسم کے لوگوں میں ہونے لگی۔ اس طرح ایک الگ قوم تیار ہو گئی جس کو تاریخ کے اوراق میں فراتاتار کا خطاب دیا گیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ انہی لوگوں کو ترکمان کہا جاتا ہے۔ یہ تاتاریوں کی منگولوں سے نفرت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے منگول عورتوں کی اولاد کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھا۔ ورنہ حقیقتاً تاتار اور منگول ایک ہی باپ کی

اولاد میں سے تھے۔

اب یہی فراتا تار قبائل ہلاکو سے بھی نفرت کرتے تھے اس لئے کہ فراتا تار، تاتاری تھے، ہلاکو خان منگول تھا۔ منگولوں اور تاتاریوں کی چونکہ قدیم اور پرانی دشمنی چلی آرہی تھی لہٰذا ان فراتا تار قبائل نے برقائی خان کے ہمسائے میں ایک کوہستانی سلسلے کے اندر سکونت اختیار کر لی تھی جبکہ ہلاکو خان کے خلاف برقائی خان بھی ان فراتا تار قبائل کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

اس موقع پر یہ بھی تحریر کر دیا جائے کہ بعض لوگ غلطی سے ازبک قبائل کو تاتاری قوم سمجھتے ہیں حالانکہ ازبک، چنگیز خان کی اولاد میں سے ایک قبیلے کا نام ہے۔ غلط فہمی غالباً اس لئے پیدا ہوئی کہ ہندوستان کے سلاطینِ مغلیہ کی قبیلہ ازبک کے کئی فرماں رواؤں سے لڑائیاں ہوئی تھیں اور وہ ازبک اس زمانے میں ترکستان کے بادشاہ تھے۔ ان کو ترکستان کا بادشاہ دیکھ کر آج کل کے تاریخ دانوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ تاتاری تھے۔

ہاں، تاتاری لوگوں کی سلطنتِ عثمانیہ ہے۔ اس کے علاوہ منگول قبائل میں جو زیادہ اہم اور نامور ہیں ان میں قپچاق، ایغور، خلج، قاچار، افشار، جلائر، اولات، دوغلات، قنقرات، سلدوز، ارغون، کوچین، ترقانی، طغائی اور قاقشال وغیرہ شاخیں ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ ترک ایک ایسا عام لفظ ہے جو منگولوں اور تاتاریوں کے ہر ایک قبیلہ پر بولا جا سکتا ہے۔ چونکہ تاتار اور منگول دونوں ایک ہی قبیلہ ترک کی دو شاخیں ہیں۔ منگولوں کا اصل وطن چین اور منگولیا تھا اور تاتاریوں کا وطن ترکستان تھا۔ بعد میں تاتاریوں کو ترک کہنے لگے اور لفظ ترک کی عمومیت معدوم ہو کر تاتار کے مترادف رہ گئی۔ اس طرح تاتار کا لفظ حرف عام سے غائب ہو گیا۔ ترک اور منگول دونوں قوموں کے نام مشہور ہوئے۔

بعض مؤرخین نے اصلیت کی بنا پر منگولوں کو بھی ترک کے نام سے یاد کیا۔ کیونکہ وہ ترک بن یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ بعض نے سلجوقیوں کو بھی ترک کہا اور بعض نے سلاطینِ عثمانیہ کو بھی اسی وجہ سے منگولوں کا ہم قوم قرار دیا۔

غرض ان لوگوں کا شجرہ نسب جاننے کے بعد تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے

بہت سی دقتیں حل ہو جاتی ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ شروع میں تاتاری، منگولوں پر غالب رہتے تھے اور تاتاریوں کی قوم جو منگولوں سے زبردست ہونے کی وجہ سے منگولوں کو اپنے علاقے سے باہر قدم رکھنے کا موقع نہیں دیتی تھی، ترکستان سے نکل کر خراسان، ایران، عراق، شام، ایشیائے کوچک تک پھیل گئی تھی اور اس قوم کے بہادر، اولوالعزم افراد و قبائل ممالک اسلامیہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدوں پر فائز ہو کر اپنے قدیمی وطن ترکستان کا خیال چھوڑ چکے تھے۔ ان میں ہر قسم کی تہذیب اور شائستگی آ گئی تھی اور منگول قوم کا پشتینی دشمن ان کے راستے سے الگ ہو چکا تھا۔ لہٰذا وقت آ گیا تھا کہ یہ قوم انتہائی جہل، بدتمیزی اور بدتہذیبی کے ساتھ اپنے کوہستانِ مامن اور قدیمی وطن کو چھوڑ کر متمدن دنیا میں نکلے اور یہی کام چنگیز خان اور اس کے بعد ہلاکو خان نے شروع کیا تھا۔

بہرحال ہلاکو خان کے لشکر میں جو فراتا تار لوگ تھے اور نہایت اعلیٰ پائے کے جنگجو تھے۔ وہ برقائی خان کے ہمسائے میں کوہستانی سلسلوں کو اپنا ملجا و ماویٰ بنا رہے تھے اور ان میں سے بہت سے اسلام بھی قبول کر چکے تھے۔

OOOOO

غدار اور نمک حرام ابنِ علقمی نے جب ہلاکو خان کا کام آسان کرنے کے لئے بغداد کے لشکر کے بہت سے حصوں کو جنوب اور مشرق کی سرحدوں کی طرف بھیج دیا اور جو لشکری اس وقت بغداد میں رہ گئے تھے، ان کی تنخواہیں بند کر دیں اور انہیں یہ اجازت دے دی کہ وہ بازار سے جو محصول جمع کیا جاتا ہے، وہ جمع کر کے اپنی تنخواہیں پوری کر لیں اور اس کے ایسا کہنے سے بغداد کے اندر ایک افراتفری اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا تھا۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے بغداد کے اندر اس وقت جو سرکردہ سالار تھے وہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ ان سرکردہ سالاروں میں بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد، نائب سالارِ اعلیٰ منصور بن احمد اور ان کے علاوہ دوسرے اہم سالاروں میں سے مجاہد الدین ایبک، حسام الدین جوکندار، شرف الدین کردی، صالح بن اشرف اور بہت سے دیگر سالار ایک جگہ جمع ہوئے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے، تب گفتگو کا آغاز نائب سالار منصور بن احمد نے کیا اور بغداد کے لشکریوں کے سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’ابنِ علقمی اپنی طرف سے پوری کوشش کر چکا ہے کہ بغداد کو طشت میں سجا کر ہلاکو خان کے سامنے پیش کر دے اور خلیفہ مستعصم متوقع حالات پر ایسے آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے جیسے اس نے کوئی ایسی ٹوپی پہن لی ہے جسے کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ابنِ علقمی پہلے قراقرم میں قاصد بھیج کر بغداد پر حملے کی ہلاکو خان کو دعوت دے چکا ہے، اب اس نے تیز رفتار قاصد پھر ہلاکو خان کی طرف بھیجے ہیں اور اسے بغداد پر حملہ آور ہونے کی

ترغیب دی ہے۔ ساتھ ہی اپنے دوسرے بدبخت ساتھی نصیر الدین طوسی کو بھی پیغام بھیجا ہے کہ وہ چونکہ ہلاکو کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، لہٰذا وہ بھی ہلاکو کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے۔ ان حالات میں ہلاکو ہر صورت میں بغداد پر حملہ آور ہو گا۔ اس موقع پر جو بات میری سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم سب مل کر پہلے خلیفہ مستعصم کے بیٹے ابوبکر کے پاس جائیں، اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کریں اور آنے والے خطرات کی نشاندہی کریں۔ اور اسے ساتھ لے کر خلیفہ مستعصم کی خدمت میں حاضر ہوں اور ابنِ علقمی مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے یا کرنے والا ہے، اس کی خلیفہ کو اطلاع کریں اور اسے یہ مشورہ دیں کہ وقت ضائع کئے بغیر ابنِ علقمی کو گرفتار کر کے اس کی گردن کاٹ دی جائے۔ اور اس نے حکم نامہ جاری کر کے جن بڑے بڑے لشکروں کو مختلف سرحدوں کی طرف روانہ کر دیا ہے، ان سارے لشکروں کو واپس بغداد میں طلب کر لینا چاہئے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہلاکو کو مار مار کر ہم منگولیا تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ابنِ علقمی نے جو ہمارے لشکر دور افتادہ علاقوں کی طرف بھیج دیئے ہیں، وہ ہلاکو کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہمارے پاس بغداد میں پہنچ جائیں تو جو لشکر ہلاکو لے کر آ رہا ہے، اتنا ہی ایک اور لشکر بھی لے آئے تو خداوند قدوس کو منظور ہوا تو اس ہلاکو کو ہم وہ سبق دیں گے کہ آنے والے دور میں وہ ہی نہیں، اس کی نسلیں بھی بغداد کا رخ کرتے ہوئے لرزہ براندام اور خوف زدہ ہو جائیں گی۔‘‘

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب فتح الدین داؤد اپنے سارے ساتھیوں، سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’جو کچھ منصور بن احمد نے کہا ہے، میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں اور ساتھ ہی آپ لوگوں سے یہ بھی گزارش کرتا ہوں، جو اس سے متفق نہ ہو وہ اپنے خیالات کا اظہار کرے۔‘‘

فتح الدین داؤد کے ان الفاظ کے جواب میں صالح بن اشرف جس کا تعلق امامیہ سے تھا، بڑے پُرجوش انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

’’اس موقع پر میں سمجھتا ہوں، منصور بن احمد کی تجویز سے اتفاق نہ کرنا سب سے

بڑی غداری اور نمک حرامی ہے۔ لہٰذا ہمیں ابھی اسی وقت اٹھ کر خلیفہ مستعصم کے بیٹے ابوبکر سے بات کرنی چاہئے اور اسے ساتھ لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابنِ علقمی کی کارستانیوں اور موجودہ حالات سے اسے آگاہ کرنا چاہئے۔"

صالح بن اشرف کے یہ الفاظ سن کر سب خوش ہو گئے تھے۔ پھر فتح الدین داؤد کے کہنے پر سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور خلیفہ مستعصم کے بیٹے ابوبکر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

ابوبکر کے ہاں پہنچ کر جو صورتِ حال بغداد میں رونما ہوئی تھی، اسے اس سے آگاہ کیا گیا۔ لہٰذا ابوبکر بھی تاؤ کھا گیا اور جذبات میں ڈوبی آواز میں کہنے لگا۔

"قسم خداوند محترم کی۔ اگر موجودہ خلیفہ میرا باپ نہ ہوتا تو میں، اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔"

اس کے بعد ابوبکر کو لے کر وہ سارے سالار، خلیفہ مستعصم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بغداد اور عالمِ اسلام کی تباہی اور بربادی کے لئے جو کچھ ابنِ علقمی کر رہا تھا، اس ساری صورتِ حال سے خلیفہ مستعصم کو آگاہ کیا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب ابنِ علقمی کے ان فاسد خیالات سے خلیفہ کو خبردار کیا اور انہوں نے خلیفہ کو ابنِ علقمی کی غدارانہ کوششوں اور منصوبوں سے آگاہ کیا تو خلیفہ اس قدر احمق، جاہل اور پست ہمت تھا کہ اس نے ان لوگوں کی تمام باتوں کو خود علقمی سے بیان کر دیا۔

علقمی نے فوراً اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا یقین دلا کر ان لوگوں کو غدار اور فتنہ پرور بتایا۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اس طرح علقمی کی باتوں سے خلافت مآب کو اس کا یقین آ گیا۔ علقمی کا اقتدار اور بھی زیادہ بڑھ گیا اور خیر خواہوں کی زبانیں، نصیحت گری سے بالکل بند ہو گئیں۔

اس کے بعد مؤرخین کہتے ہیں کہ علقمی نے خلیفہ کو لہو ولعب اور شراب نوشی کی طرف مائل کر دیا اور اندیشہ سے محفوظ ہو گیا۔ یوں غدار ابنِ علقمی نے ہلاکو خان کے حملے کو کامیاب بنانے کے لئے بغداد کی زمین ہموار کر دی تھی۔

ooooo

بغداد پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہلاکو خان شاید اپنے چچازاد بھائی برقائی خان سے نمٹ لینا چاہتا تھا۔ اسے یہ تو خبر تھی کہ برقائی خان اسلام قبول کر چکا ہے اور آس پاس کے علاوہ سمرقند، بخارا کے مسلمان اس کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں، اس بنا پر سب سے پہلے وہ برقائی خان پر حملہ آور ہو کر اسے ناکامی سے دوچار کر کے اپنے آنے والے دنوں کو محفوظ کرنا چاہتا تھا تا کہ کسی بھی موقع پر برقائی خان اپنے لشکر کو لے کر پہاڑی کچھار سے نکل کر اس پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کرے۔

دوسری طرف برقائی خان کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ ہلاکو خان اس پر حملہ آور ہونے کے لئے پَر تول رہا ہے۔ لہٰذا اپنے کوہستانی سلسلے کے اندر اس نے بھی اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بھتیجا نوگائی بھی تھا جو باتو خان کا بیٹا تھا۔ وہ ہلاکو خان کا سامنا کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔

دوسری طرف تاریخ کے اوراق میں ایک نئی صورت میں نمودار ہونے والی قوت فراتا تاریوں کی تھی، جن کے متعلق مؤرخین نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا اور یہ فراتا تار جن کے اندر اب بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، وہ برقائی خان کے قریبی اور آس پاس کوہستانی سلسلوں کے اندر موجود تھے اور چونکہ برقائی خان کی حمایت انہیں حاصل تھی، برقائی خان کی طرف سے انہیں ضرورت کا سامان ملتا تھا اور برقائی خان نے انہیں یہ بھی اجازت دے رکھی تھی کہ کسی موقع پر اگر انہیں ہلاکو خان کے ساتھ ٹکراؤ کے دوران پسپائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ کر اس کے علاقوں میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ اس بنا پر فراتا تار قبائل بھی تیار و مستعد تھے۔

چنانچہ ہلاکو خان بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا برقائی خان کے کوہستانی سلسلوں میں داخل ہوا۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا لیکن کسی مقام پر کوئی بھی طاقت اس کے مقابل نہ آئی جس کی بنا پر اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ برقائی خان اس کا سامنا کرنے سے گریز کر رہا ہے۔ اس پر ہلاکو خان کا ایک طرح سے رعب اور خوف طاری ہو گیا ہے۔ اسی بنا پر وہ ہلاکو خان کے مقابل نہیں آ رہا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے ہلاکو خان نے تہیہ کر لیا کہ وہ اسی طرح یلغار کرتا ہوا برقائی خان کے نئے بسائے جانے والے شہر، سرائے برقائی تک یلغار کرتا چلا جائے گا اور اس کے مرکزی شہر

کرارند کو واپس لوٹے گا۔

لیکن ہلاکو خان تھوڑا سا ہی مزید آگے گیا ہوگا کہ ایک مقام پر جو کافی وسیع تھا، برقائی خان اور اس کا بھتیجا نوگائی اپنے لشکر کے ساتھ ہلاکو خان اور اس کے لشکر کی راہ روک کھڑے ہوئے۔

ہلاکو خان کو اپنے چچازاد بھائی برقائی خان پر بڑا غصہ، بڑا غضب اور کرودھ تھا۔ لہٰذا وہ اس سے ٹکرانے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف یہی حالت برقائی خان کی بھی تھی۔ اس لئے کہ ہلاکو خان نے اس کے ایک عزیز کو قتل کیا تھا۔ جونہی ہلاکو خان سامنے آیا، برقائی نے اپنے لشکر کو پل پل بیتے قضا کے لمحوں میں الاؤ کے اٹھتے شعلوں، جذبوں کو منہدم، خیالوں کو مسمار کرتی انتقام کی تابکاری اور قہر ساز کارروائیوں کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر وہ ہلاکو کے لشکر پر اعصاب میں سنسنی دوڑاتے موت کے خوفناک افسانوں، ان گنت خون آرائیوں میں شدت پیدا کر دینے والی پتھروں کی رگوں سے نکلتی کھولتی آگ اور جان کے نگار خانوں کو زخم زخم کر دینے والی بے روک ساحلی ہواؤں کی اندھی مار کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے ہلاکو خان بھی صدیوں کے ہولناک عذابوں، وحشت اور دل فگاری، مایوسی کے صحرا، کوہ و دشت اور ہوا کے جھونکوں تک کو پامال کر دینے والے آتش فشانوں اور تن کی کمانوں، جسم کے زاویوں، زیست کے پیچ و خم کو ادھیڑ دینے والے ستم کے پیلے موسموں اور تازہ اُترنے والے عذابوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اس طرح بھیانک کوہستانی سلسلوں کے اندر برقائی خان اور ہلاکو خان دونوں منگول سردار ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے۔

یہ ٹکراؤ تھوڑی دیر ہی رہا ہوگا کہ اچانک کوہستانی سلسلوں کے اندر ہی اندر ایک طرف سے فراتا تار قبائل نمودار ہوئے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہلاکو کے لشکر کے ایک پہلو پر دروازوں پر آگ کی دستک دیتے ان گنت آتش فشانوں، سانسوں کی ڈوریاں کاٹتے موت کے سرگرداں ہیولوں، زندگی کے جاری سفر میں عمر کی موجِ رواں پر طاری ہوتے موت کے گردابوں، بھوکے سرگرداں بھیڑیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح کوہستانی سلسلوں کے اندر ان گنت تیغ زن اور جنگجو ایک دوسرے کے سر

پر موت بن کر کھیلنے لگے تھے۔ خون کے چھینٹے اُڑاتی چیختی بھاگتی مچلتی صداؤں کی طرح آفتوں کے سیلِ بے پناہ کھڑے کر دینے والے منگول ایک دوسرے پر ریزہ ریزہ کر دینے والے عناصر کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

اس طرح کوہستانی سلسلوں کے اندر رزم گاہ میں آرزوؤں کی تھکن، درد کی شمعیں، غصے کی سلگاہٹیں، جدائیوں کی ہوائیں، فکر و فریب، نفس کے جان لیوا عذاب اور قہر کی ترنگ اور لہریں ناچ اُٹھی تھیں۔ ہلاکو خان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ برقائی کے علاوہ فراتا تار کو بھی شکست سے دوچار کرے۔ لیکن سامنے کی طرف سے برقائی خان اور ایک پہلو کی طرف سے فراتا تار نے اس کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس پر ایسا دباؤ ڈالا کہ ہلاکو خان کو یقین ہو گیا کہ اگر تھوڑی دیر تک مزید جنگ رہی تو برقائی خان اور فراتا تار دونوں مل کر اس کے لشکر کو چیر پھاڑ کے رکھ دیں گے۔ لہٰذا اس نے پسپائی اور شکست قبول کی اور پیچھے ہٹتا ہوا وہ ان کوہستانوں سے نکل کر ادھر ہی جا ٹھہرا۔ جہاں اس نے پڑاؤ کیا تھا اور جہاں سے نکل کر اس نے برقائی پر حملہ آور ہونے کا رخ کیا تھا۔

ہلاکو خان کو بدترین شکست دینے کے بعد برقائی خان اور اس کا بھتیجا نوگائی ایک جگہ ایک بڑی چٹان پر بیٹھ گئے۔ پھر برقائی خان نے فراتا تار قبائل کے سردار لوئی تاشی اور نائب سردار شانگا خان کو طلب کیا۔

جب وہ دونوں سردار برقائی خان کے سامنے آئے، تب برقائی خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں گلے لگایا، ان دونوں کی پیشانیاں چومیں، ہلاکو خان کے خلاف ان کی بہترین کارگزاری پر انہیں اس نے مبارکباد دی۔ پھر چٹان پر اپنے قریب بٹھایا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم نے کیا خوب ہلاکو خان کے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی اور اس کی شکست کو یقینی بنایا۔ میں تمہاری جرأت مندی، تمہاری دلیری اور شجاعت کو سلام پیش کرتا ہوں۔ دیکھو میرے شہر، سرائے برقائی سے دس میل شمال میں کوہستانی سلسلے کے اندر تم لوگوں نے جو اپنے لئے رہائش گاہیں بنائی ہیں، مجھے میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ وہ رہائش گاہیں بہت تھوڑی ہیں اور ان رہائش گاہوں میں صرف وہ لوگ قیام کئے ہوئے ہیں جو سب سے پہلے یہاں پہنچے۔ اور جو بعد میں آئے، وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ

کھلے آسمان تلے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ رات خیموں میں بسر کرتے ہیں۔
نے اپنے بھتیجے نوگائی سے کہہ دیا ہے، یہ کچھ کاریگر اور اپنے لشکر کا ایک حصہ تمہار
ساتھ روانہ کرے گا۔ یہ کاریگر مسلمان ہیں اور میرے پاس بخارا اور سمرقند سے آ
ہیں۔ بہت اچھے کاریگر ہیں۔ یہ تمہارے ہاں بڑی تیزی سے مکانوں کی تعمیر کریں گ
ان ساری تعمیرات کے سارے اخراجات میں خود برداشت کروں گا اور وہاں اس ق
مکانات اور رہائش گاہیں تعمیر کی جائیں گی جو تمہاری ضرورت سے بھی زیادہ ہوں گ
تاکہ آنے والے دور میں اگر قراتاتار کے مزید لوگ یہاں آ کر رہنا چاہیں اور ہلاکو خا
کے خلاف ہمارا ساتھ دینا چاہیں تو ان کی رہائش کا بہترین اہتمام کیا جائے۔ یہ کام ایک
دو دن میں شروع ہو جائے گا اور میں چاہوں گا کہ یہ کام ایک دو مہینے کے اندر اند
بالکل مکمل کر لیا جائے۔ اس علاقے میں عمارات میں استعمال ہونے والے پتھر بے ا
ہیں اور ان پتھروں کو دیواروں میں چنے جانے کے قابل بنانے والے بخارا اور سمر
کے بہت سے کاریگر پہنچ چکے ہیں جو تمہارے لئے رہائش گاہیں تعمیر کریں گے اور ا
ایک خوب صورت، چھوٹے شہر کی شکل دے دیں گے جس کے اندر بازار بھی ہوں گے
دکانیں بھی ہوں گی تاکہ جب امن ہو تو تمہارے لوگ پُرسکون ماحول میں اپنے اس نئے
آباد ہونے والے شہر میں زندگی بسر کر سکیں۔

برقائی خان کے ان الفاظ پر قراتاتار قبائل کے سردار لوئی تاشی اور نائب سا
یانگ خان نے برقائی خان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد برقائی خان اپنے لشکر کو لے
پیچھے ہٹ گیا۔ جبکہ قراتاتار قبیلے کا سردار لوئی تاشی اور نائب سالار یانگ خان اپنے ل
کو لے کر اپنی رہائش گاہوں کی طرف چلے گئے تھے۔

دوسری طرف برقائی خان کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد ہلاکو خان جب ا
پڑاؤ میں داخل ہوا تو بڑا بیزار اور غصے کے عالم میں تھا۔ چنانچہ پڑاؤ میں پہنچتے ہی ا
نے اپنے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا۔ اس طلبی کے نتیجے میں اس کے سرداروں
سے دربائی بائیدو سب سے بڑا اور بزرگ سالار، آنچل بن قاچار، قط بوغا، توران
سلاون، توبان، سونجاق، توران، ایلکان اور مہرقاق کے علاوہ دیگر چھوٹے سالار
شامل تھے۔

جب یہ سب لوگ ہلاکو خان کے خیمے میں جمع ہو گئے، تب ہلاکو خان نے ایک غائر اور گہری نگاہ سے سب کا جائزہ لیا، پھر وہ دکھ بھرے انداز میں اپنے ان سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ جو برقائی خان کے ہاتھوں ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے، تم میں سے کوئی بتائے گا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟''

اس موقع پر آنچل قاچار بولا اور کہنے لگا۔

''خاقان! بات یہ ہے کہ اکیلا برقائی خان ہمیں شکست نہیں دے سکتا تھا۔ قراتاتار قبائل نے منگولیا کے زیریں علاقوں اور ترکستان سے نکل کر یہاں برقائی خان کے ذرا جنوب مغرب میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر کے وہاں رہنا شروع کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں، وہ ایک طرح کے ترک ہی ہیں اور جنگ کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں۔ ہمارے طریقۂ جنگ اور واردات سے بھی خوب آگاہ ہیں۔ ان میں سے بہت سے اسلام بھی قبول کر چکے ہیں اور چونکہ برقائی خان بھی اسلام قبول کر چکا ہے، لہٰذا وہ ہر معاملے میں برقائی خان کا ساتھ دینے کا عزم کئے ہوئے تھے۔

جس وقت برقائی خان اکیلا ہم سے ٹکرایا تھا تو یقیناً ہم اسے شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر سکتے تھے لیکن اسی دوران قراتاتار قبیلے کا سردار اور نائب سردار لوئی تاشی اور یانگ خان اپنے کوہستانی سلسلوں سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح نکلے اور ہمارے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے اس طرح حملہ آور ہونے سے ہمیں خاصا نقصان پہنچا۔ ہمارے لشکر کی کئی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور ہمارے لشکر کے ایک پہلو کو انہوں نے کاٹ کر رکھ دیا تھا جس کی بنا پر ہمیں شکست قبول کر کے پیچھے ہٹنا پڑا۔

آنچل قاچار جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان بولا اور کہنے لگا۔

''کیا تم میں سے کوئی اور بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنا پسند کرے گا؟''

اس بار دوسرا بڑا سالار قط بوغا بولا اور کہنے لگا۔

''جو کچھ آنچل قاچار نے کہا ہے، درست یہی ہے۔ اگر ہمیں برقائی خان کو اپنے سامنے زیر کرنا ہے تو پھر پہلے قراتاتار قبائل کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا ہوگا۔ ہمیں ایسا کرنا ہوگا کہ بڑی رازداری کے ساتھ پہلے قراتاتار پر ضرب لگائیں، اچانک ان پر

حملہ آور ہو کر شب خون مارتے ہوئے مکمل طور پر ان کا خاتمہ کر دیں۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ برقائی خان کتنے دن تک ہمارے سامنے ٹھہرتا ہے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ فراتاتار کا خاتمہ کرنے کے بعد برقائی خان کو ہم بڑی آسانی سے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔''

قط بوغا جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان کے دوسرے سالاروں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ یہاں تک کہ ہلاکو خان کچھ سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''جو کچھ تم لوگوں نے کہا ہے، میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ درست یہی ہے۔ میں چاہتا ہوں، پہلے بغداد پر ضرب لگائی جائے۔ اس لئے کہ بغداد کے وزیر ابنِ علقمی نے بغداد پر حملہ آور ہونے کے لئے موصل کے حکمران بدرالدین لولو سے بھی بات چیت کی اور بدرالدین لولو نے بھی میری طرف پیغام بھجوایا ہے کہ بغداد پر حملہ آور ہونے کا بہترین موقع اور وقت ہے اور ہماری فتح مندی اور کامیابی یقینی ہے۔ اس بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چند دن تک اپنی تیاریوں کو مکمل کر لو۔ اس کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ ہم یہاں سے کوچ کریں گے اور بغداد پر حملہ آور ہوں گے۔''

اس کے ساتھ ہی ہلاکو خان کے کہنے پر اس کے سارے سالار اس کے خیمے سے نکل گئے تھے اور یوں بغداد پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

○○○○○

دوسری طرف حسین کیتھرائن اور خوب صورت سیمر اپنے خیمے میں دونوں اکٹھی بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ کیتھرائن اور سیمر دونوں ایک سے بڑھ کر ایک حسین اور خوب صورت تھیں۔ اچانک کیتھرائن نے غور سے سیمر کی طرف دیکھتے ہوئے بات کا رُخ موڑا اور سیمر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''سیمر! تُو ہلاکو کی ملکہ دوقوزہ کی چھوٹی بہن ہے۔ تُو یقیناً ہلاکو سے متعلق سب سے بہتر جانتی ہو گی۔ اور چند دن پہلے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ہلاکو کے لشکر کی ایسی طاقت ور قوت ہے کہ ان علاقوں میں کوئی بھی لشکر ہلاکو خان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور اب جو ہلاکو خان کو برقائی خان کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اسے کیا سمجھنا چاہئے؟''

سیمر کے لبوں پر اس موقع پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیتھرائن میری بہن! تیرا کہنا درست ہے۔ اگر وقتی طور پر برقائی خان کے مقابلے میں ہلاکو خان کو ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس کا ازالہ بہت جلد ہو گا۔ تم دیکھو گی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہلاکو خان، برقائی خان سے انتقام لے گا اور اس کے کوہستانی سلسلے میں گھس کر اس کی ناکامی اور اپنی کامیابی کو یقینی بنائے گا۔ اس لئے کہ ہلاکو خان پر جو کوئی ضرب لگاتا ہے، اسے ناکام بناتا ہے، ہلاکو خان اس سے انتقام لینا بھولتا نہیں ہے۔''

سیمر کے ان الفاظ کے جواب میں کیتھرائن مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دونوں کا کھانا آ

گیا۔ لہٰذا دونوں خاموش ہو کر کھانا کھانے لگی تھیں۔

OOOOO

آخر ہلاکو خان نے بغداد کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی۔

گو ابنِ علقمی نے بغداد کے بڑے بڑے لشکروں کو بغداد سے نکال کر سرحدوں
طرف بھیج کر ایک طرح سے ہلاکو خان کے بغداد پر حملہ آور ہونے کی راہ ہموار کر دی
لیکن ابھی بغداد میں ایسے سالار اور لشکری تھے جو منگولوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت
جرأت رکھتے تھے۔ ان میں بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد، نائب سا
اعلیٰ منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار، شرف الدین کردی، صالح اشرف اور مجاہد الد
ایبک کے علاوہ کچھ دوسرے سالار بھی تھے۔

چنانچہ جب ہلاکو خان کی بغداد کی طرف پیش قدمی کی خبریں پہنچیں، تب بغداد
لشکریوں کے سالارِ اعلیٰ فتح الدین نے خلیفہ سے بات کر کے جس قدر لشکر اس وقت
بغداد کے اندر موجود تھے، انہیں شہر سے باہر نکالا۔

اس موقع پر ابنِ علقمی کی رائے اس کے مخالف تھی لیکن فتح الدین اور نائب سا
اعلیٰ منصور بن احمد نے ابنِ علقمی کی کوئی بھی بات نہ مانی۔ صورتِ حال کو نازک دیکھ
ہوئے خلیفہ مستعصم نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ چنانچہ فتح الدین داؤد اور منصور بن ا
اپنے ساتھی سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر بغداد سے باہر نکلے اور بغداد سے
ہی انہوں نے ہلاکو خان کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

ہلاکو خان کی آمد سے پہلے پہلے بغداد کے لشکر نے اپنی صورتِ حال بالکل واضح
مستحکم کر لی تھی۔ چنانچہ ہلاکو خان جب اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا تو فتح الدین دا
اور منصور بن احمد کے کہنے پر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنے لشکر کو مستعد
دیا تھا۔ دونوں طرف سے صفیں درست ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ بغداد کے لشکر کو
حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ فتح الدین داؤد کے پاس رہا جو لشکریوں کا سالارِ ا
تھا اور اپنے ساتھ اس نے مجاہد الدین ایبک کو رکھا۔ لشکر کا دوسرا حصہ نائب سالارِ ا
منصور بن احمد کی کمانداری میں تھا اور وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دائیں جانب

جبکہ صالح بن اشرف اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ لشکر کا تیسرا حصہ بائیں
جانب رکھا گیا۔ اس کی کمان داری شرف الدین کردی کے ہاتھ میں تھی اور حسام الدین
جوکندار اُس کی نیابت کر رہا تھا۔

منصور بن احمد کے تحت جو لشکر تھا، اس میں زیادہ تر عرب شامل تھے۔ فتح الدین اور
مجاہدین ایبک کے تحت کام کرنے والے لشکر میں زیادہ تر ترک اور کچھ کرد تھے۔ جبکہ
شرف الدین کردی کے تحت کام کرنے والے زیادہ تر کرد اور کچھ ترک بھی شامل تھے۔

اسلامی لشکر نے جب دیکھا کہ ہلاکو خان اب حملہ آور ہونے کی ابتدا کرنے والا
ہے، تب فتح الدین داؤد کے کہنے پر بغداد کے پورے لشکر اور سالاروں نے فطرت کو
زبوں کر دینے والے کائنات کے کھولتے بحر کی موجوں کے ہولناک تلاطم اور وقت کے
پیچ و تاب میں طوفانوں کے شباب کی سی ہلچل برپا کر دینے والے آفاق گیر رازداروں کی
طرح تکبیریں بلند کیں۔ ان تکبیروں نے بغداد کے لشکر کے اندر ایک نیا جذبہ اور جوش
پیدا کر دیا تھا۔

اس موقع پر ہلاکو اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور وہ بغداد
کے لشکر پر فنا کے گھاٹ اُتار دینے والے بدبختی کے سایوں، تلپٹ کر دینے والی ہولناک
موت، آزادی اور بے فکری کی فضاؤں پر ضرب لگاتے اذیت ناک اژدھوں، ان دیکھے
خونخوار اندیشوں اور ظلم کی اندھی موجوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے پہلے سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد نے اپنے کام کی ابتدا
کی اور وہ ہلاکو کے لشکر کے وسطی حصے پر قضا کی زنجیریں توڑ کر زمین کی عصمت کی
حفاظت اور اس کے باسیوں کے تحفظ کا فرض ادا کر دینے والے قیامت بدوش عناصر،
صحرائے وقت کے سیلاب میں آگ پھونکتے آتش فشاں، خون کا غسل دینے والے
لاانتہا کرب کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

فتح الدین داؤد کے ساتھ ہی ساتھ نامور عرب سالار اور بغداد کے لشکریوں کا نائب
سالارِ اعلیٰ منصور بن احمد بھی حرکت میں آیا اور وہ کھلی آستینوں والے عربوں کے ساتھ
منگولوں پر گرسنہ صدائیں، تشنگی کے بحر کھڑے کر دینے والے تقدیر کے ہولناک عذاب،
قضا کے بھنور میں زخموں کے حروف، درد کے الفاظ کھڑے کرتے وحشی خون آشام جری

اور نڈر پاسبانوں اور قہرمانی کے سرابوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس کے بعد شرف الدین کردی کی کمانداری میں بایاں حصہ بھی حرکت میں آیا اور وہ بھی منگولوں پر آندھیوں کی بے اماں فتنہ گری، برق وشرر کے رقص، موت کی تاریکیوں میں آسمان پر کمند ڈالتے ہواؤں کے طمانچوں، بحر کی ہیجان خیزیوں اور چٹانوں کو توڑتے طوفانوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

بغداد کے نواح میں ایک ہیجان اور طوفانی کیفیت سی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بغداد کے لوگ سہمے سہمے، خوف زدہ تھے اس لئے کہ بغداد کے لشکر کی تعداد ہلاکو خان کے لشکر کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس بنا پر لوگ خوف زدہ تھے کہ ان کا لشکر جو ہلاکو خان کی راہ روکنے کے لئے بغداد سے نکلا ہے، وہ ہلاکو کے لشکر کے مقابلے میں بہت چھوٹا ہے۔ لہٰذا اسے پسپائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور جب ایسا ہو گا تو ہلاکو نہ جانے بغداد کے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، ان کا کیا حشر کرے گا۔ لیکن وقت اور فطرت کے تقاضے کچھ اور ہی فیصلہ کر چکے تھے۔

بغداد کے نواح میں مسلمانوں اور منگولوں کے ٹکرانے کے باعث بے جہت غموں کے طوفانِ مرگ کا کھیل کھیلتے عفریت، نفرتوں کی اُداس رُتیں، بدنصیب شوریدہ کاری، سسکیوں، آہوں اور چیخوں کا حشر، گرد کے گھونگھٹ میں چھپے کڑے لمحوں کے انقلاب، غیر شنیدہ سوالات اور غیر پسندیدہ آرزوئیں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

رزم گاہ کے اندر بے توقیر کرتے جذبے، بے بس گمنام آرزوئیں، ویرانیاں، پیلی رُتوں کے زہر، موت کے سناٹوں کے انبار، خون رُتوں کی یلغار، مرگ بردوش ساعتیں، سوگ بھرے لمحات اور دکھ کی تاریخ کی بے رحم بدبختیاں ناچ اُٹھی تھیں۔

منگول یہ خیال کر رہے تھے کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کا لشکر بالکل چھوٹا اور مختصر سا ہے اور بہت جلد وہ انہیں کاٹ کر رکھ دیں گے لیکن یہاں صورتِ حال کچھ مختلف دکھائی دے رہی تھی۔ اس لئے کہ عرب سالار منصور بن احمد کی کمانداری میں کھلی آستینوں والے عرب بپھری صداؤں کی تکبیروں میں غیض وغضب کی طغیانیوں کی طرح منگولوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کی لاشوں کی بساط بچھانے لگے تھے۔ وقت کے لمحوں کو اپاہج کر دینے والے ترک، موت کا عجیب رقص شروع کر چکے تھے اور جسموں کو لخت لخت کر

دینے والے کرد، منگول لشکر کی صفوں کے اندر گھس کر ان کی ہمت اور جواں مردی کی طنابیں کاٹتے جا رہے تھے۔ میدانِ جنگ میں اس وقت نہ کوئی عرب رہا نہ کوئی کرد نہ ترک نہ ایرانی نہ تورانی، کچھ بھی نہ تھا۔ بس صرف وہ مسلمان تھے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے وہ یک زبان اور یک قوم بن کر منگولوں کے سامنے نہ گرنے والی دیوار بن چکے تھے۔

اس کے بعد فطرت کے عناصر نے دیکھا، مسلمانوں کے مقابلے میں منگولوں کی حالت دیمک زدہ در و بام ہلاکت کے دشتِ سفاک، ماضی کی راہ گزر کی ویرانیوں، کڑوے لمحوں کی ناآسودگیوں کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ جب فتح الدین داؤد، منصور بن احمد اور دوسرے سالاروں نے اپنے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا کی، تب مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لشکر کے مقابلے میں ہلاکو کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی اور منگول بھاگ کھڑے ہوئے۔

جس وقت منگول بھاگے، اس وقت مسلمانوں کے اندر ایک نا اتفاقی اور نفاق پیدا ہوا۔ وہ اس طرح کہ منگول جب شکست اُٹھا کر بھاگے، تب کچھ لشکریوں اور چھوٹے سالاروں نے ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ بڑے سالاروں میں سے مجاہد الدین ایبک نے بھی اس کی تائید کی کہ منگولوں کا تعاقب کرنا چاہئے۔ ایسا وہ اس لئے کر رہے تھے کہ ماضی میں چونکہ منگولوں نے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا تھا، لہٰذا تعاقب کر کے مسلمان ان کا قتل عام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بڑے سالاروں میں سے فتح الدین داؤد، منصور بن احمد، شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار اور صالح بن اشرف نے اپنے لشکریوں کو منگولوں کا تعاقب کرنے سے منع کیا۔ لیکن اس شور شرابے میں ان کی ایک نہ سنی گئی۔ مجاہد الدین ایبک کی کمانداری میں مسلمان لشکریوں نے منگولوں کا تعاقب شروع کر دیا جس کی بنا پر بڑے سالاروں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ بس یہی مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس لئے کہ جب منگولوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر ان کا تعاقب شروع کر دیا، تب وہ جانتے تھے کہ ان کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہے لہٰذا انہوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ مسلمانوں کے آگے آگے بھاگتا رہا، دوسرا ایک لمبا چکر کاٹ کر مسلمانوں کی پشت کی طرف آیا اور پشت کی طرف

سے ایسا جان لیوا حملہ کیا کہ ان گنت مسلمانوں کو انہوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔

پشت کے اس حملے کی وجہ سے بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد بھی مارا گیا۔ اپنے سالارِ اعلیٰ کے مارے جانے سے لشکری حوصلے ہار بیٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر افراتفری کا عالم برپا تھا۔ بڑے سالاروں میں سے صالح بن اشرف بری طرح زخمی ہوا تھا۔ منصور بن احمد نے جب دیکھا کہ حالات یکسر ان کے خلاف ہو گئے ہیں اور مجاہدالدین ایبک نے جو احمقانہ فیصلہ کیا تھا، اس کا مسلمانوں کو خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے اور منگول پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر انہیں بے پناہ نقصان پہنچا چکے ہیں اور اب وہ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں، لہٰذا اس نے بچے کچھے مسلمانوں کو سمیٹ کر ایک طرف سے بھاگنے کا مشورہ دیا۔ اس موقع پر صالح بن اشرف زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا تھا۔ منصور بن احمد اپنے گھوڑے سے نیچے اُترا، صالح بن اشرف کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر وہ شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار کے ساتھ زخمی صالح بن اشرف کو لے کر ایک طرف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ بہت سے عرب کرد اور ترک لشکری بھی ان کے ساتھ ہو لئے تھے۔

اس موقع پر کچھ منگولوں نے ان کا تعاقب کرنا چاہا تو مسلمان لشکریوں نے ان پر ایسی تیز تیراندازی کی کہ انہوں نے تعاقب ترک کر دیا۔ اس طرح منصور بن احمد اپنے ساتھیوں اور کچھ لشکریوں کو لے کر بچ کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے تک منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار بغداد سے کئی میل دور شمال مغرب کی طرف جا چکے تھے۔ اپنے گھوڑے پر اپنے آگے منصور بن احمد اسی طرح اپنے ساتھی سالار صالح بن اشرف کو سنبھالے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ منصور بن احمد نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ اس لئے کہ صالح بن اشرف نے اسے رکنے کے لئے کہا تھا۔

منصور بن احمد اپنے گھوڑے سے اُترا، صالح بن اشرف کو اپنی گود سے اُتار کر زمین پر لٹایا۔ اس موقع پر منصور بن احمد اور اس کے سارے ساتھیوں کے لباس خون آلود تھے۔ اتنی دیر تک شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار اور دوسرے چھوٹے سالار اور لشکری بھی اپنے گھوڑوں سے اتر کر منصور بن احمد کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

منصور بن احمد نے صالح بن اشرف کو جو بری طرح زخمی تھا، جب زمین پر لٹایا کچھ دیر تک اس کی حالت دیکھتے ہوئے منصور بن احمد ہونٹ کاٹتا رہا۔ یہی حالت شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کی بھی تھی۔ یہاں تک کہ لیٹے ہی لیٹے صالح بن اشرف بولا اور کہنے لگا۔

''منصور! میرے عزیز بھائی! مجھے اب یہیں پڑا رہنے دو۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ میری روح پرواز کرنے کے درپے ہے۔ میری وجہ سے اپنے آپ کو دشواری اور خطرات سے دوچار مت کرو۔''

ایک شکایت بھری نگاہ اس موقع پر منصور بن احمد نے صالح بن اشرف پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''ابنِ اشرف! قسم خداوند قدوس کی۔ اگر مجھے سو بار بھی زندگی ملے تو میں تیرے تحفظ، تیری حفاظت پر اپنی اس زندگی کو نچھاور کر دوں۔ میرے بھائی! ہم تمہیں چھوڑ کر کیسے جائیں؟ تھوڑی دیر ستا لو، پھر نئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ خداوند قدوس کو منظور ہوا تو ایک روز ایسا ضرور آئے گا کہ ہم اس امتحان، اس عذاب سے سرخرو ہو کر گزریں گے۔''

منصور بن احمد کے ان الفاظ پر صالح بن اشرف ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ پھر دکھ بھری آواز میں وہ بول پڑا۔

''کاش! ہم لوگ سمتوں کے تضاد، ذہنوں کے اختلافات، مسلک کی عقوبت گاہوں میں تقسیم نہ ہو جاتے۔ صرف مسلمان ہی رہتے۔ کاش! ہمارے اندر صلے کی اُمید میں دین اور محبت کا سودا کرنے والے ابنِ علقمی پیدا نہ ہوتے۔ ہائے حیف منگول بغداد شہر میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ ہر خیمۂ دل پر موت کے بھنور بناتے حالات طاری کر رہے ہوں گے۔ حیاتِ نو کی صباحتوں اور جذبوں کی توقیر اور سوچوں کے بدن کو تو ابنِ علقمی نے پہلے ہی لہولہو کر دیا تھا۔ کاش ایسے لوگ ہماری اُمت، ہماری قوم میں پیدا نہ ہوتے۔ بغداد شہر میں مرگ بدوش ساعتیں، نفس کو بے کل کرتے گھٹاؤں نے سناٹے چھا چکے ہوں گے۔ مہتاب سراپا نزہتوں کی شیرینی جیسی ہماری بہنیں بغداد شہر میں سلگتی دوپہر کی طرح دھکے کھاتی پھر رہی ہوں گی۔ براق، چنبیلی اور نگھتوں کی سی دوشیزہ ہماری

بیٹیاں بغداد میں اُڑتے بگولوں کی طرح خوار ہو رہی ہوں گی۔''

یہاں تک کہتے کہتے صالح بن اشرف کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ منصور بن احمد سسکیوں، ہچکیوں میں رو رہا تھا۔ یہی حالت شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار، صالح بن اشرف اور وہاں کھڑے دوسرے لوگوں کی تھی۔ یہاں تک کہ صالح بن اشرف نے دُکھتی روتی آواز میں پھر کہنا شروع کیا۔

''بغداد شہر کے اندر وحشتوں کے سیل بے اماں، آگ و خون کے سحاب، تن من گھائل، نفس نفس میں آگ بھر رہے ہوں گے۔ ہمارے ذاتی اختلافات نے بغداد کو ان حالات سے دوچار کیا۔ خداوند قدوس ان لوگوں پر اپنا خوفناک عذاب طاری کرے جنہوں نے اپنی ملت اور قوم کی پیٹھ میں غداری کا خنجر گھونپنے کی کوشش کی۔''

اچانک اس موقع پر کچھ لشکری چونک اُٹھے۔ انہوں نے دیکھا، جس سمت سے وہ آئے تھے، اس سمت سے گرد کے بادل اُٹھتے دکھائی دیئے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے ایک چھوٹا سالار چونکنے کے انداز میں بول اٹھا۔

''امیر منصور بن احمد! لگتا ہے منگول ہمارے تعاقب میں آ گئے ہیں۔''

یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد اپنی جگہ پر زخمی سانپ کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آنکھیں جو آنسوؤں سے تر تھیں، صاف کیں۔ ایک جواب طلب نگاہ باری باری اُس نے شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار پر ڈالی، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''گرد کے اُٹھتے بادلوں کو دیکھ کر میں یہ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تعاقب کرنے والے منگول زیادہ نہیں ہیں۔ میرے بھائی! اگر تم میرا ساتھ دو تو میں......''

اس موقع پر حسام الدین جوکندار شکایت آمیز اور شکوؤں بھرے انداز میں منصور بن احمد کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جبکہ شرف الدین کردی روتی ہوئی آواز میں منصور بن احمد مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! خدا کے لئے ایسے الفاظ نہ ادا کریں۔ ہم سے ایسے سوال نہ کریں۔ بغداد کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد اب ہم چلتی پھرتی لاشیں ہیں۔ ہم مر چکے ہیں۔ ہم پوری طرح آپ کا ساتھ دیں گے۔ اگر ہمارے جسم کا سارا خون بھی نکال دینے کے میں ہمارا کوئی لشکر بچتا ہے تو قسم خداوند قدوس کی، ہمارے لئے یہ تجارت، یہ سودا

نہیں ہو گا۔''

اس موقع پر ایک جھٹکے کے ساتھ منصور بن احمد نے اپنی تلوار بے نیام کی اور اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا۔

اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے چھوٹے سالار اور لشکری بھی اپنے گھوڑوں پر ہو بیٹھے تھے۔ پھر وہ صفیں باندھ کر اس طرح منصور بن احمد کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے جیسے وہ اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر چکے ہوں۔

جب گرد کے بادل چھٹے، ان میں سے منگول گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے دکھائی دیئے، تب وقت کی آنکھ نے دیکھا، منصور بن احمد کی آنکھیں قہر برسا گئی تھیں۔ چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا اور جسم پر ایک کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ پھر اس نے ہولناک انداز میں چند بار تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے سالار اور لشکری بھی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا چکے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار تعاقب کرنے والے منگولوں پر دہکتے سلگتے عذابوں، نگوں سار کرتی اذیت گری، مچلتے بے روک دھاروں، بھڑکتی انتقامی آگ، مرگ کے برہم کوندوں اور دکھ کی اندھی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

تعاقب کرنے والے منگول زیادہ دیر تک منصور بن احمد اور اس کے ساتھیوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ اس لئے کہ منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام جوکندار تو پہلے ہی انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ بہت جلد انہوں نے تعاقب کرنے والے منگولوں کو موت کے گھاٹ اتار کر میدان صاف کر دیا تھا۔

جب سارے منگولوں کا خاتمہ کر دیا گیا، تب منصور بن احمد کے چہرے پر ایک وقار، اس کی آنکھوں میں ایک آسودگی تھی۔ اس موقع پر شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار بھی چھوٹے سالاروں کے ساتھ اس کے پاس آن کھڑے ہوئے تھے۔ پھر کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

''ہمارے لوگ ناحق ان منگولوں کو ناقابلِ تسخیر خیال کرتے ہیں۔ خداوند قدوس کی قسم اگر ابنِ علقمی بغداد کے زیادہ لشکریوں کو شہر سے نکال کر سرحدوں کی طرف نہ بھیج دیتا

تو میں اور فتح الدین، ہلاکو خان کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے کر اس کے مرکزی شہر قراقرم تک اس کا تعاقب کرتے۔ مگر برا ہو اس ابنِ علقمی کا، اس نے نہ صرف مسلم قوم کو تقسیم کیا بلکہ ہمارے لشکریوں کے اندر بھی تفریق کی ایک لکیر ڈال کر رکھ دی۔''

پھر منصور بن احمد نے اپنے لشکریوں کو منگولوں کے سامان کا جائزہ لینے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد کچھ چھوٹے سالار آئے اور منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''لگتا ہے یہ منگول راستے میں کچھ بستیوں کو لوٹتے ہوئے آئے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے پاس کھانے پینے کے علاوہ دیگر بہت سا قیمتی سامان بھی ہے۔''

اس موقع پر منصور بن احمد نے ایک لمبا سانس لیا۔ اپنے پہلو میں کھڑے شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''چند لشکریوں پر مشتمل ایک گروہ تشکیل دے دو جن کی کمانداری ایک چھوٹا سالار کرے گا۔ منگولوں کے پاس جس قدر کھانے پینے کا اور دوسرا سامان ہے، وہ سب ان لوگوں کے پاس رکھا جائے۔ وہی اس کی حفاظت کریں گے اور اسی سے اپنے ساتھیوں کی ضرورت پوری کی جائے گی۔ سب کا کھانا اکٹھا اور ایک ساتھ پکے گا اور سب کو ہر چیز کا برابر حصہ ملے گا۔ پہلے منگولوں کا سارا سامان سمیٹ لیا جائے۔ یہ جو منگولوں کے گھوڑے اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے ہیں، انہیں بھی اکٹھا کر کے ان کی لگامیں ایک دوسرے سے باندھ کر انہیں اپنے آگے آگے ہانکا جائے گا۔ ہم یہاں سے اب شمال کے کوہستانی سلسلوں میں فراتا تار قبائل کا رخ کریں گے۔ انہی کے اندر رہ کر ہم منگولوں پر ضرب لگاتے رہیں گے۔ ان سے انتقام کی اپنی رسم پوری کرتے رہیں گے۔ اپنے سارے لشکریوں کو سمجھا دینا کہ فراتا تار قبائل کے اندر جا کر کسی پر بھی یہ انکشاف نہ کریں کہ میں بغداد کے لشکریوں کا نائب سپہ سالار منصور بن احمد ہوں۔ دیکھو، میرے دونوں بھائیو! میں ایک شکست خوردہ قوم کا ایک ہارا ہوا سالار ہوں اور فراتا تار قبائل کے اندر ایک گمنام لشکری کی حیثیت سے کام کرنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ ان کے اندر رہتے ہوئے ہم منگولوں کے خلاف خوب ضرب لگائیں گے۔ اس لئے کہ فراتا تار قبائل کو برقائی خان کی حمایت حاصل ہے اور تم لوگ جانتے ہو، برقائی خان مسلمان ہو چکا

ہے اور فراتا تار کے بہت سے لوگ بھی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان کے اندر رہتے ہوئے ہم اپنی کارروائیوں کو بہتر انداز میں پورا کر سکیں گے۔''

شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر وہ مڑے، اس جگہ آئے جہاں سے ہٹ کر انہوں نے منگولوں پر حملہ کیا تھا۔ منگولوں کے سارے گھوڑوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر اور جو سامان ان گھوڑوں پر لدا ہوا تھا، وہ بھی ان کی پیٹھوں پر رہنے دیا گیا اور انہیں اپنے آگے ہانکتے ہوئے وہ اس جگہ آئے جہاں انہوں نے قیام کیا تھا۔ صالح بن اشرف اسی طرح زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اپنے گھوڑے سے اُتر کر منصور بن احمد نے جب صالح بن اشرف کا جائزہ لیا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ کچھ دیر تک عجیب سے انداز میں منصور بن احمد، صالح بن اشرف کی طرف دیکھتا رہا۔ اس پر اس کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ ہونٹ کاٹتا رہا، پھر جھکا، صالح بن اشرف کی پیشانی پر اس نے ایک لمبا بوسہ دیا۔ اس موقع پر اس کی آنکھوں سے نکلنے والے کئی آنسو صالح بن اشرف کی پیشانی پر گرے تھے۔ بوسہ لیتے ہوئے کچھ دیر وہ سسکتا رہا، پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ صالح بن اشرف کی تجہیز و تکفین بڑے اہتمام کے ساتھ کرنے کے بعد منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار اپنے لشکریوں کو لے کر شمال کے کوہستانی سلسلوں میں فراتا تار قبائل کا رخ کر رہے تھے۔

OOOOO

بغداد کا عباسی خلیفہ مستعصم اپنی جگہ پر خوش تھا کہ اس کے دو بہترین سالاروں فتح الدین داؤد اور منصور بن احمد نے منگولوں کو بدترین شکست دی ہے۔ مگر احمق خلیفہ کو ابھی تک یہ خبر نہ تھی کہ کچھ غیر ذمہ داروں کے کہنے پر منگولوں کی شکست کے بعد ان کا تعاقب کرنے کے بعد حالات بالکل پلٹا کھا چکے ہیں۔ فتح الدین داؤد مارا جا چکا ہے اور منصور بن احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور کچھ لشکریوں کو لے کر بغداد کے نواح سے بھاگ چکا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابنِ علقمی جس نے خلیفہ کو اب تک بے خبر رکھا تھا، اپنے دل میں خلیفہ کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ اتنے میں بغداد شہر کے اندر یکایک یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہلاکو نے اپنے کثیر اور جرار لشکر کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کر لیا ہے۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اہلِ بغداد نے مدافعت کی کوشش کی اور پچاس روز تک منگولوں کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اس دوران ابنِ علقمی اور اس کے حمایتیوں نے ہلاکو خان کے لشکر میں جا کر امان حاصل کی اور شہر کے حالات سے مطلع کیا۔ خود وزیر ابنِ علقمی، شہر کے اندر ہی رہا اور برابر ہلاکو خان کے پاس دم بہ دم کی خبریں بھیجتا رہا۔ چونکہ ابنِ علقمی کو اہلِ شہر سے ہمدردی نہ تھی، لہٰذا اہلِ شہر دم بہ دم کمزور اور پریشان ہوتے گئے۔ آخر وزیر ابنِ علقمی شہر سے نکل کر ہلاکو خان سے ملا اور صرف اپنے لئے امان طلب کر کے واپس آ گیا اور خلیفہ سے کہا۔

''میں نے آپ کے لئے بھی امان حاصل کر لی ہے۔ آپ ہلاکو خان کے پاس

چلیں۔ وہ آپ کو خلافت پر اس طرح قابض و متصرف رکھے گا جیسا کہ غیاث الدین خسرو کو تاتاریوں نے اس کے ملک پر حاکم اور فرماں روا رکھا تھا۔

خلیفہ اب تک ابنِ علقمی کو اپنا وفادار خیال کرتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ مع اپنے بیٹوں کے شہر سے نکل کر ہلاکو خان کے لشکر میں پہنچا۔ ہلاکو خان نے خلیفہ کو دیکھ کر کہا۔

''اپنے اراکینِ سلطنت اور شہر کے علماء اور فقہاء کو بھی آپ بلا لیں۔''

خلیفہ کو ہلاکو خان نے اپنے لشکر میں روکے رکھا۔ خلیفہ کا حکم سن کر علماء، فقہاء اور اراکینِ سلطنت شہر سے نکل کر منگولوں کے لشکر میں آئے اور ہلاکو خان نے ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کرا دیا۔

اس کے بعد ہلاکو نے خلیفہ سے کہا۔

''تم شہر میں پیغام بھیج دو کہ اہلِ شہر ہتھیار رکھ کر سب خالی ہاتھ شہر سے باہر آ جائیں۔''

مستعصم نے یہ پیغام بھی شہر میں بھیج دیا۔ اہلِ شہر باہر نکلے اور منگولوں نے ان کو بھی چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہر کے تمام سوار، پیادے اور شرفا کھیرے ککڑی کی طرح کئی لاکھ کی تعداد میں قتل کر دیئے گئے۔

شہر کی خندقیں ان لاشوں سے ہموار ہو گئیں۔ پھر دریائے دجلہ میں ان مقتولوں کے خون کی کثرت سے پانی سرخ ہو گیا۔ منگول شہر میں گھس پڑے۔ عورتیں اور بچے اپنے سروں پر قرآنِ مقدس رکھ کر گھروں سے نکلے مگر منگولوں کی تلواروں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔

ہلاکو خان نے اپنے لشکر کو قتل عام کا حکم دے دیا۔ بغداد اور اس کے مضافات میں منگولوں نے چن چن کر لوگوں کو قتل کیا۔ بغداد میں صرف چند شخص جو کنوئیں یا اسی قسم کی کسی پوشیدہ جگہ میں چھپے رہ گئے تھے، بچ گئے۔ باقی کوئی فرد زندہ نہیں چھوڑا گیا۔

اگلے دن بروز جمعہ 9 صفر 565ھ تھا۔ اس روز ہلاکو، خلیفہ مستعصم کو ہمراہ لئے بغداد میں داخل ہوا۔ قصرِ خلافت میں داخل ہو کر اجلاس کیا، خلیفہ کو سامنے بلوایا اور کہا۔

''ہم تمہارے مہمان ہیں۔ ہمارے لئے کھانے کو کچھ حاضر کرو۔''

خلیفہ پر اس قدر وحشت طاری تھی کہ وہ کنجیوں کو پہچان نہ سکا۔ آخر خزانے کے

تالے توڑے گئے۔ دو ہزار نہایت نفیس پوشاکیں، ہزار دینار اور سونے کے زیورات ہلاکو کے سامنے پیش کئے گئے۔

ہلاکو نے کہا۔

"یہ چیزیں تو تم نہ دیتے تب بھی ہماری ہی تھیں۔"

یہ کہہ کر اپنے درباریوں میں سب تقسیم کر دیا اور کہا۔

"ان خزانوں کا پتہ بتاؤ جن کا ہر کسی کو علم نہیں یا وہ مدفون ہیں۔"

خلیفہ نے فوراً ان خزانوں کا پتہ بتا دیا۔ زمین کھود کر دیکھا گیا تو جواہرات اور اشرفیوں کی تھیلیوں سے بھرے ہوئے حوض نکلے۔ ہلاکو خان کے لشکر کے ہاتھ سے بغداد اور مضافات میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ اور یہ تمام خون آشام نظارے خلیفہ مستعصم کو دیکھنا پڑے۔

ہلاکو خان نے خلیفہ کو بے آب و دانہ نظر بند رکھا۔ خلیفہ کو بھوک لگی اور کھانا مانگا تو ہلاکو نے جواہرات کا ایک طشت بھر کر اس کے سامنے بھیجا اور پیغام بھیجا۔

"اسے کھاؤ"

خلیفہ نے کہا۔

"میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں؟"

ہلاکو خان نے کہلا بھیجا۔

"جس چیز کو تم کھا نہیں سکتے اس کو اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کیا؟ اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا کہ وہ تمہاری طرف سے لڑتے اور تمہارا موروثی ملک بچاتے اور ہماری دست کش سے محفوظ رہتے؟"

اس کے بعد ہلاکو خان نے مستعصم کو قتل کرنے کے بارے میں اپنے اراکین سے مشورہ لیا۔ سب نے قتل کرنے کی رائے دی مگر نصیرالدین طوسی اور ابنِ علقمی نے یہ ستم ظریفی کی کہ ہلاکو خان سے عرض کیا۔

"مستعصم، مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ اس کے خون سے تلوار کو آلودہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ قالین میں لپیٹ کر لاتوں سے کچلوا دینا چاہئے۔"

چنانچہ یہ کام بقول مؤرخین علقمی کے سپرد ہوا اور اس نے اپنے آقا مستعصم کو قالین

میں لپیٹ کر اور ایک ستون سے باندھ کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ خلیفہ کا دم نکل گیا۔ پھر لاش کو زمین پر ڈال کر منگول لشکریوں کے پاؤں سے کچلوا کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کروا دیا اور خود دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا، قہقہے لگاتا رہا کہ میں خلیفہ سے انتقام لے رہا ہوں۔

غرض خلیفہ کی لاش کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا اور خاندانِ عباسیہ کا کوئی شخص بھی جو منگولوں کے قبضے میں آیا، زندہ نہ بچ سکا۔

اس کے بعد ہلاکو خان نے شاہی کتب خانے کی طرف توجہ کی جس میں بے شمار کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ یہ کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک دی گئیں جس سے دجلہ میں ایک بند سا بندھ گیا اور بتدریج پانی سب کو بہا کر لے گیا۔ دجلہ کا پانی جو اس سے پہلے مقتولین کے خون سے سرخ ہو رہا تھا، اب ان کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا اور عرصہ تک سیاہ رہا۔

تمام شاہی محلات لوٹ لینے کے بعد مسمار کر دیئے گئے۔ غرض یہ ایک ایسی عظیم الشان خون ریزی اور بربادی تھی جس کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اسلام پر یہ ایسی مصیبت آئی تھی کہ لوگ اس کو قیامت صغرا کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔

ابنِ علقمی نے جو اس تمام بربادی اور خون ریزی کا باعث بنا تھا، اب کوشش کی کہ ہلاکو بغداد میں کسی کو اس کے کہنے پر حاکم مقرر کر دے اور اسی کو خلیفہ کا خطاب دے۔

لیکن ہلاکو نے عراق میں اپنے عامل مقرر کر دیئے۔ یہ دیکھ کر ابنِ علقمی بہت پریشان ہوا۔ بڑی چالیں چلا اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ہلاکو کی خدمت میں گڑگڑایا اور خوشامدانہ التجائیں کیں مگر ہلاکو نے اس کو اس طرح دھتکارا جیسے کتے کو دھتکار دیتے ہیں۔

چند روز ابنِ علقمی ادنیٰ غلاموں کی طرح منگولوں کے ساتھ ساتھ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔ آخر ہلاکو خان نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا۔ جب یہ طے پایا کہ ابنِ علقمی اگر اپنے ہم مذہب، اپنے آقا اور اپنے مسلمان حکمران سے غداری کر سکتا ہے تو منگولوں کے ساتھ کیا وفاداری کرے گا۔ چنانچہ ابنِ علقمی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

ooooo

منصور بن احمد ایک روز کوہستانِ قپچاق کے اندر ایک درّے کے قریب نمودار ہوا۔

اس درّے کے قریب جانے سے پہلے چھوٹے سے ایک نالے پر ایک چھوٹا سا پل تھا۔ جب منصور بن احمد اور اس کے ساتھی پل کو پار کرنے کے بعد درّے سے ذرا قریب ہوئے تو کوہستانی سلسلے کے اوپر سے کڑکتی ہوئی ایک زوردار آواز سنائی دی۔

''جہاں تک پہنچے ہو، وہیں رک جاؤ۔ پہلے بتاؤ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور کوہستانِ قپچاق میں اس طرح داخل ہونے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟''

اتنی دیر تک سامنے کی طرف سے کچھ گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آئے۔ منصور بن احمد اس وقت اپنے ساتھیوں کے آگے تھا اور اس کے دائیں بائیں شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار تھے۔ سامنے کی طرف سے آنے والے سوار قریب آ کر رکے، پھر بلند آواز میں مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟''

اس پر منصور بن احمد بولا۔

''ہم بغداد کے لشکریوں میں سے ہیں۔ بغداد کے نواح میں ہم نے پہلے اپنے سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد کی کمانداری میں ہلاکو سے جنگ کی، اسے بدترین شکست دی۔ پھر ہمارے کچھ ساتھیوں نے احمقانہ قدم اٹھایا۔ ہمارے سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین نے ہلاکو کو شکست دینے کے بعد اس کا تعاقب کرنے سے منع کیا لیکن ہمارے لشکریوں نے تعاقب کیا جس کی بنا پر ہلاکو نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو سامنے رکھا، دوسرے کو ہماری پشت کی طرف بھیجا جو حملہ آور ہو کر ہماری شکست کا باعث بن گیا۔ اس طرح وہاں بغداد کے لشکر کا قتل عام ہوا اور میں اور میرے یہ ساتھی بڑی مشکل سے جان بچا کر ادھر آئے ہیں۔ ہم لوگوں کا مقصد اور مدعا، فراتا تار قبائل میں شامل ہو کر ہلاکو خان کے خلاف صف آراء ہونا ہے۔ بغداد اب تک فتح ہو چکا ہوگا اور وہاں ہلاکو نے جو قتل عام کیا ہوگا، اس کی مثال کہیں نہ ملے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب سامنے آنے والے سواروں میں سے ایک پھر بولا اور کہنے لگا۔

''یہ جو تمہارے ساتھ اتنے فالتو گھوڑے ہیں، یہ تم نے کہاں سے حاصل کیے؟ ان گھوڑوں کے ساز بتاتے ہیں کہ یہ گھوڑے، ان کے ساز اور ان پر لدا ہوا سامان منگولوں

کا ہے۔''

منصور بن احمد نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''میرے عزیز! تیرا کہنا درست ہے۔ جب ہم بغداد سے بھاگے تو منگولوں نے ہمارا تعاقب کیا۔ وہ تعداد میں کافی تھے لیکن ہم اتفاق اور تعاون کے ساتھ پلٹ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ سارے منگولوں کا ہم نے خاتمہ کیا اور یہ گھوڑے ہمارے ہاتھوں مرنے والے منگولوں ہی کے ہیں۔''

اس پر سامنے کی طرف سے آنے والوں نے صلاح مشورہ کیا، اس کے بعد ایک بولا اور کہنے لگا۔

''ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم تمہیں اپنے سردار لوئی تاشی اور نائب سالار یانگ خان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔''

چنانچہ منصور بن احمد اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ درے میں سے گزرنے کے بعد چند میل وہ آگے گئے، اس کے بعد ایک جگہ انہیں روک دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو جوان اور توانا اشخاص سامنے کی طرف سے نمودار ہوئے۔ قریب آ کر انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔ ان میں سے ایک فراتا تار قبیلے کا سردار لوئی تاشی اور دوسرا اس کا نائب یانگ خان تھا۔ لوئی تاشی جب اپنا اور اپنے نائب کا تعارف کروا چکا، تب منصور بن احمد اور اس کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بغداد میں جو تم پر گزری، میرا ایک ساتھی مجھے اس کی تفصیل بتا چکا ہے۔ تم نے منگولوں کے ایک لشکر پر حملہ آور ہو کر انہیں موت کے گھاٹ اُتارا اور ان کے گھوڑوں اور سامان پر قبضہ کر لیا اور تمہاری یہ کارگزاری ہمارے لئے اطمینان اور خوشی کا باعث ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم میں تمہارا کوئی سالار بھی ہے؟''

اس موقع پر منصور بن احمد نے ایک لمبا سانس لیا، پھر لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہم میں کوئی بھی امیر یا سردار نہیں ہے۔ ہم سب لشکری ہیں۔ اپنے سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد کے مارے جانے کے بعد اپنی جانیں بچا کر بھاگے تھے اور اب آپ لوگوں میں شامل ہو کر منگولوں اور ہلاکو کے لشکر کے خلاف حرکت میں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ہم جنگ کا ہنر بھی جانتے ہیں اور ہلاکو کے خلاف تم لوگوں کی طرف سے کوئی مہم نکلتی ہے تو ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں، تم کو مایوس نہیں کریں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد خاموش ہو گیا۔ اس موقع پر لوئی تاشی بول اٹھا اور کہنے لگا۔

"مجھے امید ہے، تم سب لوگ مسلمان ہو گے۔"

منصور نے پھر لوئی تاشی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم سب مسلمان ہیں۔"

لوئی تاشی نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

"میں خود مسلمان ہوں اور میرا نائب، یانگ خان بھی مسلمان ہے۔ ہمارے قراتا تار قبائل کے اکثر باشندے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ منگولوں کے خلاف برقائی خان بھی ہمارے ساتھ تعاون بلکہ ہماری مدد کر رہا ہے۔ وہ اور اس کے بہت سے لشکری اسلام قبول کر چکے ہیں اور ہم نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ جب کبھی بھی ہلاکو نے ہمارے درپے ہونے کی کوشش کی، ہم متحد ہو کر اس پر ضرب لگائیں گے۔ شاید تمہارے لئے یہ خبر نئی ہو کہ اس سے پہلے ایک بار ہم ہلاکو اور اس کے لشکر کو بدترین شکست دے چکے ہیں اور خداوند قدوس کو منظور ہوا تو آنے والے دور میں بھی اس کے مقدر کے قرطاس پر ہم ناکامیاں اور شکست ہی دیکھیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی رکا، پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"ابھی ہماری عسکری اور لشکری طاقت اس قدر نہیں ہے کہ ہم ان کوہستانی سلسلوں سے باہر نکل کر ہلاکو کا کھلے میدانوں میں مقابلہ کریں۔ اس بنا پر اس کوہستانی حصار کے اندر ہم اپنی طاقت اور قوت کو بڑھا رہے ہیں اور امید ہے، آنے والے دور میں ہلاکو خان اور اس کی قوت کے سامنے ہم ایک روز دفاع کا بند باندھنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

میرے کچھ ساتھی تمہیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ برقائی خان نے ہمارے لئے بہترین بستیاں آباد کر دی ہیں اور یوں جانو، ہمارا ایک شہر ہے، جسے برقائی خان نے آباد کیا ہے۔ اس کے اندر بازار اور دکانیں ہیں۔ بہت سی رہائش گاہیں ابھی تک خالی پڑی

ہیں۔ اس لئے کہ برقائی خان نے کافی حد تک فالتو رہائش گاہیں تعمیر کرا دی تھیں۔ لہٰذا میرے کچھ ساتھی آپ لوگوں کے ساتھ جائیں گے اور آپ لوگوں کی رہائش کا انتظام کریں گے۔ جب ہم اپنی ان کوہستانی رہائش گاہوں میں ہوتے ہیں تو ہر کوئی اپنا اپنا کھانے کا اہتمام کرتا ہے اس لئے کہ ہم میں سے اکثر اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جب ہم کسی مہم کے لئے نکلتے ہیں تو پھر مہم میں شامل ہونے والے سب لوگوں کے لئے اجتماعی طور پر کھانا تیار کیا جاتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے۔"

منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے لوئی تاشی اور یانگ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر لوئی تاشی کے کہنے پر اس کے کچھ آدمی منصور بن احمد اور اس کے ساتھیوں کو رہائش گاہیں دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

○○○○○

ایک روز قراتاتار قبائل کا سردار لوئی تاشی اور نائب سالار یانگ خان دونوں ایک درخت کے سائے تلے چٹان پر بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ان کے قبیلے کا ایک شخص بھاگا بھاگا آیا اور لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیر! خاقان برقائی خان ادھر آ رہے ہیں۔''

برقائی خان کی آمد کا سن کر لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک گہری سوالیہ سی نگاہ دونوں نے ایک دوسرے پر ڈالی، پھر جو شخص اطلاع دینے آیا تھا، اس کے ساتھ ہو لئے تھے۔

وہ تھوڑی دور ہی آگے گئے ہوں گے کہ سامنے کی طرف سے برقائی خان اپنے کچھ دستوں کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ جو اس کے ساتھ دستے تھے، وہ بھی اپنے گھوڑوں سے اُتر گئے۔ لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں سے وہ گلے ملا، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارے ہاں بغداد کے لشکروں کا نائب سپہ سالار منصور بن احمد آیا ہے۔ میں اسی سے ملنا چاہوں گا۔''

برقائی خان کے ان الفاظ پر لوئی تاشی نے سراسیمہ سے انداز میں یانگ خان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''خاقان! ہمارے ہاں تو بغداد کے لشکریوں کا نائب سالار منصور بن احمد نہیں آیا۔ قسم خداوند قدوس کی، بغداد کے دو سالار تو ایسے تھے کہ ان کے نام سنہری حروف

لکھے جانے چاہئیں۔ ایک فتح الدین داؤد جو بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ تھا۔ جس کے متعلق اب یہ بات پکی ہو چکی ہے کہ وہ جنگ کے دوران کام آ چکا ہے۔ اور دوسرا منصور بن احمد تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دشمن کے خلاف جنگوں میں منصور بن احمد، فتح الدین داؤد سے بھی زیادہ تیز اور طرار تھا اور اس کے تین اور ساتھی بھی تھے۔ ایک شرف الدین کردی اور دوسرا حسام الدین جو کندار اور چوتھا صالح بن اشرف۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی جب خاموش ہوا، تب برقائی خان کہنے لگا۔

''فتح الدین داؤد اور صالح بن اشرف سے متعلق اطلاع پہنچ چکی ہے کہ وہ دونوں شہید ہو چکے ہیں۔ منصور بن احمد سے متعلق مجھے میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ وہ تم دونوں کے قبیلے میں داخل ہو چکا ہے۔''

حیرت زدہ انداز میں لوئی تاشی پھر برقائی خان کو مخاطب کر کے بولا۔

''خاقان! اگر منصور بن احمد ہمارے ہاں آیا ہوتا تو قسم خداوند قدوس کی، میں اپنے قبائل کی امارت سے دست بردار ہو چکا ہوتا اور ان سارے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ منصور بن احمد کو مقرر کر دیتا۔ یانگ خان بھی یہ عہدہ چھوڑ دیتا اور منصور بن احمد کے ساتھیوں شرف الدین کردی، حسام الدین جو کندار میں سے کسی کو نائب سالار بنا دیا جاتا۔ لیکن یہاں تو منصور بن احمد آیا ہی نہیں۔ اس لئے کہ جس قدر لشکری بغداد سے یہاں پہنچے ہیں، ان سب کا کہنا تھا کہ وہ سب ہارے ہوئے لشکری ہیں۔ ان کا کوئی کماندار نہیں ہے اور وہ ہمارے ساتھ مل کر ہلاکو خان کے خلاف حرکت میں آنے کے آرزومند ہیں۔''

اس موقع پر برقائی نے کچھ سوچا، پھر لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اچھا تم ایسا کرو، بغداد سے جو لشکر تمہارے ہاں داخل ہوا ہے، ان میں سے کسی عرب کو بلا کر لاؤ۔''

اس پر یانگ خود ہی وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ساتھ ایک عرب لشکری تھا۔ برقائی خان نے پہلے بغور اس کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔

''دیکھ میرے عزیز بھائی! میں برقائی خان ہوں۔ مسلمان ہوں۔ تم جانتے ہوں گے۔ میری تم سے گزارش ہے کہ میں تم سے ایک سوال کروں گا۔ میرے اس سوال کا غلط جواب مت دینا اور جو کچھ میں پوچھوں، اسے چھپانے کی کوشش بھی مت کرنا۔''

اس پر وہ لشکری بولا اور کہنے لگا۔

’’خاقان! آپ پوچھیں کیا پوچھتے ہیں؟ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اور پھر جھوٹ بولنا میری عادت نہیں ہے۔‘‘

برقائی کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

’’اچھا یہ بتاؤ، تم سب بغداد سے نکل کر یہاں آئے ہو تو کیا تمہارے اندر تمہارا کوئی سالار بھی تھا؟ دیکھو، چھپانا مت۔ مجھے خبر ملی ہے اور میرے مخبروں نے یہ وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ بغداد کے لشکریوں کا نائب سپہ سالار منصور بن احمد بھی یہاں داخل ہو چکا ہے اور وہ اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ہے اور ایک عام لشکری کی حیثیت سے یہاں کام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دو بڑے سالار حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی بھی ہیں۔ میرے بھائی! بتاؤ، کیا منصور بن احمد تم لوگوں میں شامل ہے اور یہیں قیام کیے ہوئے ہے؟‘‘

وہ عرب لشکری جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک چاند کی انوار پیشانی اور تاروں کی پُرہجوم روشنی کی طرح ایک انوکھے جذبے اور آہنگ کے ساتھ ایک آواز سنائی دی۔ کوئی قریبی کوہستانی سلسلے کے اوپر قرآنِ مقدس کی تلاوت کرنے لگا تھا۔ شروع میں اس کا لہجہ دھیما تھا، بالکل محبت کی جوت جلاتی کرنوں کے نور اور ترانۂ سحر جیسی آہستگی اور دھیما پن تھا۔ پھر اچانک اس میں روانی اور اس کے آہنگ میں تیزی پیدا ہوئی اور اس کی آواز کھولتی موجوں کے تند ریلوں، رگ رگ میں تلاطم برپا کرتے طوفانوں اور ہر شے کے باطن میں ہلچل برپا کر دینے والے انداز اور زمانے کی دُوریوں تک کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے والے بے روک سیلِ محشر کی زور آوری کی طرح سنائی دی تھی۔ جن آیات کی وہ تلاوت کر رہا تھا، ان کا ترجمہ کچھ یوں تھا۔

’’اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، تمہیں رزق دیا۔ پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے میں کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام بھی کرتا ہو؟ پاک ہے وہ بہت بالا اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے انہیں ان کے بعد اعمال کا۔ شاید کہ وہ باز آجائیں۔‘‘

اس کے بعد تلاوت کرنے والی آواز میں شنگرفی صبح کے تبسم، حُسنِ مہتاب کی سی شیرینی اور حروفِ فسوں کی طرح ایک ٹھہراؤ اور دھیما پن آیا اور اس دھیمے پن میں وہ ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا:

’’ان سے کہو کہ زمین پر چل پھر کر دیکھو، پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔ ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔ پس اے نبی! اپنا رخ مضبوطی کے ساتھ جما دو اور دینِ راست کی سمت میں قبل اس کے وہ دن آئے کہ جس کے ٹل جانے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اُس دن لوگ پھٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا، اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے۔ اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا، وہ اپنے لئے ہی فلاح کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ اللہ ایمان لانے والوں اور عملِ صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا۔ یقیناً وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

یہاں تک پڑھنے کے بعد تلاوت کرنے والا تھوڑی دیر رُکا، پھر اس کی آواز فنا کر دینے والے فشارِ آتش، دہکتی شعلہ بار لہروں، نور کا جال بنتی کرنوں، تقدیر بدل دینے والی ملکوتی صداؤں کی طرح بلند ہوئی اور وہ کچھ اس طرح تلاوت کر رہا تھا۔

’’اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کے لئے اور تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرنے کے لئے اور اس غرض کے لئے کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں۔ اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔ اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے۔ پھر انہوں نے جرم کیا، ان سے ہم نے انتقام لیا اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔‘‘

تلاوت کرنے والے کی آواز ایک بار پھر بند صحیفوں، ان کھلے الفاظ، آوازوں کے دھیمے ترنم اور آہستگی کے شرف و امتیاز کی طرح دھیمی ہوئی اور اس دھیمے پن میں جو آیات اس نے تلاوت کیں، ان کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا۔

’’اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اُٹھاتی ہیں۔ اور پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر تُو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکتے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں

میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے نزول سے پہلے وہ مایوس ہو رہے تھے۔ دیکھو، اللہ کی رحمت کے اثرات کہ مُردہ پڑی ہوئی زمین کو کس طرح جلا اُٹھاتا ہے۔ یقیناً وہ مُردوں کو زندگی بخشنے والا ہے۔"

یہاں تک پڑھنے کے بعد تلاوت کرنے والا پھر رکا، دوبارہ اس کی آواز عظمت، بلندی کی معراج، پاک دامنی اور تقدس کے بلند ہوتے نشاناتِ سحر کی تازگی و طراوت عطا کرنے والی قوت اور جذب و کشش کے ارتقاء کی طرح بلند ہوئی اور وہ پھر تلاوت کر رہا تھا۔

"اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہم ایک ایسی ہوا بھیج دیں جس کے اثر سے وہ اپنی کھیتی کو زرد پائیں تو وہ کفر کرتے رہ جاتے ہیں۔ اے نبی! تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، نہ ان بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو جو پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہیں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر راہِ راست دکھا سکتے ہو۔ تم تو صرف اُنہی کو سنا سکتے ہو، جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، جو سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔"

آواز ایک بار پھر بے کراں فضاؤں میں ماورائے کہکشاں نجوم اور لوح و قلم کی پیشانی چومتے الفاظ اور معانی کی طرح دھیمی ہوئی، اس کے بعد تلاوت کرنے والے کی آواز برق و شرر کے کوندوں، نبض میں انقلاب برپا کرتے ستاروں کی چمکتی ضو اور طلسم کی جھنکار کی طرح بلند ہوئی۔ وہ پھر تلاوت کر رہا تھا۔

"اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت میں تمہاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی۔ پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب وہ ساعت برپا ہو گی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں۔ اس طرح دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے۔ مگر جو علم اور ایمان سے بہرہ مند کئے گئے تھے، وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تو تم روزِ حشر تک پڑے رہے ہو۔ سو یہ وہی روزِ حشر ہے۔ لیکن تم جانتے نہ تھے۔ پس اس دن ہو گا جس میں ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لئے کہا جائے گا۔ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا ہے۔ تم خواہ کوئی نشانی لے آؤ، جن لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا ہے، وہ یہی کہیں گے کہ تم باطل پر ہو۔ اس طرح ٹھپا لگا دیتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو بے علم ہیں۔ پس اے نبی! صبر کرو۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ہرگز ہلکا نہ پائیں گے تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے۔"

یہاں تک تلاوت کرنے کے بعد تلاوت کرنے والا خاموش ہو گیا تھا۔ جب تک وہ تلاوت کرتا رہا، اس وقت تک برقائی خان، لوئی تاشی، یانگ خان اور دوسرے لوگ سب چپ چاپ عقیدت مندی کے ساتھ وہ آواز سنتے رہے۔ جبکہ جس عرب کو بلا کر لایا گیا تھا، انہوں نے دیکھا، تلاوت سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس لئے کہ تلاوت کرنے والے کا انداز بالکل عربوں جیسا تھا اور اس نے اپنی موہ لینے والی آواز میں جس انداز میں تلاوت کی تھی اس سے وہ عرب لشکری پگھل کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ ہونٹ کاٹتا رہا، پھر برقائی خان، لوئی تاشی اور یانگ خان کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، آنکھیں اس نے خشک کیں۔ برقائی خان، لوئی تاشی، یانگ خان اور دوسرے سب بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ جب اس نے کسی قدر اپنے آپ کو سنبھالا، تب برقائی خان نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! میں نے تم سے ایک سوال کیا تھا لیکن بیچ میں کسی نے اس انداز میں تلاوت شروع کی کہ ہم سب اس کی آواز اور تلاوت کے الفاظ میں کھو گئے۔ اب جبکہ تلاوت کرنے والا خاموش ہو چکا ہے، بتا میرے بھائی! کیا منصور بن احمد تم لوگوں کے ساتھ یہاں آیا ہے؟"

اس موقع پر اس عرب نے ایک گہری نگاہ باری باری برقائی، لوئی تاشی اور یانگ خان پر ڈالی، پھر اپنی نگاہیں اس نے برقائی خان پر جمائیں اور کہنے لگا۔

"خاقان! ابھی جس شخص نے قرآنِ مقدس کی تلاوت کی، یہی تو منصور بن احمد ہے۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔ جس قدر اس کے ساتھی اور سالار یہاں داخل ہوئے ہیں، اس نے سب کو سمجھا دیا تھا کہ اس سے متعلق یہاں کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ قراتاتار کے سردار لوئی تاشی اور یانگ خان کے تحت ایک

عام اور معمولی لشکری کی حیثیت سے ہلاکو خان کے خلاف جنگ کرنا چاہتا ہے اور اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔''

اس عرب کے ان الفاظ پر لوئی تاشی اور یانگ خان دنگ رہ گئے تھے۔ پھر برقائی خان نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اس عرب لشکری کو مخاطب کر کے کہا۔

''کیا اس کے ساتھ اس کے کچھ دوسرے سالار بھی ہیں۔''

وہ عرب پھر بولا اور کہنے لگا۔

''اس کے ساتھ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی بھی ہیں۔''

برقائی خان نے سکون کا سانس لیا، پھر اس عرب لشکری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اچھا تم جاؤ اور تینوں کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ انہیں کہنا کہ برقائی خان ان تینوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی برقائی خان ایک قریبی چٹان پر بیٹھ گیا تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے لوئی تاشی، یانگ خان بھی وہاں بیٹھ گئے۔ جبکہ برقائی خان نے اپنے ساتھ آنے والے محافظ دستوں کو بھی بیٹھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ عرب لشکری لوٹا۔ اس کے ساتھ منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار تھے۔

تینوں جب قریب آئے، تب برقائی خان اپنی جگہ سے اٹھا۔ پہلے تینوں سے گلے ملا، پُرجوش انداز میں مصافحہ کیا، برقائی خان کی طرف دیکھتے ہوئے لوئی تاشی اور یانگ خان بھی ایسے ہی انداز میں ان سے ملے۔ یہاں تک کہ برقائی خان کچھ دیر تک تینوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس کی نگاہیں منصور بن احمد پر جم گئیں اور وہ کہنے لگا۔

''آپ کا حلیہ مجھے بتاتا ہے کہ آپ عرب ہیں۔ کیا تھوڑی دیر پہلے قریب کوہستانی سلسلے کے اوپر آپ ہی قرآنِ مقدس کی تلاوت کر رہے تھے۔

منصور بن احمد نے برقائی خان کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ تلاوت میں ہی کر رہا تھا۔''

اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے برقائی خان کہنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے آپ منصور بن احمد ہیں۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے دونوں

ساتھی سالار شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار ہیں۔ مجھے بے حد دکھ اور افسوس ہوا ہے کہ آپ ایک عام لشکری کی حیثیت سے ان کوہستانی سلسلوں میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ بغداد کے لشکریوں کے نائب سالارِ اعلیٰ تھے۔ آپ کی ایک حیثیت، آپ کا ایک مقام تھا۔ اس مقام کو فراموش کر کے آپ نے کیوں یہاں ایک معمولی لشکری کی حیثیت سے ہلاکو خان کے خلاف کام کرنے کا فیصلہ کیا؟''

برقائی خان کے یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے۔ یہی حالت شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کی تھی۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہنے لگا۔

''میں ایک ہارا ہوا، شکست خوردہ لشکری تھا۔ اس بنا پر یہاں آنے سے پہلے میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی پر اپنا آپ ظاہر نہیں کروں گا۔ ایک عام لشکری کی حیثیت سے لوئی تاشی اور یانگ خان کے تحت ہلاکو خان کے خلاف اپنے فرائض انجام دوں گا اب جبکہ آپ نے مجھے ظاہر کر دیا ہے، تب بھی میری یہی خواہش ہے کہ میں لوئی تاشی اور یانگ خان کے تحت کام کرتا رہوں۔''

جواب میں برقائی خان نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''بغداد کے سالاروں میں سے فتح الدین داؤد اور منصور بن احمد پر سب کو فخر اور ناز تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ تمہارے چند ساتھیوں کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے ہلاکو تم لوگوں کے خلاف کامیاب ہوا ورنہ جنگ کے پہلے حصے میں تم اور فتح الدین نے ہلاکو خان کو بدترین شکست دی تھی۔ اور وہ شکست اُٹھا کر بھاگا تھا اور شکست بھی اسے ذلت آمیز ہوئی تھی۔ میرے عزیز بھائی! ان کوہستانی سلسلوں کے اندر تمہاری حیثیت وہی رہے گی جو بغداد میں تھی اور حسام الدین جوکندار اور شرف الدین بھی اسی حیثیت سے یہاں رہیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد برقائی خان جب خاموش ہوا، تب لوئی تاشی برقائی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو اس موقع پر میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

برقائی خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں، تم کیا کہو گے۔ بہر حال منصور بن احمد کی موجودگی میں کہو۔ میں سننا پسند کروں گا۔"

لوئی تاشی آگے بڑھا۔ یانگ خان کو اس نے مخصوص اشارہ کیا، پھر دونوں نے اپنی کمر پر بندھی ہوئی سرخ چمڑے کی پیٹیاں جن کے اندر ان کی تلواریں اور خنجر تھے، وہ پیٹیاں کھول کر انہوں نے منصور بن احمد کے پاؤں میں ڈال دی تھیں۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے منصور بن احمد بدک کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس پر لوئی تاشی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"منصور بن احمد! آپ جتنا چاہیں پیچھے ہٹ جائیں۔ لیکن جو فیصلہ ہم نے خاقان برقائی خان کی موجودگی میں کیا ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔ میں اور یانگ خان دونوں فراتا تار قبائل کی سرداری اور نائب سرداری سے دست بردار ہوتے ہیں۔ ان کوہستانی سلسلوں میں جس قدر ہمارے جنگجو ہیں، سب کے کماندار اور سالار آج سے آپ ہیں۔ شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار دونوں آپ کے نائب ہیں۔ جبکہ میں اور یانگ خان ان دونوں کے بعد آپ کے نائب کی حیثیت سے کام کریں گے۔ میرے بھائی! یہ ایسا فیصلہ ہے، جسے تبدیل نہیں کیا جا سکے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے اس فیصلے کو جھٹلائیں گے نہیں اور جو کچھ میں نے کہا ہے، اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی رُکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے اُمید ہے، آپ کی کمان داری میں دشمنوں پر ہم خوب ضرب لگائیں گے اور انہیں شکست سے دوچار کریں گے۔"

لوئی تاشی جب خاموش ہوا، تب برقائی خان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ آگے بڑھا، اپنا ہاتھ اس نے منصور بن احمد کے شانے پر رکھا، پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔

"منصور بن احمد! آج سے تم یہاں کے سالارِ اعلیٰ ہو۔ دیکھو، ان دونوں نے اپنی پیٹیاں کھول کر تمہارے سامنے ڈال دی ہیں۔ اب تم ایسا کرو، آگے بڑھو۔ ان دونوں کی پیٹیاں ان کی کمر پر باندھو۔ اس طرح یہ بات پکی اور پختہ ہو جائے گی کہ ان علاقوں میں

تم سالارِ اعلیٰ اور سردار ہو اور یہ تمہارے ماتحت کام کرنے والے ہیں۔"

اس موقع پر ایک احتجاجی سی نگاہ منصور بن احمد نے برقائی خان پر ڈالی۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ برقائی خان نے نفی میں اُنگلی ہلائی، پھر بولا اور کہنے لگا۔

"ابنِ احمد! میرے بھائی! اس موقع پر کچھ نہ کہنا۔ جو فیصلہ لوئی تاشی نے کیا ہے، وہی آخری ہے۔"

اس پر منصور بن احمد آگے بڑھا۔ دونوں کی پیٹیاں اٹھا کر اس نے لوئی تاشی اور یانگ خان کی کمر سے باندھ دی تھیں۔ منصور بن احمد جب ایسا کر چکا، تب برقائی خان، لوئی تاشی اور یانگ خان نے خوشی کا اظہار کیا۔ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی بھی مسکرا رہے تھے۔ پھر منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے برقائی خان کہنے لگا۔

"اب تک میرے اور لوئی تاشی کے درمیان جاسوسوں کے ذریعے رابطہ اور واسطہ رہا ہے۔ جس وقت ہلاکو خان ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے آیا تو میرے مخبروں نے لوئی تاشی اور یانگ خان کو بھی اطلاع کر دی تھی۔ اس بنا پر یہ دونوں بھی حرکت میں آئے اور اس طرح ہم نے متحد ہو کر ہلاکو خان کو بدترین شکست دی۔ کیا تم اس سلسلے میں تبدیلی کرنا پسند کرو گے؟"

منصور بن احمد نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"اگر آپ کے اور اس کوہستانی سلسلے میں بسنے والی قوت کے درمیان مخبروں کے ذریعے رابطہ رہے تو پھر اس میں ایک دوسرے کو اطلاع دینے میں تاخیر ہو گی۔ میں چاہوں گا کہ آپ کے شہر برقائی سرائے اور فراتا تار قبائل کے درمیان جو کوہستانی سلسلے کی چوٹیاں ہیں، ان پر چوکیاں قائم کر دی جائیں۔ چوکیوں میں پہرہ دینے والے تبدیل ہوتے رہیں۔ چوکیوں پر ہر طرح کے جھنڈے ہوں۔ ایک سرخ رنگ کے، دوسرے ہرے۔ جب امن ہو، کوئی خطرہ نہ ہو تو ان چوکیوں پر ہرے جھنڈے لہراتے رہیں گے۔ اور جب خطرہ محسوس کیا جائے تو ان چوٹیوں پر سرخ پرچم لہرا دیئے جائیں۔ رات کے وقت تاریکی میں اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوتا ہے تو سرخ اور ہرے جھنڈے کام نہیں دے سکتے۔ لہٰذا ان چوکیوں میں ناقوس بجانے والے بھی ہونے چاہئیں۔ رات کے

وقت اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوتا ہے تو اگر پہلے آپ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے، آپ
طرف سے چوکیوں پر ناقوس بجتے ہوئے فراتا تار قبائل کی طرف آئیں گے اور
فراتا تار قبائل پہلے خطرے کو محسوس کرتے ہیں تو ان کی طرف سے ناقوس بجتے ہو
آپ کی طرف جائیں گے۔ یہ سارا کام چند لمحوں میں مکمل ہو جائے گا اور دشمن کے
خلاف ہم بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ حرکت میں آسکیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد خاموش ہوا، تب کچھ دیر تک برقائی خا
توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! جو تجویز تم نے پیش کی ہے، میں سمجھتا ہوں اس کا جواب
نہیں ہے۔ چونکہ اب تم فراتا تار قبائل ہی نہیں، ان سارے علاقوں کے سردار ہو۔ لو
تاشی اور یانگ خان نے اپنے ہاں ایک بیت المال کھول رکھا ہے جس سے نہ صر
لشکریوں کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں بلکہ ان کے ہاں جو ضرورت مند ہ
ان کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں لوئی تاشی اور یانگ خان تمہارے حوالے
کریں گے۔ اب کوہستانی سلسلوں پر چوکیاں قائم کرنا، ان پر ہرے سرخ جھنڈوں
اہتمام کرنا، ہر چوکی میں ناقوس بجانے والوں کا تعین کرنا منصور بن احمد! میرے بھائی!
یہ تمہارا کام ہے اور تم خود ہی اس کی تکمیل کرو گے۔ میں سمجھتا ہوں، اگر یہ کام ہو جا
تو پھر لمحوں کے اندر ہمارا آپس میں رابطہ ہو جایا کرے گا اور آنے والے دور میں ہم
انداز میں ہلاکو کے خلاف ضرب لگانے میں کامیاب ہو جایا کریں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد برقائی خان جب خاموش ہوا، تب لوئی تاشی بولا اور کہنے
لگا۔

"منصور بن احمد! ہمارے محترم! ہمارے سردار! اب تک آپ نے جن کمروں
اندر قیام کر رکھا ہے، اب وہاں آپ کا قیام نہیں ہو گا۔ آپ کے علاوہ حسام الد
جو کندار اور شرف الدین کردی تینوں......"

لوئی تاشی اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! میرے بھائی! میں نے تمہاری بات مان لی ہے۔ فراتا تار قبائل کی
سالاری قبول کر لی ہے، کیا اتنا ہی کافی نہیں ہے؟ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری رہائش گا

تبدیل کی جائیں۔ ہماری رہائش گاہیں ذرا فاصلے پر ہیں کیونکہ میں اور میرے ساتھی
اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ نہیں آئے، اکیلے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ایک طرف رہنا ہی اچھا
ہے۔ میں جانتا ہوں، بغداد میں میرے اہلِ خانہ کا خاتمہ کر دیا گیا ہو گا اور کوئی وہاں
زندہ نہیں بچا ہو گا۔ ہلاکو اگر یہ خیال کرتا ہے کہ ہم خاموش بیٹھے رہیں گے تو یہ اس کی
غلطی ہے۔ ہم اس کے خلاف حرکت میں آئیں گے اور وقتاً فوقتاً اسے نقصان پہنچاتے
ہوئے نہ صرف اسے اپنی موجودگی، اپنی قوت کا احساس دلائیں گے۔ بلکہ اس کے
عزیزوں کا قتلِ عام کر کے اسے بھی وہی دکھ پہنچائیں گے، جو دکھ اس نے بغداد پر حملہ
آور ہو کر ہمیں پہنچایا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد خاموش ہو گیا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا، برقائی
خان، لوئی تاشی اور یانگ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر برقائی خان بولا اور کہنے لگا۔

"منصور بن احمد! میرے بھائی! تھوڑی دیر تک عصر کا وقت ہو جائے گا اور آج ہم
سب نماز یہیں پڑھیں گے اور امامت آپ کروائیں گے۔"

منصور بن احمد مان گیا۔ تھوڑی دیر بعد کوہستانی سلسلوں کے اندر اذانوں کی آوازیں
بلند ہونا شروع ہوئیں۔ پھر سب ایک مسجد میں داخل ہوئے۔ مسجد کی دیواریں پکی پختہ
تھیں لیکن چھت مخروطی گنبدوں کی صورت میں بنائی گئی تھیں۔ یہ مخروطی گنبد موٹے
کپڑوں کے تھے لیکن ان پر چمڑے کی چادریں سی کر ان کو زیادہ مضبوط اور بارش سے
محفوظ کر دیا گیا تھا۔

سب مسجد میں داخل ہوئے۔ عصر کی نماز کی امامت منصور بن احمد نے کی۔ اس کے
بعد اس نے دعا مانگنا شروع کی۔

"اے اللہ! تُو ایک بے مثال اور بے نظیر آقا اور مالک ہے۔ میرے اللہ! بعض
تعصب کے سوداگر خواب عذاب داستانوں کی طرح ہم پر وارد ہونا شروع ہو گئے ہیں۔
کالے ذہن کے انسان ہمارے شہروں پر مسلسل عذاب لمحوں کی دستک دینا شروع ہو گئے
ہیں۔ ہمارے قلب کے آنگنوں میں زیست کے دکھ کی آگ برساتے ہوئے ہمارے
لئے موت کے نیزوں کی ہزاروں انیوں کا عذاب تیار کر رہے ہیں۔ اے اللہ! روح کے
تعلق کو تُو ہی بدن سے جوڑتا ہے۔ تُو زلزلوں سے شکستہ در و بام کو آباد کرتا ہے۔ صدیوں کو

لمحوں کے فاصلوں میں سمیٹ کر تُو ہی وقت کے فاصلوں میں سچائی کی کرنوں کے نقاب اُٹھاتا ہے۔"

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی آواز کپکپانے اور ڈوبنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا، وہ بڑی مشکل سے اپنے حلق کے اندر اپنی ہچکیوں، سسکیوں کو روک رہا ہو۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ آنے والے بہت سے لشکری رونے لگے تھے۔ کچھ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، کچھ کی ہلکی ہلکی چیخیں بلند ہو رہی تھیں کچھ سسک رہے تھے، کچھ اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھال رہے تھے۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد کی روتی ہوئی آواز پھر سنائی دی۔

"اے اللہ! وحشت پسند دشمن ہمارے تن من کو گھائل کر کے ہماری ہر سانس کو اذیت ناک، ہمارے ہر لمحے کو قیامت خیز بنا کر ہم پر موت کے سایوں کی طرح حاوی ہونے کے درپے ہے۔ ہمارے وجود کا رابطہ، ہمارے تن کا تعلق، ہماری برداشت اور صبر، ہماری چاہتوں کے اثر، ہماری جان کی راحتوں کو زندان کے عذاب میں بدل دینے کے درپے ہے۔ اے اللہ! رسولِ عربی (ﷺ) کی نبوت کے صدقے میں ہماری مدد فرما۔ اے اللہ! ہمیں ہمت، طاقت اور توفیق دے کہ ہم اپنے دشمنوں پر خشک پتوں کی خوف ناک آندھیوں، لمحوں کی سلگتی احادیث کی طرح وارد ہوں۔ ان کے تازہ منزل برسوں کی منجمد زیست میں بدل کر رکھ دیں۔ میرے اللہ! ہمیں ہمت دے کہ ہم دشمن کے عزم کو مفلوج، ان کی زبان کو گنگ اور ان کے پاؤں کو شکستہ کر دیں۔ اے غفور و رحیم اے رحمان و قیوم! ہماری مدد فرما۔ اس لئے کہ ہم تم سے مانگتے ہیں۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت تم ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما اے اللہ! ہماری مدد فرما۔ اے اللہ! ہم ہر سمت سے مایوس ہو کر تیرے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ میرے اللہ! ہماری نصرت فرما۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ جبکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے اکثر رو رہے تھے اور کچھ اپنی آنکھیں خشک کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب منصور بن احمد اپنی جگہ

اٹھا، تب سب نمازی اُٹھ کر بڑے پُرجوش انداز میں اُس سے مصافحہ کرنے لگے تھے۔ سب سے پہلے برقائی خان، لوئی تاشی اور یانگ خان نے مصافحہ کیا تھا، پھر مصافحہ کرنے والوں کا ایک تانتا سا بندھ گیا تھا۔

اس موقع پر برقائی خان، منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے بے حد خوشی اور مسرت ہو رہی ہے کہ میں آپ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ ورنہ آپ ایک گمنام لشکری کی حیثیت سے ہی ان کوہستانی سلسلوں کے اندر پڑے رہتے جو حالات کی بڑی ستم ظریفی ہوتی۔ میں اب جاتا ہوں اور کسی روز آپ کو اور آپ کے سالاروں کو اپنے شہر سرائے برقائی میں منگواؤں گا اور آپ لوگوں کی عمدہ اور شاندار دعوت کا اہتمام کروں گا۔"

اس کے ساتھ ہی برقائی خان اپنے محافظ دستوں کے ساتھ کُوچ کر گیا تھا۔

○○○○○

سرما اپنے عروج پر آ گیا تھا۔ کوہستانی سلسلوں کے اندر برف پڑنا شروع ہو
تھی۔ ایسے میں فراتا تار قبائل کا ایک مخبر، کوہستانی سلسلوں میں داخل ہوا۔ سیدھا ا
مکان کی طرف گیا، جس میں منصور بن احمد کی رہائش تھی۔ اس وقت ایک کمرے
منصور بن احمد، شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار، لوئی تاشی، یانگ خان اور
دوسرے چھوٹے بڑے سالار بیٹھے اپنی طاقت اور قوت کو مزید مستحکم اور مضبوط کرنے
گفتگو کر رہے تھے کہ وہ مخبر کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا۔

اسے دیکھتے ہی منصور بن احمد نے اسے اندر بلایا، اپنے قریب بٹھایا، پھر ا
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر تمہارے پاس کوئی اچھی خبر ہو تو کہو۔"

اس پر مخبر کہنے لگا۔

"امیر! میرے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ بہر حال بغداد میں تباہی اور بربادی
کھیل کھیلنے کے بعد ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ اب میافارقین شہر پہنچا ہے۔ شہر
ہٹ کر اس نے پڑاؤ کیا ہے اور اب وہ شہر کا محاصرہ کر کے شہر پر حملہ آور ہونے کے
شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بعد بغداد میں جو کچھ نقصان ہوا تھا
کی تفصیل اس مخبر نے کہہ دی تھی۔

یہ سب کچھ سننے کے بعد تھوڑی دیر تک منصور بن احمد چپ چاپ، اُداس اور ا
بیٹھا رہا، پھر باری باری ایک غائر نگاہ اس نے شرف الدین کردی، حسام

جوکندار، لوئی تاشی اور یانگ خان پر ڈالی۔ پھر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے
کہنے لگا۔

"لوئی تاشی اور یانگ خان! میرے دونوں عزیز بھائیو! اس وقت جو منصوبہ بندی
میرے ذہن میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ میں لشکر کا ایک حصہ لے کر یہاں سے نکلوں گا۔
شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار میرے ساتھ ہوں گے۔ میرے بھائی! آپ
اور یانگ خان دونوں یہاں رہیں گے۔ اس لئے کہ اپنی اس آماجگاہ کو غیر محفوظ نہیں
چھوڑا جا سکتا۔ ہم تینوں مناسب موقع جان کر ہلاکو خان پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ
زندگی بھر یاد رکھے گا۔ ہم اب ہلاکو خان کے خلاف ایسی چھاپہ مار جنگ کی ابتدا کریں
گے کہ اس کا نام سن کر اگر لوگوں پر خوف طاری ہوتا ہے تو ہمارا نام سن کر اس کے جسم پر
لرزہ طاری ہو جایا کرے گا۔ میرے بھائی! میں میافارقین شہر کے نواح میں ہی ہلاکو خان
پر ایسی ضرب لگاؤں گا جو اس کے لئے یادگار رہے گی۔ میرے خیال میں میرے ساتھ
آؤ تاکہ لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دیں اور اس مخبر کے ساتھ میں آج ہی لشکر کا ایک حصہ
لے کر میافارقین کا رخ کروں گا۔"

چنانچہ سب منصور بن احمد کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لشکر کی تقسیم کو آخری شکل
دی گئی۔ پھر اسی روز عشاء کی نماز کے بعد منصور بن احمد نے اپنے کوچ کی تیاری کو
آخری شکل دی۔ اس وقت فضاؤں میں برف باری ہو رہی تھی۔

لشکر جب مستقر سے باہر نکل کر کوچ کے لئے بالکل تیار کھڑا ہوا، تب برف باری
میں منصور بن احمد ایک بلند ٹیلے پر چڑھا، ایک عاجزی اور انکساری بھری نگاہ سے اس
نے آسمان کی طرف دیکھا، پھر پتھریلی زمین پر بیٹھا، سجدہ ریز ہوا۔ جس وقت وہ سجدے
میں گیا تھا، اس وقت شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار، لوئی تاشی، یانگ خان
اور کچھ دوسرے سالار اس کے پاس آن کھڑے ہوئے تھے۔ سجدے میں جانے کے بعد
بڑی رقت آمیز آواز میں منصور بن احمد دعا مانگ رہا تھا۔

"اے اللہ! اے مالک مہربان! ہماری نااتفاقی نے ہمیں سنگ دل، ناموافق
موسموں، بے روک سیل فنا اور ناآسودگی کے گرم سرابوں کا شکار کیا اور اب ہماری
حالت دکھ کے راستوں کے مسافروں کی سی ہے۔ اے اللہ! ہماری نااتفاقی نے

ہمیں غم کی عقوبت گاہوں، وقت کی سرمئی آہٹوں میں نگاہوں کو حزیں کرتے خوف
ناک قہر بھرے مناظر میں گرا دیا ہے۔ اے ربِ دو جہاں! تُو محنتوں کا حاصل
محبتوں کا ثمر عطا کرنے والا ہے۔ تُو ہی کوہستانوں کے جگر شق کرتا ہے، دریاؤں
رخ موڑتا ہے، تپتے صحراؤں کے ذرّے ذرّے اور کھولتے بحر کے قطرے قطرے
میں پنہاں احوال کو جانتا ہے۔ اے ہمارے معبود! ہمارے اپنوں نے دفاع کے
ہمارے سارے منصوبے نقش پر آب کی طرح مٹا دیئے ہیں۔ ہمارے اپنوں نے
ہماری تلواروں کے دستوں کو بیکار، ہمارے ترکش کو تیروں سے خالی کر دیا ہے۔ اے اللہ
اس زمین پر اپنی نااتفاقی، اپنی نااہلی کی وجہ سے ہم کرب کی تیرگی، شوریدہ بختی کے لمحوں
ہوش و حواس کی گمراہی اور درد کی وادیوں میں کرب کی تیرگی اور نا آسودگی کا شکار ہو چکے
ہیں۔

اے اللہ! ہمارے دشمن طوفانوں کے بے روک خروش، خون میں مرگ کی تلخی گھولتی
طغیانیوں کے چڑھتے مرحلوں کی طرح ہم پر وارد ہو چکے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں توفیق
دے کہ ہم اپنے دشمن کی شریانوں میں انتقام کے نشتر، شکست و ریخت کے سلسلے بھرنے
میں کامیاب ہو جائیں۔ اے اللہ! ہمیں ہمت دے کہ ہم برستے لپکتے شعلوں کی طرح
اپنے دشمنوں کی جسم و جان کی ساری شادابی چھین کر اسے شکست و ریخت سے دوچار
کریں۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما کہ ہم دشمن کو ان گنت اکائیوں میں تبدیل کر کے اپنی
سرزمینوں سے نکال باہر کریں۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما۔ اے خالقِ مہربان! ہم پر اپنی
نگاہِ کرم رکھ۔"

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد خاموش ہو گیا۔ وہاں کھڑے سالار اس کی
ہچکیاں سسکیاں تک سن رہے تھے۔ کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا، برف پڑتی رہی۔ منصور
بن احمد دعا مانگتا رہا اور وہاں کھڑے باقی سالار اپنی نم ناک آنکھوں سے اس کی طرف
دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد اُٹھ کھڑا ہوا، اپنی آنکھیں اس نے خشک کیں
پھر لوئی تاشی اور یانگ خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے دونوں بھائیو! میں اپنے لشکر کے ساتھ اب کوچ کرتا ہوں۔ ہمارے لیے
بالکل تیار، مستعد اور چوکس رہنا۔"

اس کے ساتھ ہی سب ٹیلے سے نیچے اُترے۔ پھر منصور بن احمد اپنے گھوڑے پر
سوار ہوا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ کوہستانِ قپچاق کے ان سلسلوں سے کوچ کر گیا تھا۔

○○○○○

میافارقین شہر سے لگ بھگ پندرہ میل کے فاصلے پر منصور بن احمد نے اپنے لشکر کو
رک جانے کا اشارہ دیا۔ اس کے حکم پر جب لشکر رک گیا، تب شرف الدین کردی اور
حسام الدین جوکندار اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ پھر شرف
الدین کردی، منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! کوئی خاص وجہ ہے کہ آپ نے لشکر کو روک دیا؟"

اس پر منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

"وہ سامنے دیکھو، جو سوار آ رہے ہیں وہ ہمارے مخبر ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ
کوئی اچھی خبر لے کر آئیں گے۔"

منصور بن احمد کے یہ الفاظ سن کر حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کے
علاوہ وہاں جو دوسرے سالار کھڑے تھے، وہ خوش ہو گئے تھے۔ پھر سامنے کی طرف سے
آنے والے دونوں سوار قریب آ گئے۔ منصور بن احمد بڑے غور سے ان کی طرف دیکھ رہا
تھا۔ قریب آ کر ان میں سے ایک منصور بن احمد کو مخاطب کر کے بولا۔

"امیر! ہلاکو خان نے اپنے لشکر کے ساتھ میافارقین کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ یہ محاصرہ
دن رات جاری رہتا ہے۔ بدل بدل کر لشکری آتے ہیں اور محاصرے میں شامل ہوتے
ہیں اور شہر سے لگ بھگ ڈیڑھ میل کے فاصلے پر انہوں نے اپنا پڑاؤ قائم کر رکھا ہے
تاکہ شہر کی فصیل سے چلائے جانے والے تیر وہاں نہ پہنچیں اور نہ ہی کسی دوسرے
دروازے سے نکل کر مسلمانوں کا کوئی لشکر اس کے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر نقصان پہنچانے
کی کوشش کرے۔"

وہ مخبر یہاں تک کہنے کے بعد جب رکا، تب منصور بن احمد کے چہرے پر بڑی
خوشگوار طمانیت اور خوشی پھیلی تھی۔ پھر شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کی

طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''ان دونوں بھائیوں نے جو خبریں دی ہیں، انہوں نے ہمارا کام کسی حد تک آسان کر دیا ہے بلکہ بہت حد تک آسان کر دیا ہے۔ اب ہم اس قابل ہیں کہ ہلاکو خان کے لشکر پر ایک ایسا شب خون ماریں جو ہلاکو خان ہی نہیں، اس کے لشکر کو بھی ہلا کر رکھ دے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر وہ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے دونوں بھائیو! غور سے سننا۔ میں جو کچھ کہنے لگا ہوں، یوں جاننا اسی میں ہماری کامیابی اور فتح مندی پنہاں ہے۔ کچھ دیر تک ہم یہاں رک کر سورج غروب ہونے کا انتظار کریں گے، پھر آگے بڑھیں گے۔ دس میل کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد لشکر کے تین حصے کر دیئے جائیں گے۔ ایک حصہ حسام الدین کے پاس، دوسرا شرف الدین کے پاس، تیسرا میرے پاس رہے گا۔ شرف الدین! اور حسام الدین! تم دونوں مجھ سے علیحدہ ہو کر دائیں بائیں ہٹ جاؤ گے، جبکہ میں آگے بڑھوں گا اور ہلاکو خان کے پڑاؤ پر حملہ آور ہوں گا۔ میرا سب سے بڑا مقصد یہ ہو گا کہ پڑاؤ میں جو اس وقت منگول آرام کر رہے ہوں گے انہیں موت کے گھاٹ اتار دوں اور اپنے لشکریوں سے کہوں کہ پڑاؤ میں سے ہر وہ چیز جو کام کی ہو، جسے وہ آسانی سے اپنے گھوڑوں پر لاد سکتے ہوں، لاد لیں۔ اس کے بعد پڑاؤ کو آگ لگا دی جائے گی۔

جہاں تک تم دونوں کا تعلق ہے تو میرے ہی ساتھ تم دونوں بھی اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ہلاکو خان کے پڑاؤ کے دائیں بائیں طرف سے حملہ آور ہو کر منگولوں کا قتل عام کرو گے۔ اس طرح تمہارے لشکری بھی جو کام کی چیز ہاتھ لگے، اسے اپنے گھوڑوں پر لاد لیں گے۔ یہ ساری کارروائی کرنے کے بعد میں پلٹوں گا اور واپسی کا سفر اختیار کروں گا۔ تم دونوں میرے ساتھ شامل نہ ہونا، ایک دم حرکت کرتے ہوئے مجھ سے دائیں بائیں ذرا فاصلہ رکھ کر پیش قدمی کرنا۔

دیکھو، جب ہلاکو خان کے لشکری اور سالار اپنے پڑاؤ میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھیں گے تو وہ میافارقین پر رات کے وقت حملہ آور ہونے کے سلسلے کو موقوف

کر دیں گے، اپنے پڑاؤ کی طرف بھاگیں گے۔ اس وقت تک ہم اپنا کام مکمل کر کے واپسی اختیار کر چکے ہوں گے اور مجھے اُمید ہے، ہلاکو اپنے لشکر کا ایک حصہ ہمارے تعاقب میں ضرور بھیجے گا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے اور میں نے اندازہ لگایا کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے، تب میں اپنی رفتار کچھ دھیمی کروں گا تاکہ منگول میرے نزدیک پہنچ جائیں۔ اور جب میری طرف سے تکبیریں بلند ہوں تو تم مستعد ہو جانا۔ پھر یاد رکھنا، یہ ساری کارروائی ہلاکو خان کے لشکر سے لگ بھگ دس میل دور جا کر کرنی ہو گی تاکہ جو منگول ہمارے تعاقب میں آئیں گے، ان کو ہلاکو خان اپنے پڑاؤ سے مدد نہ بھیج سکے۔

دس میل دور جانے کے بعد جب میری طرف سے تکبیروں کی آوازیں سنائی دیں، تب شرف الدین اور حسام الدین! تم دائیں بائیں سے تعاقب کرنے والے منگولوں کے لشکر پر حملہ آور ہو جانا اور تمہارے ساتھ ہی ساتھ میں بھی پلٹوں گا اور سامنے کی طرف سے منگولوں پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ اس طرح تعاقب کرنے والوں میں سے کسی منگول کو بچنا نہیں چاہئے، سب کا قتل عام کر دینا چاہئے۔ جب ہم ایسا کر چکیں گے، تب اپنی پوری رفتار سے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنی منزل کا رخ کریں گے۔''

شرف الدین اور حسام الدین دونوں نے منصور بن احمد کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں قیام کر لیا۔

مغرب اور عشاء کی نماز انہوں نے وہیں ادا کی، پھر لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد وہ ہلاکو خان کے پڑاؤ کی طرف بڑھے تھے۔

سب سے پہلے منصور بن احمد نے اپنے کام کی ابتدا کی اور تاریکی میں ڈوبی فضاؤں میں نفس نفس میں موت کے پیغام بھرتے طوفانوں، بدنوں کو شکن شکن کر دینے والے قیامت آشنا لمحوں، زندگی کے کشکول میں ان دیکھے اندیشے، درد کے اذیت ناک لمحات بھر دینے والی بھوکی کالی سرگرداں آندھیوں، آلام کے گھواروں کی خلش، نفرت کی کھولتی جوالا بھر دینے والی خاموش آتشِ سیال کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس کے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی دائیں بائیں جانب سے شرف الدین اور حسام الدین بھی اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ہلاکو خان کے پڑاؤ پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ پھر پڑاؤ کے اندر جس قدر منگول تھے، لمحوں کے اندر ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا

گیا۔ اس کے بعد ہلاکو کے لشکر سے منصور بن احمد کے لشکریوں کو جو بھی ضرورت کی چیز
ملی جن میں کھانے پینے کی بھی اشیاء تھیں، وہ سب انہوں نے اپنے گھوڑوں پر لاد لیں۔
اس کے بعد چاروں سمت سے پڑاؤ کو آگ لگانے کے بعد منصور بن احمد وہاں سے ہٹا
اور واپسی کا سفر اختیار کیا۔ شرف الدین اور حسام الدین بھی وہاں سے ہٹے اور ذرا دائیں
بائیں ہٹ کر وہ بھی واپس جا رہے تھے۔

○○○○○

دوسری طرف ہلاکو خان نے اپنے لشکر کے ساتھ رات کے وقت میافارقین کا محاصرہ
کر رکھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ رات کے وقت میافارقین کے مسلمانوں کو جُل دے کر شہر پر
قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ جب اُس نے اور اُس کے لشکریوں نے دیکھا کہ
ان کے پڑاؤ کے اندر آگ کے شعلے اُٹھ رہے ہیں، تب ہلاکو خان نے میافارقین کا
محاصرہ ترک کر دیا۔ پورے لشکر کو لے کر وہ بڑی تیزی سے اپنے پڑاؤ کی طرف گیا۔ اس
نے دیکھا، پڑاؤ میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ ایک طرف ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ
اور لشکر میں شامل دوسری ان گنت عورتیں سہمی سہمی کھڑی تھیں اس لئے کہ منصور بن احمد
اور اس کے لشکریوں نے کسی عورت کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ باقی سب کو انہوں نے
موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

ہلاکو خان جب وہاں پہنچا تو دوقوزہ اس کے قریب آئی۔ قبل اس کے کہ ہلاکو خان
کچھ پوچھتا اور جانتا کہ یہ کیا ہوا ہے کہ دوقوزہ پہلے ہی بول پڑی اور کہنے لگی۔

"مسلمانوں کا ایک لشکر نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا۔ اس نے ہمارے پڑاؤ پر
شب خون مارا۔ انہوں نے تین اطراف سے شب خون مارا۔ انہوں نے ہمارے پڑاؤ
سے ضرورت کی چیزیں لوٹ لیں، اپنے گھوڑوں پر لاد لیں۔ پڑاؤ کے اندر ہمارے
جس قدر لشکری تھے، ان کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر کام کی چیزیں
اپنے گھوڑوں پر لاد کر وہ یہاں سے شمال مغرب کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اور ستم
بات انہوں نے یہ کی ہے کہ اپنے ساتھ وہ کیتھرائن اور سیمر کو بھی پکڑ کر لے

گئے ہیں۔"

اپنی بیوی دوقوزہ کے یہ الفاظ سن کر ہلاکو کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس
نے ایک لشکر علیحدہ کیا اور اسے منصور بن احمد کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

○○○○○

دوسری طرف منصور بن احمد بھی بڑا مستعد اور تیار تھا۔ چاہتا تھا کہ تعاقب کرنے
والے جلد اس کے قریب پہنچیں۔ چونکہ اس نے اپنی رفتار تیز نہیں رکھی ہوئی تھی، لہٰذا
اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ آٹھ سے دس میل کی دوری کے فاصلے پر منصور بن احمد نے
اپنے پیچھے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنیں جس پر وہ مزید سنبھل گیا۔ جب اس
نے دیکھا کہ تعاقب کرنے والے منگول قریب آ گئے ہیں، تب اس نے زوردار
آوازوں میں تکبیریں بلند کیں۔ ان تکبیروں کے ساتھ ہی پہلے دائیں جانب سے
شرف الدین کردی اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور منگولوں کے پہلو پر وہ ویران
دلدلوں کی سرخ آندھیوں، دل کی بستیاں ویران کرتے جھکڑوں، دل و جان کی
ساری شادابی چھین لینے والے قضا کے ان گنت جھکڑوں، شریانوں میں نشتر اُتار کر
جسم و جان کی ساری شادابی مٹا دینے والے سنگ دل اور ناموافق موسموں کی طرح
حملہ آور ہو گیا تھا۔

شرف الدین کردی کے ساتھ ساتھ حسام الدین جو کندار بھی اپنے حصے کے لشکر کے
ساتھ نمودار ہوا اور وہ بھی کڑکتی برق، گرجتے ابر، غم کی طغیانیوں کی طرح پیش قدمی
کرتے ہوئے منگولوں پر خونی حسد کے نگار خانوں میں وحشتوں کے ان گنت باب کھولتی
بل کھاتی مرگ کی دستکوں اور نگر نگر، قریہ قریہ بھٹکتی بے چین روحوں کی طرح حملہ آور ہو
گیا تھا۔

آخر میں سامنے کی طرف سے منصور بن احمد بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دہکتی
شعلہ بار آنکھوں والے کڑے وقت کے ہمراز کی طرح پلٹا، پھر وہ زمین کا کمر بند پکڑ کر
ہلا دینے والے نقیبوں، آسمان پر کمند ڈالنے والے مجاہدوں، نفرت کی تلخیوں میں لرزاں

خیالات کو توڑ دینے والے سنگریزوں کی بارش اور قضا کے کھولتے جبر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

کچھ دیر اُن میدانوں میں وقت کی بے کل لہروں کی طرح دشمنی کی آگ بھڑکتی رہی۔ آسمان پر بادلوں کی کشتیوں کی طرح زمین پر مرگ کی پرچھائیاں پھیلتی رہیں، روحیں موت کی تاریکی میں ڈوبتی رہیں، جوان جذبوں کی طغیانیاں دل کے دریچوں میں موت بانٹتی رہیں۔ نگاہوں کی تسکین، دل و جان کی راحت پامال ہوتی رہی۔ زندگی کے پیالوں میں زہر گھلتا رہا، ابتلاؤں کے بلاخیز بحر رقص کرتے رہے۔

یہاں تک کہ منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے منگولوں کے گرد گھیرا ڈال کر ایک طرح سے ان کا قتل عام کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند ایک کے سوا کسی منگول کو وہاں سے بھاگنا نصیب نہ ہوا۔ تاہم منگولوں کے لشکر کی جو کمانداری کر رہا تھا، وہ کماندار پہلے ہی اپنی جان بچا کر بھاگ چکا تھا۔ لہٰذا اس کے پیچھے کچھ لشکری بھی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ اس طرح منگولوں کو شکست دینے کے بعد منصور بن احمد اب بڑی تیزی سے اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق کا رخ کر رہا تھا۔

ooooo

اگلے روز کا سورج جب طلوع ہوا تو منصور بن احمد کے حصے سے جو منگول لشکری اور ان کے سالار بچ گئے تھے، وہ واپس پڑاؤ میں پہنچے۔ منگولوں کے اس لشکر کی کمانداری اس وقت ہلاکو خان کا سالار آیچل قاچار کر رہا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ آیچل قاچار، ہلاکو کے بڑے نامور اور تجربہ کار سالاروں میں سے ایک تھا۔ بہر حال یہ ناکام رہا۔ جب یہ ہلاکو کے سامنے پہنچے اور آیچل قاچار کے ساتھ زخمی ہونے والے منگول بھی ہلاکو کے سامنے آئے، تب ہلاکو کچھ دیر تک جواب طلب سے انداز میں اپنے نامور اور ہر دل عزیز سالار آیچل قاچار کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

"قاچار! کیا بات ہے؟ میں دیکھتا ہوں، تمہارا چہرہ اُترا ہوا ہے۔"

اس پر آیچل قاچار دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"مالک! دشمن، جس سے ہمارا پالا پڑا ہے، لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ ہمارے پڑاؤ کو نقصان پہنچانے، اسے آگ لگانے کے بعد وہ شمال مشرق کے رخ پر بھاگا۔ اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ دو حصے دائیں بائیں رہے، خود وہ سامنے کی طرف علیحدہ رہا۔ میں نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ چاہتا تھا کہ اس کا اور اس کے سارے لشکریوں کا خاتمہ کر دوں کہ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس کے دو لشکر جو دائیں بائیں تھے، وہ اچانک میرے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور ہمارے لشکریوں کا انہوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ اتنی دیر تک سامنے سے ان کا بڑا سالار بھی ٹوٹ پڑا۔ میں نے اپنے لشکر کو سنبھالا دینے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کے حملہ آور ہونے کا انداز ایسا خوف ناک تھا کہ میرے لشکری ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے سب کا قتل عام کر دیا اور میں اپنے چند گنتی کے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

آیچل قاچار جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ پھر دوبارہ وہ آیچل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز! کیا تُو جانتا ہے کہ ہم پر یہ شب خون مارنے والے کون تھے؟"

جواب میں آیچل بولا اور کہنے لگا۔

"جو کچھ میرے ساتھ آنے والے شکست خوردہ لشکریوں نے بتایا ہے، اس کے مطابق تو یہ وہی سالار ہے جو اپنے کچھ ساتھیوں اور لشکریوں کے ساتھ بغداد سے بھاگا تھا۔ ہم نے ایک لشکر اس کے تعاقب میں لگایا تھا لیکن اس لشکر کا اس نے خاتمہ کر دیا تھا اور آج ہمارے ایک اور لشکر کو اس نے نقصان پہنچایا۔ مسلمانوں کے اس سالار کا نام منصور بن احمد ہے۔ اور کبھی یہ بغداد کا نائب سپہ سالارِ اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو نامور ساتھی سالار بھی ہیں۔ ایک کا نام حسام الدین جوکندار ہے، یہ ترک ہے۔ دوسرا شرف الدین کردی اور اس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ وہ کرد ہے۔ جبکہ منصور بن احمد، عرب ہے۔"

آیچل قاچار جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان پھر بولا اور کہنے لگا۔

"کیا وہاں تمہیں کیتھرائن اور سیمر کہیں دکھائی نہیں دیں؟...... دوقوزہ نے مجھے بتایا تھا کہ حملہ آور کیتھرائن اور سیمر کو بھی اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

اس پر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے آنچل کہنے لگا۔

"مجھے تو ان کے اندر کوئی عورت اور لڑکی دکھائی نہیں دی۔ ہو سکتا ہے، کیتھرائن اور سیمر دونوں کہیں چھپ گئی ہوں۔"

جواب میں ہلاکو خان نے سر کو جھٹکا دیا، نفرت کا اظہار کیا۔ پھر اس نے اپنے لشکریوں کو آرام کرنے کا حکم دیا تھا۔

OOOOO

منصور بن احمد کے جن لشکریوں نے منگولوں کے پڑاؤ سے کیتھرائن اور سیمر کو اٹھایا تھا، وہ منصور سے پہلے ہی کوہستانِ قپچاق میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ منگولوں کے اس لشکر سے بھی نہیں ٹکرائے تھے، جو تعاقب میں نکلا تھا۔ ان دونوں لشکریوں نے کوہستانِ قپچاق کے اپنے ٹھکانوں کے اندر کیتھرائن اور سیمر کو ایک کمرے میں رکھا۔ پہلے ان دونوں کی خوب تواضع کی۔ جب وہ کھا پی چکیں، تب کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے فراتا تار قبیلے کا وہ لشکری کہنے لگا۔

"جہاں تک میرا خیال پڑتا ہے، تم آرمینیا کے بادشاہ حیثون کی بیٹی ہو اور تمہارے ساتھ جو دوسری لڑکی ہے، اس کا نام سیمر ہے اور یہ ہلاکو کی بیوی دوقوزہ کی بہن ہے۔ تم دونوں کے حُسن اور خوب صورتی کے بڑے چرچے تھے لیکن اب......"

یہاں تک کہتے کہتے اس لشکری کو رک جانا پڑا اس لئے کہ کیتھرائن نفرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم نے ہم دونوں کو اٹھا کر یہاں لانے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ ہلاکو کو جب خبر ہو گی کہ ہم دونوں کو زبردستی اٹھا کر یہاں بند کر دیا گیا ہے تو یاد رکھنا، وہ تمہارے اس شہر پر حملہ آور ہو گا، پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا اور یہاں رہنے والے سب لوگوں کا قتل عام کر کے سب کا پکی ہوئی فصل کی طرح صفایا کرتا چلا جائے گا۔"

اس پر وہ لشکری بولا اور کہنے لگا۔

"ہم نے تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ہم تم دونوں کو ایک خاص مقصد کے

تحت یہاں لائے ہیں۔“

اس پر اس بار سیمر بولی اور کہنے لگی۔

”لیکن تم ہمیں یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟ ہمیں یہاں لا کر تم نے ایک طرح سے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اور اگر تم نے ہمیں ہماری عزت، ہماری آبرو سے محروم کرنا چاہا تو یاد رکھنا، ہلاکو وہ شخص ہے کہ یہاں کے کسی باشندے کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔“

جواب میں لشکری بولا۔

”تم دونوں جانتی ہو کہ ہلاکو نے بغداد کے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ تمہارے اس درندہ صفت ہلاکو نے بغداد شہر کے اندر بغداد کے لوگوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹا۔ کئی لاکھ کی تعداد میں لوگ مقتول ہوئے۔ شہر کی خندق اُن لاشوں سے ہموار ہو گئی۔ دریائے دجلہ کا پانی ان مقتولوں کے خون کی کثرت سے سرخ ہو گیا۔ ان گنت عورتیں قتل ہوئیں، بے شمار اپنی عزت سے محروم ہو گئیں۔ اور اس کے علاوہ اس نے شہر کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ یہ ساری کارروائیاں، یہ ساری بربادی اور شکست و ریخت تم دونوں کی موجودگی میں ہوئی اور تم نے یہ بربادی اور تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو گی۔ اس کے باوجود تم یہ کہتی ہو کہ اگر تمہیں بے آبرو کیا گیا تو ہلاکو ایک طوفان کھڑا کر دے گا۔ ہلاکو کی ایسی تیسی، اگر وہ ادھر آیا تو ہم اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ پر جو غلط فہمی تمہارے ذہنوں میں بیٹھی ہے، پہلے میں وہ دُور کر دوں کہ تمہاری عزت، تمہاری آبرو ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم دونوں کی حیثیت ہمارے ہاں اچھی بہنوں کی سی ہے اور ہم تمہارے ساتھ بہنوں کا سا ہی سلوک کریں گے، تمہاری حفاظت بھی کریں گے۔ لیکن ہم تم دونوں کو صرف ایک مقصد کے تحت یہاں لائے ہیں۔“

فراتا تار کے قبائل کے اس لشکری نے جب کیتھرائن اور سیمر دونوں کے لئے بہن کا لفظ استعمال کیا، تب ان دونوں کو کچھ حوصلہ ہوا، چہرے پر کچھ رونق اور طمانیت آئی۔ پھر اس بار سیمر بولی اور کہنے لگی۔

”تم آخر کس مقصد کے تحت ہم دونوں کو یہاں لے کر آئے ہو؟“

اس پر اُس لشکری نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور دونوں نے نگاہوں نگا

نگاہوں میں فیصلہ کیا، پھر وہ کہنے لگا۔

”ہم مسلمان ہیں، جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ہم تم دونوں کو واقعی ایک مقصد کے تحت اٹھا کر لائے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں کی شادی ہمارے سالار، ہمارے امیر سے ہو۔“

جواب میں کیتھرائن بولی اور کہنے لگی۔

”تمہارا سالار اور امیر کون ہے؟“

وہ لشکری پھر بولا اور کہنے لگا۔

”اس کا نام منصور بن احمد ہے۔ کبھی وہ بغداد کا نائب سپہ سالارِ اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ بغداد میں اس کے سارے بہن بھائی، عزیز و اقارب، رشتہ دار سب مارے جا چکے ہیں۔ اب اپنے دو ساتھی سالاروں حسام الدین اور شرف الدین کردی کے ساتھ وہ اکیلا ہے۔ ہم تم دونوں کو اس لئے اُٹھا کر لائے ہیں تا کہ تم دونوں کی شادی کا اہتمام ہمارے امیر منصور بن احمد سے کیا جائے۔ اور جب تم دونوں اس کی بیویوں کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہو گی تو یقیناً منگولوں کے ہاتھوں جو اُن کا نقصان ہوا ہے، اسے کسی نہ کسی طرح وہ بھلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

وہ لشکری جب خاموش ہوا، تب کیتھرائن اور سیمر نے عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر سیمر بولی اور کہنے لگی۔

”اگر ہم دونوں تمہارے امیر سے شادی کرنے سے انکار کر دیں، تب؟“

اس پر وہ لشکری کسی قدر اُداس اور افسردہ ہو گیا، کہنے لگا۔

”اگر تم دونوں ایسا کرتی ہو تو پھر ہم چند ہفتے انتظار کریں گے، تمہیں مزید موقع دیں گے۔ اگر پھر بھی تم اس شادی پر تیار نہ ہوئیں تو پھر ہم تمہیں باعزت ہلاکو کی طرف بھجوا دیں گے۔“

یہ الفاظ سن کر کیتھرائن اور سیمر خوش ہو گئی تھیں۔ پھر کیتھرائن بولی اور اس لشکری کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا یہ ساری کارروائی تم نے اپنے امیر منصور بن احمد کے کہنے پر کی ہے؟“

اس پر اس لشکری نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

"امیر کو تو پتہ ہی نہیں ہے کہ ہم تم دونوں کو اٹھا کر لے آئے ہیں۔ بس ہم دونوں کی خواہش تھی کہ تم دونوں ہمارے امیر کی بیویاں بنو۔ تمہارے حُسن، تمہاری خوب صورتی کے چرچے تو ہم نے پہلے سنے تھے، لیکن جب ہم دونوں نے پڑاؤ میں تم دونوں کو دیکھا تو فیصلہ کر لیا کہ تم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ امیر ابھی تک اپنے لشکر کے ساتھ یہاں نہیں پہنچے۔ ہم ان کے آگے آگے تیزی سے سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ہم کچھ عرصہ امیر کو نہیں بتائیں گے کہ تم دونوں کو اٹھا کر ہم یہاں لائے ہیں۔ اگر تم امیر کی طرف متوجہ نہ ہوئیں تو تمہیں واپس کر دیا جائے گا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اور میرا یہ ساتھی ہمہ وقت تم پر نگاہ رکھیں گے، تمہاری حفاظت کریں گے۔ ہمارے ساتھ ہمارے دو لشکری اور ہیں جو اس راز سے واقف ہیں کہ ہم تم دونوں کو یہاں اٹھا کر کیوں لائے ہیں۔ لہٰذا ہم باری باری تم پر پہرہ دیں گے۔ میری ایک بھائی کی حیثیت سے تم سے گزارش ہے کہ اس کمرے سے باہر نہ نکلنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔ ہاں اگر تم باہر نکلنا چاہو تو ہم خود تمہیں ساتھ لے کر جائیں گے۔ یہ سارا علاقہ ہم تم دونوں کو دکھا سکتے ہیں اور......"

یہاں تک کہتے کہتے وہ لشکری رک گیا، پھر کہنے لگا۔

"لگتا ہے، امیر اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔ دیکھو کمرے میں دو بستر لگے ہوئے ہیں۔ تم کھانا کھا چکی ہو۔ آرام سے بیٹھو۔ آج انہی کپڑوں میں رہو۔ کل تمہارے لئے اور بہترین کپڑوں اور لباسوں کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ ہم اپنے ایک عالم دین کا تقرر کریں گے جو تمہارے پاس آیا کرے گا اور ہمارے دین کی باتیں تم سے کیا کرے گا۔ ہمیں پہلے سے ہی تمہارے ایک لشکری نے بتایا تھا کہ تم دونوں، مسلمانوں سے شدید قسم کی نفرت کرتی ہو اور یہ کہ تم دونوں عیسائی ہو۔ ہمارا جو مبلغ تمہارے پاس آئے گا، وہ ایمانداری سے اپنے مذہب کی موٹی موٹی باتیں تمہارے سامنے پیش کرے گا۔ اگر وہ باتیں تمہارے دل کو اچھی لگیں تو قبول کر لینا ورنہ تمہاری مرضی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس لشکری نے اس کمرے کو باہر سے قفل لگا دیا تھا اور پھر اپنے ساتھی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔

تھوڑا سا آگے جانے کے بعد وہ دونوں لشکری رک گئے۔ پھر ان میں سے ایک

دوسرے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے بھائی! جو کام ہم نے کیا ہے، اس میں قباحتیں بہت ہیں۔"

"کیسی قباحتیں؟" دوسرے نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

اس بار پہلا بولا اور کہنے لگا۔

"ان دونوں لڑکیوں کو کب تک ہم یہاں بند کمرے میں قیدی کی حیثیت سے رکھیں گے؟ ایک نہ ایک دن یہ راز کھلے گا۔ ہم دونوں انہیں ایک اچھے مقصد کے لئے یہاں لے کر آئے ہیں۔ یہ دونوں انتہا درجہ کی خوب صورت ہیں اور جہاں تک ہمارے امیر منصور بن احمد کا تعلق ہے تو اس کے اہلِ خانہ بغداد میں مارے جا چکے ہیں۔ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کے اہلِ خانہ، بغداد میں نہیں تھے۔ حسام الدین جوکندار کے اہلِ خانہ حمس میں ہیں اور شرف الدین کردی کے اہلِ خانہ اربل شہر میں تھے۔ اب ان دونوں کے اہلِ خانہ حمس اور اربل سے نکل کر چند دن تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ باقی امیر منصور بن احمد رہ جاتے ہیں۔ دراصل میری ان سے یوں جانو ایک اندھی اور بے کنار عقیدت ہے۔ اسی عقیدت کی بنا پر میں کیتھرائن اور سیمر کو یہاں اٹھا کر لانے کے حق میں تھا۔ یہ لڑکیاں چونکہ انتہا درجہ کی خوب صورت ہیں، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ یہ میرے امیر کے قابل ہیں۔ دیکھو میرے بھائی! اس معاملے کو دبانے اور آگے نہ بڑھنے دینے کے لئے میں چاہتا ہوں، پہلے اس سارے معاملے کی اطلاع لوئی تاشی اور یانگ خان کو دینی چاہئے۔ اور اگر ہماری اس حرکت کو امیر منصور بن احمد نے ناپسند کیا تو لوئی تاشی اور یانگ خان اپنے طور پر اس معاملے کو سنبھال لیں گے۔"

دوسرے لشکری نے پہلے کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک طرف ہو لئے تھے۔

وہ سیدھے اس سمت گئے، جہاں لوئی تاشی اور یانگ خان، منصور بن احمد اور اس کے ساتھی سالاروں اور لشکریوں کا استقبال کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں ہی ان دونوں لشکریوں نے انہیں جا روکا۔ ان کے روکنے پر لوئی تاشی اور یانگ خان رک کر غور سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ایک نے سارا ماجرا لوئی تاشی اور یانگ خان سے کہہ دیا۔

یہ سارا احوال سن کر لوئی تاشی اور یانگ خان تھوڑی دیر تک مسکراتے ہوئے دونوں لشکریوں کی طرف دیکھتے رہے، پھر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں، یہ کام تم نے اپنی عقیدت اور امیر سے محبت کی بنا پر کیا ہے۔ لیکن تمہاری اس حرکت کو اگر امیر منصور بن احمد نے ناپسند کیا تو پھر یہ معاملہ کچھ بگڑ بھی سکتا ہے۔ بہرحال تم فکرمند نہ ہو۔ اس سلسلے میں پہلے ہم حسام الدین جو کندار اور شرف الدین کردی سے بات کریں گے۔ ان دونوں کے اہلِ خانہ بھی دو ایک روز تک یہاں جائیں گے اور مجھے امید ہے کہ وہ معاملے کو سنبھال لیں گے۔ ابھی ان دونوں لڑکیوں سے متعلق امیر منصور بن احمد کو اطلاع نہیں کرنی۔ پہلے ہم امیر کا استقبال کریں گے۔ اس کے بعد ہم دونوں کو ان لڑکیوں کے پاس لے کر چلنا۔ جس کمرے میں تم دونوں انہیں بند کر کے آئے ہو، یہ بہت گری ہوئی اور غلط حرکت ہے۔ ایک طرح سے تم نے انہیں زندان میں ڈال دیا ہے۔ میری رہائش گاہ کے قریب جو چھوٹی سی رہائش گاہ خالی پڑی ہے، ان دونوں کو اس میں منتقل کیا جائے گا اور میرے اہلِ خانہ ان دونوں کا خیال رکھیں گے اور انہیں ہر چیز مہیا بھی کریں گے۔ ان کے لئے بہترین لباسوں اور دیگر ضروریات کی اشیاء کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اور پھر تم نے یہ کہا ہے کہ ان کے لئے ایک مقرر کر رہے ہو جو انہیں اسلام کی تبلیغ دے گا۔ یہ کام بھی بہت اچھا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بہرحال، پہلے امیر کا استقبال کر لیں، پھر ان لڑکیوں کی طرف جاتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی لوئی تاشی اور یانگ خان آگے بڑھنے لگے۔ وہ دونوں لشکری بھی ان کے ساتھ جا رہے تھے۔

○○○○○

ایک فاتح کی حیثیت سے منصور بن احمد اور اس کے دونوں ساتھی حسام الدین اور شرف الدین اپنے لشکر کو لے کر کوہستانِ قپچاق کی ان وادیوں میں داخل ہوئے۔ وادی میں لوئی تاشی اور یانگ خان کی سرکردگی میں، جو لشکری تھے، انہوں نے شاندار انداز میں اپنے آنے والے لشکر کا استقبال کیا۔

چونکہ منگولوں کے ایک لشکر نے منصور بن احمد کا تعاقب کیا تھا اور منگولوں کے

لشکر کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا تھا لہٰذا منصور بن احمد اپنے ساتھ ان گنت فالتو گھوڑے بھی لے کر آیا تھا۔ اس کے علاوہ سارے لشکری اپنے اپنے گھوڑوں پر ہلاکو خان کے پڑاؤ سے حاصل ہونے والا سامان بھی رکھے ہوئے تھے۔

لوئی تاشی اور یانگ خان جب استقبال کے لئے سامنے آئے، تب منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین تینوں اپنے گھوڑوں سے اُتر کر اُن سے گلے ملے۔ اس کے بعد لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! جس وقت ہم نے ہلاکو خان کے پڑاؤ پر حملہ کرنا تھا، اس سے پہلے میں نے اپنے لشکریوں کو اجازت دے دی تھی کہ ہلاکو خان کے پڑاؤ سے جو بھی وہ ضرورت کی چیز محسوس کریں اور یہ جانیں کہ وہ اپنے گھوڑے پر لاد کر سفر کر سکتے ہیں، اٹھا لیں۔ لوئی تاشی! میں چاہتا ہوں، یہ لشکری ہلاکو خان کے پڑاؤ سے جو چیزیں لائے ہیں، وہ ان کی ملکیت سمجھی جائیں۔''

لوئی تاشی نے اس موقع پر ایک گہری نگاہ منصور بن احمد پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''آپ کیسی گفتگو کر رہے ہیں؟ آپ ہمارے امیر ہیں۔ یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ یہ کام میرا نہیں۔ آپ جو کہیں گے، ہم نے اس پر عمل کرنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، آپ کا یہ فیصلہ بڑا احسن ہے۔ اس طرح لشکریوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور آنے والے دور میں وہ پہلے کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں ہلاکو خان اور اس کے لشکریوں کے خلاف ضرب لگا سکیں گے۔''

لوئی تاشی کا جواب سن کر منصور بن احمد خوش ہو گیا تھا۔ اس نے لشکریوں کو اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف جانے کی اجازت دے دی تھی۔

منصور جب اس عمارت میں چلا گیا، جس میں اس کی رہائش تھی، تب لوئی تاشی نے ہاتھ کے اشارے سے حسام الدین اور شرف الدین کو بلایا۔ وہ دونوں لوئی تاشی کے ساتھ ہو لئے۔ یانگ خان بھی ان کے ساتھ تھا۔

لوئی تاشی انہیں لے کر اپنے گھر کے دیوان خانے میں جا بیٹھا۔ اس کے بعد تاتار قبائل کے دو لشکریوں نے کیتھرائن اور یسمر کو جو اٹھا کر وہاں لا کر ایک کمرے میں بند کر دیا تھا، اس کی ساری تفصیل کہہ دی تھی۔

یہ سب کچھ جاننے کے بعد حسام الدین اور شرف الدین تھوڑی دیر تک مسکراتے رہے، پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہاں تک کہ شرف الدین بولا اور کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! ان دونوں لشکریوں نے جو کام کیا ہے، ایسا انہوں نے ایک عقیدہ اور ارادت مندی کے تحت کیا ہے اور انہیں موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ نہ ان دونوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی جا سکتی ہے۔ لیکن ابھی ان لڑکیوں کا ذکر امیر منصور بن احمد سے نہ کیا جائے۔ میرے اور حسام الدین کے اہلِ خانہ حمص اور اربل سے آ رہے ہے، ایک دو دن تک یہاں پہنچ جائیں لہٰذا ہم اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیں گے۔ لیکن جہاں تک امیر منصور کا تعلق ہے تو ان کے اہلِ خانہ سب بغداد میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا بغداد میں ایک بہت بڑا خاندان تھا اور اس سارے خاندان کا کام تمام کر دیا گیا ہے۔ اس بنا پر منصور بن احمد اکثر تنہائی میں اُداس اور افسردہ رہتے ہیں۔ اگر تو وہ دونوں لڑکیاں بخوشی منصور بن احمد کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے تیار ہو جائیں تو میں سمجھتا ہوں، اس سے منصور بن احمد کی زندگی میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ تم لوگوں نے جو ان پر اسلام کی حقانیت ظاہر کرنے کے لئے ایک مبلغ مقرر کیا ہے، یہ بھی بڑا احسن اقدام ہے۔''

اس پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

''جس کمرے میں انہیں رکھا گیا ہے، میں آج انہیں وہاں سے نکالنے لگا ہوں۔ میری حویلی سے ملحق ایک مکان خالی پڑا ہے۔ دو کمرے ہیں، برآمدہ ہے، صحن ہے۔ میں ان دونوں کو یہاں منتقل کرنے لگا ہوں۔ ان پر نگاہ بھی رکھی جائے گی تاکہ وہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ مبلغ پہلے کی طرح انہیں تبلیغ کرتا رہے گا اور ان پر اسلام کی حقانیت پیش کرتا رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا بہترین انداز میں خیال رکھا جائے گا۔ میں اپنے اہلِ خانہ سے کہوں گا کہ فی الحال اس بات کو راز رکھا جائے، کسی پر ظاہر نہ کیا جائے کہ آرمینیا کے بادشاہ حیشون کی بیٹی کیتھرائن اور ہلاکو خان کی بیوی دوقوز خاتون کی چھوٹی بہن یہاں ہمارے پاس ہیں۔''

شرف الدین اور حسام الدین دونوں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر لوئی تاشی اپنی جگہ سے اُٹھا، شرف الدین اور حسام الدین سے کہنے لگا۔

''آپ دونوں اور یانگ خان میرے ساتھ آئیں۔ ان لڑکیوں کو عزت کے ساتھ یہاں لاتے ہیں۔''

چاروں باہر نکلے۔ دونوں لشکری ابھی تک باہر ہی کھڑے تھے، انہیں ساتھ لیا گیا۔ اس کمرے کا قفل کھولا گیا، جس میں کیتھرائن اور سیمر کو رکھا گیا تھا۔ پھر لوئی تاشی انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم دونوں کی حیثیت میری بیٹیوں کی سی ہے۔ گھبرانے اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لشکری تمہیں یہاں لائے ہیں، انہوں نے تمہیں اس کمرے میں رکھ کر تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ تمہیں یہاں نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ تم دونوں قابلِ عزت ہو، ہماری بیٹیاں ہو۔ ہمارے ساتھ آؤ۔''

لوئی تاشی انہیں ساتھ لے کر آیا اور اس کی حویلی کے برابر جو مکان تھا، وہ اس میں داخل ہوئے۔ پھر وہ باری باری کیتھرائن اور سیمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اب یہ مکان تم دونوں کی رہائش گاہ ہے۔ ساتھ والا مکان میرا ہے۔ جس وقت ہمارے موجودہ امیر منصور بن احمد یہاں نہیں آئے تھے، میں یہاں کے لشکریوں کا امیر تھا۔ میرا نام لوئی تاشی ہے۔ میرے ساتھ یہ یانگ خان ہے۔ یہ اُن دنوں نائب سالار ہوا کرتا تھا۔ اب میرے ساتھ یہ دو حضرات حسام الدین اور شرف الدین ہیں۔ یہ ہمارے امیر منصور بن احمد کے پرانے دوست ہیں اور بغداد کے بہترین سالاروں میں ان کا شمار کیا جاتا تھا۔ ان دونوں کے اہلِ خانہ حمص اور اربل میں تھے۔ اب ایک دو روز تک ان کے اہلِ خانہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ جہاں تک ہمارے امیر منصور بن احمد کا تعلق ہے تو بغداد میں ان کا بہت بڑا خاندان تھا۔ ان کے ماں باپ، بہن بھائی حتیٰ کہ ان کے دادا اور دادی بھی زندہ تھے اور منگول لشکریوں نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

یہ حالات تم دونوں سے اس لئے کہے ہیں کہ منگولوں نے مسلمانوں پر ناحق ظلم اور جبر کیا ہے۔ ایسا ظلم اور جبر تم پر نہیں کیا جائے گا۔ اب تم یہاں قیام کرو۔ میں اپنی بیوی، اپنی بیٹی سے کہتا ہوں، وہ یہاں آتی ہیں۔ تم دونوں کا وہ بہترین خیال رکھیں گی۔ اور ساتھ ہی تم دونوں کے لئے مختلف لباس اور ضروریات کا دوسرا سامان بھی مہیا کیا جائے

گا۔ میری دونوں بچیو! ایک بات یاد رکھنا، یہاں سے چپکے سے نکل کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس لئے کہ چاروں طرف کڑا پہرہ ہوتا ہے۔ کسی نے تمہیں پکڑ لیا تو ناحق تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔"

اس کے ساتھ ہی لوئی تاشی، یانگ خان، حسام الدین اور شرف الدین وہاں سے نکل گئے تھے۔

یانگ خان، شرف الدین اور حسام الدین اپنی رہائش گاہوں کی طرف چلے گئے تھے۔ لوئی تاشی اپنے گھر میں داخل ہوا اور اپنی بیوی اور بیٹی کو اس نے کیتھرائن اور ریم کی طرف بھیج دیا تھا۔

OOOOO

ایک روز منصور بن احمد، شرف الدین، حسام الدین، یانگ خان اور کچھ دوسرے سالار لوئی تاشی کی رہائش گاہ کے دیوان خانے میں بیٹھے آنے والے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے کہ فراتاتار قبیلے کا ایک شخص وہاں آیا اور منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"امیر! دو منگول ہمارے علاقوں میں داخل ہوئے ہیں۔ بیرونی درّوں میں ہمارے جو محافظ رہتے ہیں، ان میں سے ایک محافظ انہیں اپنے ساتھ لے کر آیا ہے۔ اس نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان دونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں تک لایا گیا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش ہونا چاہتے ہیں اور شاید وہ کوئی نالش اور شکایت لے کر آئے ہیں۔"

اس موقع پر منصور بن احمد نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو دونوں منگولوں کو لاؤ تا کہ میں جانوں، وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ان دونوں منگولوں کو منصور بن احمد کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔ اس موقع پر لوئی تاشی، منصور بن احمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان دونوں منگولوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ ہمارے امیر، ہمارے سربراہ منصور بن احمد ہیں۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ دونوں منگول کچھ دیر تک حیرت انگیز انداز میں منصور بن احمد کی طرف دیکھتے

رہے، پھر ان میں سے ایک کہنے لگا۔

”یقیناً یہ منصور بن احمد ہی ہیں جنہوں نے میافارقین شہر کے نواح میں ہمارے
کے پڑاؤ پر شب خون مارا اور پڑاؤ کو آگ لگا دی۔“

پھر وہ منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے امیر! جس وقت آپ نے ہمارے لشکر کے پڑاؤ پر شب خو
تھا اور آپ کا لشکر وہاں حملہ آور ہوا تھا تو آپ کا لشکر اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی
تھا۔ ایک لڑکی کا نام کیتھرائن ہے جو آرمینیا کے بادشاہ ہیثون کی بیٹی ہے۔ دوسری
نام سیمر ہے اور وہ ہمارے خاقان، ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ کی چھوٹی بہن ہے۔“

اس موقع پر گھورنے کے انداز میں منصور بن احمد نے ان دونوں منگولوں کی
دیکھا، پھر بولا۔

”میں نے تم لوگوں کے لشکر کے پڑاؤ پر شب خون ضرور مارا تھا، وہاں جو ہلا
کا لشکر تھا، اس کا بھی میں نے کام تمام کیا تھا، اسے میں تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ہلا
اندر بہت سی لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ہم نے کسی کو نہیں چھیڑا۔ اگر ہم نے ایسا
ہی کرنی تھی تو پھر میں وہاں سے ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ کو اٹھا کر یہاں لا سکتا
اسے یہاں لانے کے بعد ہلاکو سے کہتا کہ اگر وہ اپنی بیوی کو حاصل کرنا چاہتا
یہاں سے اپنے مرکزی شہر قراقرم کی طرف بھاگ جائے۔ لیکن ہم نہ کسی کنیز
یہاں لائے ہیں اور نہ ہی کسی سیمر کو۔ لہٰذا واپس جا کر ہلاکو سے کہنا، ایسی حرکت
نے کی ہے اور نہ ہی آئندہ کریں گے۔ اس کے علاوہ میرے پاس تم سے کہنے
کچھ نہیں ہے۔ تم دونوں جا سکتے ہو۔“

اس کے ساتھ ہی وہ دونوں منگول وہاں سے چلے گئے تھے۔

منصور بن احمد نے جس دوران میافارقین کے نواح میں ہلاکو خان کے لشکر
پر شب خون مارا تھا، اس کے بعد عالم اسلام میں دو اہم واقعات پیش آئے۔
پہلا واقعہ موصل کا تھا۔ اس لئے کہ موصل کے حاکم بدرالدین لولو نے ا
فرزند کو جس کا نام رکن الدین اسماعیل تھا، تحائف دے کر ہلاکو کے پاس بھیجا
وہ ہلاکو سے اچھے تعلقات پیدا کر کے موصل کو اس کی ترکتاز اور یلغار سے بچانا

اپنے بیٹے کو بھیج کر بدرالدین لولو نے اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ اس نے ہلاکو کو یہ بھی
پیشکش کی کہ وہ اس سے تعاون کرے گا۔

ہلاکو نے اس کے بیٹے رکن الدین سے تحفے قبول کر لئے اور بدرالدین لولو کے
بیٹے رکن الدین کو اس نے کچھ تحائف کے ساتھ اپنے خان اعظم منگو خان کے ہاں
قراقرم بھیجا۔ جب لولو کو اپنے بیٹے کی اطلاع ملنے میں تاخیر ہوئی تو اس نے اپنے
دوسرے دو بیٹوں شمس الدین اسحاق اور علاؤ الدین کو دوبارہ تحائف دے کر ہلاکو خان کی
طرف بھیجا۔ چنانچہ وہ جب اس کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کے پہلے فرزند کے
بارے میں اطلاع دی کہ وہ جلد واپس آ رہا ہے۔ اس کے بعد اس کا فرزند رکن الدین،
منگو خان کے پاس سے موصل اور اس علاقے کی حکومت کی تقرری کے احکامات لے کر
واپس آیا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد لولو فوت ہو گیا اور اس کا فرزند، رکن الدین اسماعیل
صالح کا لقب حاصل کر کے اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس نے ہلاکو خان کے ساتھ
اچھے تعلقات پیدا کر لئے۔

دوسری تبدیلی اور انقلاب مصر میں پیدا ہوا۔

ہلاکو خان کے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہونے سے پہلے مصر پر نجم الدین
ایوب کی حکومت تھی۔ کہتے ہیں، نجم الدین ایک بیدار مغز حکمران ثابت ہوا اور اس نے
اپنی تمام تر توجہ اپنے جدِ امجد سلطان صلاح الدین ایوبی کی سلطنت کے بکھرے ہوئے
شیرازے کو یکجا کرنے کے لئے وقف کر دی۔ کئی سال کی طویل جدوجہد کے بعد وہ اپنی
کوششوں میں کافی حد تک کامیاب ہو گیا اور مصر کے علاوہ شام، حجاز اور کئی دوسرے
علاقوں پر بھی اس کا مؤثر اقتدار قائم ہو گیا۔

گو اس وقت تک ہلاکو خان کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن نجم الدین صالح کے
اقتدار میں آنے سے چند سال پہلے چنگیز خان کی سربراہی میں منگولوں کے ہولناک فتنے
کا آغاز ہو چکا تھا۔ منگولوں کے اس طرح حملہ آور ہونے کے دوران دشتِ قپچاق،
قزوین اور کوہستانِ قپچاق وغیرہ کے علاقوں میں بہت سے لوگ جو مسلمان تھے، منگولوں
کے آگے بھاگ بھاگ کر مصر کا رخ کرنے لگے۔ یہ لوگ کہنے کو تو غلام تھے لیکن صلیبی
لڑائیوں میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھا کر وہ نجم الدین ایوب کی سلطنت میں بڑے بڑے

عہدوں پر جا پہنچے تھے۔ تاہم انہوں نے ایک منظم قوت کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔

جب ملک صالح تخت نشین ہوا تو عمائدینِ سلطنت میں بہت سے مملوک امرا بھی شامل تھے۔ اس کو ان لوگوں کے اوصاف و خصائل بہت پسند آئے اور اس نے ان مملوکوں کو بڑی کثرت سے خریدنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد بارہ ہزار سے بھی تجاوز کر گئی۔

صالح نجم الدین ایوب نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر نہ صرف فنونِ جنگ میں غیر معمولی قابلیت کے مالک بن گئے بلکہ علومِ اسلامی یعنی قرآن و حدیث اور فقہ میں بھی درجہ کمال تک پہنچ گئے۔

سلطان نجم الدین ایوب نے ان مملوکوں کا ایک باقاعدہ لشکر بنایا جو نہایت منظم فنونِ حرب و ضرب میں تاک تھا۔ اس نے اپنے ذاتی محافظ دستہ کو بھی اسی فوج سے منتخب کیا۔ اس کے علاوہ اس نے مملوکوں کو اپنی سلطنت اور دربار میں بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا۔ اس طرح چنگیز خان کی وجہ سے کوہستانِ قپچاق سے جو مسلمان بھاگ کر مصر کی طرف گئے تھے، وہ مصر کے اندر ایک فعال اور مؤثر قوت بن گئے تھے۔

تاہم سلطان نجم الدین نے انہیں بے قابو نہ ہونے دیا اور ان کی بڑی تعداد کو جزیرہ روضہ میں آباد کیا جہاں ان کی رہائش کے لئے بیرکیں بنوائیں۔ بعض مملوک امراء نے اپنے طور پر مکانات اور قلعے تعمیر کر لئے۔ چونکہ اس مقام پر دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں اور اس کو بحر کہا جاتا ہے، اس لئے یہ لوگ ممالیک بحریہ کہلائے۔ کچھ دوسرے مملوک یعنی غلاموں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے تعمیر کردہ قلعہ قاہرہ کے برجوں میں سکونت اختیار کی اور برجوں کی نسبت سے تاریخ کے اوراق میں انہیں مملوکِ برجی کا نام دیا گیا۔

یہ انہی قپچاق کے غلاموں کا حوصلہ اور جرأت مندی تھی کہ جب یورپی صلیبیوں کی باسی کڑی میں اُبال آیا اور انہوں نے فرانس کے بادشاہ لوئی نہم کی قیادت میں ساتویں صلیبی جنگ چھیڑ دی تو اس جنگ کے دوران ان کا سب سے اہم ہدف مصر تھا۔

عیسائی مؤرخین کا بیان ہے کہ تمام صلیبی جنگوں میں یہی جنگ حقیقی معنوں میں مقدس صلیبی جہاد کہلائے جانے کی مستحق ہے۔ کیونکہ فرانس کے بادشاہ لوئی نہم نے مشرق

پر دینی جذبہ اور مذہبی جوش کے ساتھ چڑھائی کی تھی۔ اس کا مقصد مقدس علاقوں کو مسلمانوں کے پنجے سے چھڑا کر مسیحیت کے جھنڈے کو بلند کرنا تھا۔ اس کے پیش رو صلیبی جنگجو، ارضِ مشرق پر صرف دینی جذبے کی بنا پر حملہ آور نہیں ہوئے تھے بلکہ اس لئے بھی کہ اموال اور قیدیوں سے اپنے آپ کو مالا مال کر لیں اور وہاں کے سرسبز اور شاداب خطوں میں اپنی مملکت قائم کریں۔

ان مؤرخین نے فرانس کے بادشاہ لوئی نہم کی سیرت اور کردار کی بڑی تعریفیں کیں اور لکھا ہے کہ وہ ایک نیک، نہایت پرہیزگار، بے لوث، درویش صفت، عبادت گزار اور نیک طینت بادشاہ تھا جس کا دل دینِ مسیحی کی محبت کے جذبہ سے معمور تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ شجاعت کا پیکر ہو جاتا تھا اور مصیبت کے وقت وہ استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ چنانچہ عیسائی اس کو آج تک سینٹ لوئی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مصر پر حملہ آور ہونے سے فرانس کے بادشاہ لوئی کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد بیت المقدس، فلسطین اور شام کے دوسرے مقدس مقامات پر قبضہ کرنے میں کوئی طاقت اس کی ہمسر نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اس زمانے میں مصر ہی اسلام کے اقتدار کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

فرانس کا بادشاہ لوئی ایک جرار لشکر کے ساتھ مصر کی طرف بڑھا اور دمیاط کے اہم شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس زمانے میں نجم الدین ایوب بیمار تھا اس لئے وہ مؤثر طور پر صلیبیوں کے سامنے مزاحمت نہ کر سکا اور انہوں نے 22 صفر 647ھ کو دمیاط پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد 15 شعبان 647ھ کو ملک صالح نے منصورہ کے مقام پر اجل کو لبیک کہا۔

اپنی وفات سے پہلے مصر کا سلطان صالح، صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہ مملوکوں کی ایک زبردست فوج کے ساتھ منصورہ آیا تھا۔

سلطان کی علالت کے پیش نظر اس کی ملکہ شجرۃ الدر بھی اس کے ساتھ منصورہ میں مقیم تھی۔ وہ ایک نہایت زیرک، حوصلہ مند اور شجاع خاتون تھی۔ اس نے اپنے شوہر کی موت کو مصلحت کے تحت مخفی رکھا اور اس کے نوجوان بیٹے توران شاہ کو جو ان دنوں

حصن کیفا میں مقیم تھا، منصورہ بلا بھیجا۔ لیکن اس سے پہلے کہ توران شاہ، منصورہ
صلیبی لشکر دمیاط سے نکل کر منصورہ پہنچ گیا اور مسلمانوں سے لڑائی چھیڑ دی۔

کوہستانِ قپچاق کے مملوک، مصر کے لشکر پہلے سے ہی صلیبیوں سے دو
کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ مملوکوں کے اس لشکر نے ملکہ شجرۃ الدر
قیادت میں صلیبی لشکر کا تیروں، تلواروں اور نیزوں سے ایسا پُر جوش استقبال کیا کہ
کے وہم و گمان میں ہی نہیں آ سکتا تھا۔

اس موقع پر مملوکوں کے لشکر کے ایک نوجوان نے شجاعت اور جانبازی کا
انگیز مظاہرہ کیا۔ ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ
صلیبی لشکر میں گھس گیا اور ہر طرف لاشوں کے انبار لگا دیئے۔ صلیبی جنگجو گروہ
اس کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرتے تھے لیکن وہ ہر بار ان کی صفوں کو درہم
کرتا ہوا دوسری طرف نکل جاتا تھا اور وہاں بھی اپنے جانبازانہ ہنر سے تہلکہ مچا
دیتا تھا۔

یہ جانباز، ملک صالح کا غلام بیبرس بندقدار تھا۔ منصورہ کی جنگ میں اس نے
عسکری صلاحیتوں اور تہور و شجاعت کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا کہ سب مسلمانوں کی
کا مرکز بن گیا۔ کئی دن تک صلیبیوں اور مسلمانوں میں خوفناک جھڑپیں ہوتی
یہاں تک کہ صلیبی لشکر سخت پریشان حالی میں مبتلا ہو گیا۔ تاہم فرانس کے بادشاہ
موجودگی سے ان کی ہمت بندھی رہی تھی۔

اسی دوران توران شاہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ منصورہ پہنچ گیا اور مسلمانوں کی
دوچند ہو گئی۔ توران شاہ کے پہنچنے پر ملک صالح کی موت کا اعلان کر دیا گیا اور
امراء نے اس کے بیٹے توران شاہ کو ملک معظم کا خطاب دے کر تخت پر بٹھایا۔

توران شاہ نے اس موقع پر بڑی عاقبت نااندیشی سے کام لیا۔ اس نے بہت
مصری حاکموں اور امیروں کو جو ممالیک بحری سے تعلق رکھتے تھے، معزول کر دیا
کی جگہ برجی مملوکوں کو مقرر کیا۔

دوسری طرف بادشاہ لوئی نے دیکھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی
تو اس نے اپنے لشکریوں کو دمیاط کی شمالی جانب سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔

نے 648ھ بمطابق 1250ء میں شام کے وقت منظم طریقے سے پسپا ہونے کا فیصلہ
کیا۔ لیکن مسلمان ان کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تہیہ کر
رکھا تھا کہ فرانس کے صلیبیوں کو یہاں سے بچ کر نہیں نکلنے دیں گے چنانچہ صلیبیوں نے
جونہی کوچ کی تیاری کی، مسلمانوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ صلیبیوں کے
لئے اب جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے
جان توڑ کر لڑے۔ لیکن مسلمانوں کے پُر جوش حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔
مملوکوں کے ایک برق رفتار دستے نے جس کی قیادت امیر بیبرس بندقدار کر رہا تھا، آناً فاناً
صلیبی لشکر کا قلب توڑ کر رکھ دیا اور شہنشاہ لوئی اور اس کے کئی سرداروں کو عین میدانِ
جنگ میں گرفتار کر لیا۔ اس طرح ساتویں صلیبی جنگ، عیسائیوں کی ذلت آمیز شکست پر
ختم ہوئی۔

نجم الدین ایوب کے بیٹے نے منصورہ کی جنگ ختم ہوتے ہی کچھ ایسے کام کئے،
جس سے بحری مملوک ناراض ہو گئے اور ان کی نفرت کا لاوا پھٹ پڑا اور سلطان کے ذاتی
محافظوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ ایک فرانسیسی مؤرخ دی
جان ویل نے جو شاہ لوئی کے ساتھ مصر گیا تھا اور اس کے ساتھ اسیر ہو گیا تھا، توران شاہ
کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا۔

توران شاہ کے قتل کے بعد بحری مملوکوں نے ملکہ شجرۃ الدر کو المستعصم الصالحۃ، الملکہ
المسلمین عفت الدنیا و دین ام ملک المنصور خلیل کا لقب دے کر مصر کے تختِ حکومت پر
بٹھا دیا۔

ملکہ شجرۃ الدر کے سامنے سب سے پہلے یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ شاہ لوئی اور اس کے
ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس لئے کہ فرانس کا بادشاہ جنگ کے دوران
گرفتار ہو گیا تھا۔ مملوک امراء کے مشورے سے اس نے شاہ لوئی کو پیغام بھیجا کہ اگر
صلیبی، سرزمین مصر سے فوراً نکل جانے کا عہد کر لیں اور اس کے ساتھ تاوانِ جنگ اور
فدیہ کے طور پر ایک کثیر رقم حکومتِ مصر کو ادا کریں تو بادشاہ سمیت تمام جنگی قیدیوں کو رہا
کر دیا جائے گا۔

فرانس کے بادشاہ لوئی نے یہ ذلت آمیز شرطیں بغیر کسی شرط کے قبول کر لیں۔

چنانچہ ڈیڑھ ماہ کی قید کے بعد فرانس کا بادشاہ لوئی رہا کر دیا گیا اور اپنے شکست خ... لشکریوں اور اُمیروں کے ساتھ مصر پر حسد کی نگاہ ڈالتا ہوا سمندر کے راستے عکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ملکہ شجرۃ الدر کے بعد مصر کے اندر وقتی طور پر ہیجان پیدا ہوا لیکن علماء اور عما... سلطنت نے اس موقع پر دانش مندی سے کام لیا اور کوہستانِ قپچاق کے ایک غلام ... چنگیز خان کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے وہاں سے بھاگ کر مصر کی طرف گیا تھا، ... حکمران بنا دیا۔ اس کا نام قطز تھا۔ رکن الدین بیبرس کو لشکریوں کا سالار بنا دیا گیا۔ ا... طرح مصر کا حکمران قطز اور سپہ سالار رکن الدین بیبرس دونوں مل کر ہلاکو کی ترکتاز... یلغار کو جنوب کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لئے اپنی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

○○○○○

لوئی تاشی کے گھر میں ایک روز اس کی بیوی مدلان، بیٹا بلذون اور بیٹی تنکیر، کیتھ... اور یسمر کے ساتھ بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔

کیتھرائن اور یسمر نے اب لوئی تاشی کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا تھا اور جس ... مبلّغ کو ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا، اس سے وہ دونوں مطمئن بھی دکھائی دینے لگی تھیں۔ ایسے میں جب کہ وہ بڑے خوشگوار ماحول میں گفتگو کر رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی دستک ہوئی۔

دستک سن کر لوئی تاشی کی بیوی مدلان بولی اور اپنے بیٹے بلذون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹے! دیکھو، دستک دینے والا کون ہے؟ اس لئے کہ یہ دستک تمہارے باپ کی نہیں ہے۔''

بلذون اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو سامنے منصور بن احمد کھڑا تھا اور اسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

اسے اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر بلذون چونکا اور کسی قدر پریشان سی آواز میں کہنے لگا۔

''امیر! آپ یہاں تھوڑی دیر رُکیں۔ میں دیوان خانے کا دروازہ کھولتا ہوں، ...

آپ کو بٹھاتا ہوں۔

ہاتھ آگے بڑھا کر منصور بن احمد نے اسے روک لیا، پھر کہنے لگا۔

''نہیں بیٹے! پہلے یہ بتاؤ، تمہارا باپ گھر پر ہے؟''

جواب میں بلذون کہنے لگا۔

''امیر! تھوڑی دیر پہلے وہ یانگ خان کے ساتھ نکلے ہیں۔ یہ نہیں بتا کر گئے کہ کدھر گئے ہیں۔ آپ دیوان خانے میں بیٹھئے تو سہی۔ بابا جلد آ جائیں گے۔ نہ آئے تو میں انہیں بلا کر لے آؤں گا۔ دیکھیں، آپ اتنی جلدی نہ کریں۔ آپ اس سے پہلے کبھی ہمارے ہاں نہیں آئے۔ اگر آپ اس طرح دروازے سے پلٹ کر چلے گئے تو بابا ہم سے ناراض ہوں گے۔''

دروازے پر کھڑا ہو کر جب بلذون گفتگو کرنے لگا، تب اس کی ماں مدلان بولی اور کہنے لگی۔

''بیٹے! کس سے گفتگو کر رہے ہو؟ اور دروازے پر کیوں کھڑے ہو گئے ہو؟''

بلذون نے مڑ کر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

''اماں! امیر منصور بن احمد آئے ہیں۔ بابا سے ملنا چاہتے ہیں۔''

منصور بن احمد کا نام سن کر مدلان اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی، پھر کہنے لگی۔

''بیٹے! امیر کو دیوان خانے میں بٹھاؤ۔ جانے نہیں دینا۔ تمہارے بابا تھوڑی دیر تک آ جائیں گے۔''

مدلان کی آواز منصور بن احمد نے بھی سن لی تھی۔ یہاں تک کہ بلذون بولا اور کہنے لگا۔

''امیر! آپ جائیں گے نہیں۔ میں دیوان خانے کا باہر والا دروازہ کھولتا ہوں اور آپ کو وہاں بٹھاتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی بلذون پیچھے ہٹا تھا۔ اس موقع پر کیتھرائن، لوئی تاشی کی بیوی مدلان کو مخاطب کر کے بولی۔

''اماں! اگر ہم امیر منصور بن احمد کو دیکھنا چاہیں تو آپ اسے معیوب تو نہ سمجھیں گی؟ ہمیں یہاں قیام کئے کئی ہفتے ہو چکے ہیں۔ اور امیر منصور بن احمد سے متعلق ہم

بہت کچھ سن چکی ہیں۔ ہمارے لئے اب ان کی ذات ایک راز بلکہ یوں جانئے ان کی ذات ہمارے لئے پُراسرار ہو چکی ہے۔ ہماری بہت بڑی خواہش ہے کہ ہم امیر منصور کو دیکھیں۔"

جواب میں مدلان مسکرائی اور بولی۔

"میری دونوں بچیو! ابھی دیوان خانے کا دروازہ کھلتا ہے تو تم دونوں اندر کھلنے والے دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر امیر کو دیوان خانے میں داخل ہوتے دیکھ لینا۔"

مدلان کے یہ الفاظ سن کر کیتھرائن اور سیمر دونوں خوش ہو گئی تھیں۔ اتنی دیر تک دیوان خانے کا بیرونی دروازہ کھولنے کے لئے بلاذون، دیوان خانے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً بھاگنے کے انداز میں کیتھرائن اور سیمر دونوں اندر کھلنے والے دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ منصور بن احمد دیوان خانے میں داخل ہوا اور ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ کیتھرائن اور سیمر کچھ دیر تک بڑے غور سے امیر منصور بن احمد کو دیکھتی رہیں، پھر دبے پاؤں پیچھے ہٹیں، وہاں آئیں جہاں مدلان اور تنکیر دونوں ماں بیٹی بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھر کیتھرائن خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"ہم نے، یعنی میں نے اور سیمر نے جو نقشہ اپنے ذہن میں امیر کا بنا رکھا تھا، امیر منصور بن احمد اس سے بھی کہیں آگے ہیں۔ قد کاٹھ کے بھی خوب ہیں۔ دروازے سے سر جھکا کر داخل ہوئے۔ اور پھر کمال کی بات یہ کہ دیوان خانے کا جو دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے، اس کی طرف دیکھا تک نہیں اور ایک ایسی نشست پر بیٹھ گئے، جہاں بیٹھنے سے جو دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے، اس سے نگاہ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف نہیں آتی۔"

اس موقع پر کیتھرائن کچھ کہنا چاہتی تھی کہ مدلان بولی اور اپنی بیٹی تنکیر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بیٹی! امیر کو انگور کا رس نکال کر پلاؤ۔ تمہارے بابا بھی گھر پر نہیں ہیں اور وہ پہلی دفعہ ہمارے ہاں آئے ہیں۔ اور پھر تم اکثر و بیشتر امیر کے سامنے جاتی رہتی ہو، اس

واسطے اگر تم امیر کے پاس جاتی ہو تو وہ برا نہیں مانیں گے۔ ورنہ قبیلے کی عام لڑکیوں سے وہ ملتے نہیں ہیں۔"

اس پر تنکیر اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک دوسرے کمرے میں گئی۔ تھوڑی دیر بعد لوٹی تو اس کے ہاتھ میں انگور کے رس کا بھرا ہوا مٹی کا ایک پیالہ تھا۔ وہ پیالہ لے کر تنکیر دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ پہلے سلام کیا۔ منصور بن احمد نے سلام کا جواب دیا پھر اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا اور تنکیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میری بہن! یہ تم کیا زحمت کر رہی ہو؟"

تنکیر مسکرائی اور کہنے لگی۔

"امیر! کوئی زحمت نہیں۔ بس میں آپ کے لئے تھوڑا سا مشروب بنا کر لائی ہوں۔ آپ پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔ اور اس وقت بابا بھی یہاں نہیں ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی تنکیر نے انگور کے رس کا پیالہ منصور بن احمد کو تھما دیا تھا۔ اس موقع پر دروازے پر دستک ہوئی۔ اس بار مدلان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو دروازے پر اس کا شوہر لوئی تاشی، یانگ خان، شرف الدین، حسام الدین اور کچھ دوسرے سالار کھڑے تھے۔

مدلان فوراً لوئی تاشی کو مخاطب کر کے بولی۔

"تھوڑی دیر پہلے امیر منصور بن احمد آئے تھے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ واپس جانے لگے تھے۔ لیکن ہم نے یوں جانیں، زبردستی دیوان خانے میں بٹھا دیا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر سب چونکے تھے۔ پھر انہوں نے دیوان خانے کا رخ کیا۔ اتنی دیر تک منصور بن احمد نے انگور کا رس پی کر پیالہ ایک طرف رکھ دیا تھا۔ پھر تنکیر دوبارہ دیوان خانے میں داخل ہوئی، وہ پیالہ اٹھا کر لے گئی۔ اتنی دیر تک دیوان خانے میں لوئی تاشی، یانگ خان، حسام الدین، شرف الدین اور دوسرے سالار داخل ہوئے۔ بڑے پُرجوش انداز میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر منصور بن احمد نے ان سے مصافحہ کیا۔

جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز لوئی تاشی نے کیا اور منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بڑے اچھے وقت پر آپ ہمارے ہاں آئے ہیں۔ پہلی بات جو میں آپ سے کہنا

چاہتا ہوں وہ یہ کہ آج آپ کا کھانا ہمارے ہاں ہوگا۔ آپ جائیں گے نہیں۔ اگر آپ
جانا چاہیں گے تو میں آپ کی بات نہیں مانوں گا۔ دوسری بات یہ کہ ادھر آتے ہوئے
میں، یانگ خان، شرف الدین اور حسام الدین نے فیصلہ کیا تھا کہ آج آپ سے قرآن
کے ایک حصے کی تلاوت سنیں گے۔ کئی دن ہوئے، آپ کی تلاوت نہیں سنی۔ اور جس دل
لینے والے انداز میں آپ قرآنِ مقدس کی تلاوت کرتے ہیں، وہ سننے کو آج جی بہت چاہ
رہا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ہماری خواہش کا احترام کریں گے اور یہاں بیٹھ کر ہمیں قرآن
مقدس کے کسی حصے کی تلاوت سنائیں گے۔''

منصور بن احمد سنبھل کر بیٹھا، پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر تم لوگوں کی یہی مرضی ہے تو یوں ہی سہی۔ اور جس موضوع پر میں گفتگو کرنے
کے لئے آیا ہوں، اس پر گفتگو بعد میں کرلوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد سنجیدہ ہوگیا۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد
تھوڑی دیر کے لئے رُکا، اس کے بعد دھیمے انداز میں تو اہم کا شکار قلوب اور لہو کے
ہولناک طلسم کے اندر سچائی کے سایوں کو زندہ حقیقت میں تبدیل کرنے والی آواز میں
تلاوت کرنے لگا تھا۔ اُس کی آواز سے یوں لگ رہا تھا جیسے قرآنِ مقدس کی تلاوت
کرنے کا اس کا انداز رگوں کی لوح پر جمی گرد کو ہٹا کر رکھ دے گا۔ جو تلاوت اُس نے
شروع کی تھی، اس کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا۔

''اور اس کتاب میں حضرت مریم کا حال بیان کرو کہ جب وہ اپنے لوگوں سے
الگ ہوکر مشرقی کونے میں گوشہ نشین ہوگئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔
اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح یعنی فرشتے کو بھیجا اور اس کے سامنے
ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا۔''

یہاں تک منصور بن احمد نے دھیمے لہجہ میں تلاوت کی تھی۔ پھر اُس کی آواز آہستہ
آہستہ نگاہوں کو تسکین کی لو دیتی ہوئی بلند ہونے لگی تھی۔ بالکل ایسے، جیسے فطرت کو
زبوں کر دینے والے کائنات کے ناظروں اور آفاق کے رازداروں نے صبر کی چٹانوں
پر کھڑے ہوکر نغموں کی غنائیت بکھیرنا شروع کر دی ہو۔ وہ پھر تلاوت کر رہا تھا۔

''مریم یکا یک بول اُٹھی، اگر تُو خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی

ہوں۔ اس نے کہا، میں تو تیرے رب کا فرشتہ ہوں۔ اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے
ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا، میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے
چھوا تک نہیں ہے۔ میں کوئی بدکار عورت بھی نہیں ہوں۔ فرشتہ نے کہا، ایسا ہی ہوگا۔ تیرا
رب فرماتا ہے ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے۔ اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ
اس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں گے اور اپنی طرف سے ایک رحمت۔ اور یہ
کام ہوکر رہتا ہے۔''

اس کے بعد ایک دم منصور بن احمد کی آواز اس طرح بلند ہوئی گویا وہ گُل لالہ کی
عصمت، نغموں کے گوہر، وجدان کے نیلم بکھیرنے لگی ہو۔ کسی نباض تلاطم آندھیوں کے
قائد، ساحلوں کے کسی نقیب کی طرح وہ بلند آواز میں خاک کو اندھیروں پر سوار کر دینے
والے انداز میں پھر تلاوت کر رہا تھا۔

''مریم اُمید سے ہوگئی اور وہ اس اُمید کو لئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر
زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے بٹھا دیا۔ وہ کہنے لگی، کاش! میں
اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔ فرشتہ نے اسے پکار کر کہا، غم نہ کر۔
تیرے رب نے تیرے لئے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تُو ذرا اس درخت کے تنے کو
ہلا۔ تیرے اوپر تروتازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ بس تُو کھا اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر
اگر کوئی آدمی تمہیں نظر آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے رحمان کے لئے روزہ کی نذر
مانگی ہے، اس لئے آج میں کسی سے بولوں گی نہیں۔''

تلاوت کئے جانے والے الفاظ کی مہک، حرفوں کی خوشبو فطرت کے جمال کے
نقوش کی طرح چاروں طرف پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد کی آواز
پہلے سے بھی زیادہ بلند ہوکر سنائی دینے لگی۔ اس نے تلاوت اس طرح شروع کی تھی،
جیسے تلاوت کے وہ الفاظ زمین کے ریزے ریزے کو اپنی لپیٹ میں لیتے سحر کی طرح ہر
سُو پھیل جائیں گے اور آندھیوں کے غبار اور گرد میں نظر نظر کو ضوفشاں کر دیں گے۔ الفاظ
اور ان کی ادائیگی ایسی تھی، جیسے جسموں کی تزئین اور لطف اندوزی اور کلام خالق کی سرور
انگیزی نے کائنات کی ہر شے کا احاطہ کرنا شروع کر دیا ہو۔ وہ پھر تلاوت کر رہا تھا۔

''پھر وہ اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے، اے مریم! یہ تو

نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔ مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا، کیا ہم اس سے بات کریں جو گہوارہ میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔ بچہ بول اٹھا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر کہ میں پیدا ہوا اور جب میں مروں جب کہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔ یہ ہے قصہ ابنِ مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات۔ اس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کا یہ کام نہیں ہے، وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے، ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

اور عیسیٰ نے کہا، اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی ہے۔ تم اس کی بندگی کرو۔ یہی اس کی جزا ہے۔ مگر یہ پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے وہ وقت بڑی تباہی کا ہوگا جب وہ ایک بڑا دن دیکھیں گے جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے، اس روز ان کے کان خوب سن رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں بھی خوب دیکھتی ہوں گی۔

مگر یہ آج ظالم کھلی گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس حالت میں جب یہ لوگ غافل ہیں اور ایمان نہیں لا رہے، انہیں اس دن سے ڈرا دو جب کہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ اخیر کار ہم ہی زمین کے اور اس کی ساری چیزوں کے مالک ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے۔''

جوں ہی منصور بن احمد نے تلاوت ختم کی، اسی وقت کیتھرائن اور سیمر پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی دیوان خانے میں داخل ہوئی تھیں۔ دونوں ایک طرح سے گرنے کے انداز میں منصور بن احمد کے پاؤں پڑ گئی تھیں۔ دونوں نے منصور بن احمد کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ پھر کیتھرائن منت کرنے کے انداز میں بولی۔

''امیر! خدا کے لئے پھر وہی تلاوت کریں جو اس سے پہلے آپ کر چکے ہیں۔ یہ وہی لعل بدخشاں سے حروف، ست رنگی دھنک سے الفاظ ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل

ہوئے۔ یہ الفاظ ہی سعادت کے سرچشموں، صبح کی روشنیوں، روح کے سرور، قلب کی پاکیزگی کا باعث بنتے ہیں۔ انہی الفاظ کے اندر آدم کا شرف، تجلی آفریں رہنمائی اور سحر پیکر راستی ہے۔ یہی الفاظ ایمن ایمن، طور طور تجلی پھیلانے والے ہیں۔''

کیتھرائن اور سیمر کے اس طرح کرنے پر منصور بن احمد بدک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اپنے پاؤں چھڑا کر وہ دوسری نشست پر ہو بیٹھا تھا۔ پھر لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ لڑکیاں کون ہیں؟ انہیں کہو کہ دیوان خانے سے دوسرے کمرے میں چلی جائیں۔''

اس موقع پر آواز دے کر لوئی تاشی نے اپنی بیوی مدلان کو بلوایا۔ اس بلاوے پر مدلان اور لوئی تاشی کی بیٹی تنکیر، بیٹا بلذون تقریباً بھاگتے ہوئے دیوان خانے میں داخل ہوئے اور لوئی تاشی کے کہنے پر وہ کیتھرائن اور سیمر دونوں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

جب کیتھرائن اور سیمر کو باہر لے جایا گیا، تب حیرت زدہ سے انداز میں لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد نے پوچھ لیا۔

''لوئی تاشی! یہ لڑکیاں کون ہیں؟''

اس پر لوئی تاشی کہنے لگا۔

''امیر محترم! یہ دونوں لڑکیاں عیسائی ہیں۔ میرے گھر میں ان کا آنا جانا ہے۔ بس جو آپ نے تلاوت کی تو اس سے متاثر ہو کر بے چاری بھاگتی ہوئی اندر آ گئیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

منصور بن احمد خاموش ہو رہا۔ پھر پہلے کی طرح نشستوں پر سب بیٹھ گئے اور اس کے بعد گفتگو کا آغاز منصور بن احمد نے کیا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! میں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں تمہاری طرف آیا تھا۔ لیکن تم گھر پر نہیں تھے۔ تمہارے اہلِ خانہ بہت اچھے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ تمہارا بیٹا بلذون بڑا ملنسار اور احترام کرنے والا ہے۔ لوئی تاشی! حالات بدتر اور خراب ہو رہے ہیں۔ ہلاکو خان، مسلمانوں کے علاقوں میں جست و خیز کرنے لگا ہے۔ ایک بات یاد رکھنا، گو میں نے بغداد کے اندر ہونے والی تباہی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اس کی تباہی کے زخم میں اپنے دل پر محسوس کرتا ہوں۔ بغداد کے بعد ہلاکو خان میافارقین کی

طرف بڑھا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میافارقین کو اس سے بچایا جائے۔ اس بنا پر میں اس کے پڑاؤ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن جو چھوٹا سا لشکر ہم لے کر گئے تھے، وہ ہلاکو خان کی ترکتاز اور یلغار کو روکنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ اس بنا پر اُسے نقصان پہنچانے کے بعد جب ہم وہاں سے پلٹے تو ہماری غیر موجودگی میں ہلاکو خان نے میافارقین شہر کو فتح کر لیا اور وہاں بھی تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کا وہی کھیل کھیلا گیا جو بغداد میں کھیلا گیا تھا۔ اب جو ہمارے مخبر خبریں لے کر آئے ہیں، ان کے مطابق ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ اربل شہر کی طرف بڑھے گا۔ میں چاہتا ہوں، اربل شہر کو ہلاکو خان کی گرفت میں جانے سے روکا جائے اور مجھے امید ہے، میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن اس کے لئے مجھے پہلے کی نسبت بڑے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔ لوئی تاشی! میں چاہتا ہوں کہ تم ایک قاصد برقائی خان کی طرف روانہ کرو، اسے آگاہ کرو کہ ہلاکو خان، اربل شہر کی طرف پیش قدمی کر کے حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ میں شہر کے دفاع کے لئے یہاں سے نکلوں گا۔ اس بار پہلے کی نسبت بڑا لشکر اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میں برقائی خان سے یہ چاہتا ہوں کہ ہماری غیر موجودگی میں وہ ہمارے علاقوں پر نگاہ رکھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہلاکو خان کے مخبر یہ اطلاع دیں کہ ہم اپنے لشکر کا ایک بڑا حصہ لے کر اربل کی طرف گئے ہیں، لہٰذا اس سے فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے ان علاقوں پر حملہ آور ہو کر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلے گا۔ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو سمجھ لو، پھر وہ ہماری بنیادیں ہلا کر رکھ دے گا۔ جب کہ میں ایسا نہیں چاہتا۔ اس بار شاید ہلاکو خان کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ طویل اور تیز ہو۔ لوئی تاشی! زندگی خداوند قدوس کی طرف سے مستعار اور امانت ہے۔ اس بار میں ارادہ کر چکا ہوں کہ کھل کر ہلاکو کے سامنے آؤں گا اور اسے بتاؤں گا کہ نہ وہ ناقابل تسخیر ہے اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ اس کی یلغار اور ترکتاز کو روکا نہ جا سکے۔"

اس موقع پر لوئی تاشی، یانگ خان، شرف الدین اور حسام الدین کے علاوہ باقی سالار بھی تحسین آمیز انداز میں منصور بن احمد کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ پھر لوئی تاشی نے یانگ خان سے کہا۔

"یانگ خان! میرے بھائی! دو قاصد برقائی خان کی طرف بھیجو اور امیر کا پیغام ان

دونوں قاصد برقائی خان تک پہنچائیں۔ تاکہ ہمارا یہ علاقہ محفوظ رہے۔"

اس کے ساتھ ہی یانگ خان وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

یانگ خان کے جانے کے بعد گفتگو کا سلسلہ منصور بن احمد نے پھر شروع کیا اور کہنے لگا۔

"مجھے امید ہے، دو روز تک شرف الدین اور حسام الدین کے اہلِ خانہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ ان دونوں نے جو اپنے آدمی ان کو لانے کے لئے بھیجے ہیں، وہ انہیں محفوظ مقامات سے لے کر آئیں گے۔ ان کے یہاں پہنچنے سے دو روز بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر کے اربل شہر کا رخ کروں گا۔ لوئی تاشی اور یانگ خان! تم دونوں حسبِ سابق یہیں رہو گے، اپنے علاقوں کا دفاع کرو گے۔ ایک چھوٹا سا لشکر بھی تمہارے پاس رہے گا۔ اس کے علاوہ مجھے امید ہے کہ برقائی خان بھی اس سلسلہ میں ہماری مدد کرے گا۔ باقی لشکر لے کر میں، شرف الدین اور حسام الدین اپنی مہم پر نکلیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ اس بار ہلاکو خان کے ساتھ ہمارا بڑا ٹکراؤ ہوگا اور ہم نے اس پر ثابت کرنا ہے کہ ہم اسے پسپا بھی کر سکتے ہیں اور اس کے مقدر میں شکست کے داغ بھی لگا سکتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! میں اب جاتا ہوں۔ یانگ خان نے برقائی خان کی طرف قاصد بھیج دیئے ہوں گے۔ جو وہ جواب لائیں گے، اس کے مطابق کرنا۔"

اس موقع پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"آپ شام کا کھانا یہیں کھا کر جایئے گا۔ یہ میرے اہلِ خانہ کی بھی خواہش ہے۔"

اس پر منصور بن احمد مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

"جو کھانا میں وہاں اپنے کمرے میں کھاتا ہوں، وہ بھی آپ لوگوں کا ہے۔ میں کہیں محنت مشقت سے کما کر تو نہیں کھاتا۔ لوئی تاشی! تم سب لوگوں کی یہ بڑی مہربانی اور احسان ہے کہ تم لوگوں نے ہمیں یہاں ٹھکانا مہیا کیا۔"

اس سے آگے منصور بن احمد کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ تڑپ کر لوئی تاشی نے اس

کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔

''امیر! اس سے آگے کچھ نہ کہیئے گا۔ یہ سارا علاقہ آپ کا ہے۔ ہم آپ کے ہیں اور آپ کے ماتحت اور آپ کے احکامات کا اتباع کرنے والے ہیں۔ تم خدا لاشریک اور مہربان کی، جہاں آپ پاؤں رکھیں گے، وہاں ہم اپنا ہاتھ رکھنے کے لئے تیار ہیں۔''

منصور بن احمد کی آنکھیں نم ناک ہوگئی تھیں۔ اس نے لوئی تاشی کا ہاتھ تھپتھپایا کہنے لگا۔

''اب تم اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہو۔ ہم جاتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد، حسام الدین، شرف الدین اور دوسرے وہاں سے نکل گئے تھے۔

اس روز شام کے قریب برقائی خان کی طرف سے لشکر ان علاقوں میں پہنچ گیا۔ دو روز بعد شرف الدین اور حسام الدین کے اہلِ خانہ بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس کے دو روز بعد منصور بن احمد ایک خاصا بڑا لشکر لے کر کوہستانِ قپچاق سے اربل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

○○○○○

مؤرخین کے مطابق اربل ایک مشہور اور نامور شہر تھا۔ چین کے جنوبی پہلو پر ایک بڑا کوہستانی سلسلہ ہے اور اس کوہستانی سلسلہ کے اوپر ایک احاطہ بنا ہوا ہے۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اس احاطہ میں حضرت یعقوبؑ کے چار بیٹوں کی جو حضرت یوسفؑ کے بھائی تھے، قبریں ہیں۔ اس سے آگے دوسرے پہاڑی سلسلے پر پہنچیں تو اس کے نچلے حصہ میں ایک غار ہے اور اس غار کے اندر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی قبر ہے۔

جنگی نقطۂ نگاہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے منصور بن احمد نے اسی کوہستانی سلسلہ کے سامنے آکر اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا تھا۔ کوہستانی سلسلہ کے اوپر بڑی بڑی چٹانیں تھیں۔ ہلاکو خان ابھی اپنا لشکر لے کر اربل شہر نہیں پہنچا تھا، لہٰذا اس کی آمد سے پہلے پہلے منصور اپنے عسکری انتظامات کو آخری شکل دے دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ لگاتار دو دن تک اس نے اپنے لشکریوں کو مشق کرائی کہ اگر منگولوں کا دباؤ ان پر بڑھ جائے تو انہوں نے کوہستانی سلسلہ کی چٹانوں اور پتھروں کے پیچھے بیٹھ کر منگولوں پر تیر اندازی کرتے ہوئے انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا ہے اور ہر صورت میں انہیں شکست دینے کی کوشش کرنی ہے۔ اس طرح دو دن تک لگاتار اربل کے ان کوہستانی سلسلوں کے اندر مشق کرنے کے بعد منصور بن احمد اب ہلاکو خان کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔ اسی دوران منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین نے اربل شہر کے حاکم، ابنِ صلایا سے بھی رابطہ قائم کر لیا تھا اور ہلاکو خان اور اُس کے لشکر سے نمٹنے کے لئے کافی حد تک مشورہ بھی ہو گیا تھا۔

تین دن وہاں قیام کرنے کے بعد منصور بن احمد کے مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ منگولوں کا لشکر دو حصوں میں اربل شہر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہلاکو خان بڑے حصے کے ساتھ پیچھے ہے اور چھوٹے دستوں کو آگے بھیجا ہے اور دونوں لشکروں کے درمیان کم از کم دس میل کا فاصلہ ہوگا۔

یہ خبر سن کر منصور بن احمد نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس موقع پر شرف الدین اور حسام الدین بھی دونوں اس کے پاس تھے۔ لہٰذا مخبر جب ساری تفصیل بتا چکا، تب منصور بن احمد اپنے دونوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے بولا۔

''میرے عزیز بھائیو! لشکر کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، یکجا ہو کر پہلے ہلاکو خان کے ہراول لشکر پر ضرب لگائی جائے گی۔ ضرب ایسی سخت اور شدید ہونی چاہئے کہ ہلاکو کے لشکر کا یہ حصہ چیخ چلا اُٹھے۔''

شرف الدین اور حسام الدین نے جب اس سے اتفاق کیا، تب آنے والے مخبر کو مخاطب کر کے منصور بن احمد کہنے لگا۔

''میرے بھائی! تُو نے یہ نہیں بتایا کہ مقدمۃ الجیش کی کمانداری کون کر رہا ہے۔''

اس پر آنے والا مخبر بول اُٹھا اور کہنے لگا۔

''امیر! اس لشکر کی کمانداری منگولوں کے دو نامور سالاروں کے ہاتھ میں ہے، ان میں سے ایک کا نام توران سلاوز اور دوسرے کا نام توبان سونجاق ہے۔''

یہ دونوں نام سن کر منصور بن احمد کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''اچھا، اگر یہ بات ہے تو پھر آج وہ نہیں یا ہم نہیں۔ یہ فیصلہ ہو کر رہے گا۔''

اس کے بعد اس نے اپنے لشکر کے پیچھے ان مخبروں کو آرام کرنے کا مشورہ دیا، ساتھ ہی کچھ دیر تک وہ بڑے رازدارانہ انداز میں حسام الدین اور شرف الدین کے ساتھ مشورہ کرتا رہا۔ کچھ دیر ایسی ہی صورتِ حال رہی، پھر لشکر کا ایک حصہ منصور بن احمد نے کوہستانی سلسلہ کی بڑی بڑی چٹانوں اور پتھروں کے پیچھے تیروں کو لیس کر کے کمان میں بٹھا دیا تھا۔ باقی لشکر کو وہ وقت کے بجھے دام میں مقدس سحر کی تابانی، صدیوں کے راز لئے قوم کے آئینوں کے جوہر کی طرح حرکت میں لایا اور اربل شہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شہر کے قریب وہ رک گیا۔ جو صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس سے اربل کے حاکم ابن صلایا کو آگاہ کیا اور اسے یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ شہر کے اندر جس قدر لشکر ہے، اسے چوکس کر دے اور سارے لشکر کو شہر کی حفاظت کے لئے شہر پناہ پر مقرر کر دے۔ ایسا کرنے کے بعد منصور بن احمد نے ایک بار پھر اپنے لشکر کو عمر کے ویران راستوں پر نا آسودگی کے گرم موسموں اور ہر شے کے حریم جان میں گھس جانے والی کھولتی موجوں کے تند ریلوں کی طرح آگے بڑھایا۔ سامنے کی طرف سے ہلاکو خان کا مقدمۃ الجیش نمودار ہوا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین نے اعصاب کو شل، اوسان کو خطا، سینوں کو ویران کر دینے والی موت کی بھیانک صداؤں اور فطرت کے جلال کی سی تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد منصور بن احمد اپنے پورے لشکر کے ساتھ ہلاکو خان کے ہراول لشکر پر عزت و وقار کو یتیم، جذبوں اور احساسات کو تقسیم کر دینے والے بحر کے غصیلے رقص، چہروں کی تابانی، ہوش و خرد کی پاسبانی چھین لینے والی اذیت اور جذبوں کو دھواں دھواں، ارادوں کو کرچی کرچی کر دینے والے لا انتہا کرب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے منگول بھی منصور کے لشکر پر درد کے رابطوں کا کرب لئے سیاہ بختی کے سایوں، خناس کے وسوسے لئے خونی بگولوں، انحطاط و زوال طاری کرتے مجروح شیطانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح اربل شہر کے نواح میں جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے تو سکوت کے جلال کے عکس میں ہولناک طاقتور موت، خوف پھیلاتے گرداب، مجبوریوں کے پیہم رقص اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ بڑے بڑے تیغ زن، بڑے بڑے سورما اور بڑے بڑے نامور منگول جو اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر خیال کرتے تھے، میدانِ جنگ میں بے حصار، بے سپر، بے دفاع، بے سنان ہونا شروع ہو گئے تھے۔ رزم گاہ کے اندر روحوں کی بازی گری، وحشی ترنگ، تعصب کی دہکتی آگ اور درد کی حکایتیں چار سُو ناچ اُٹھی تھیں۔

منگولوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے اس لشکر کو شکست دے کر بری طرح کاٹ کر رکھ دیں لیکن الٹا منصور بن احمد نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا

قتل عام شروع کر دیا تھا۔

کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ یہاں تک کہ اربل شہر کے نواح میں ان گنت منگولوں کو موت کی گہری نیند سلا دیئے گئے۔ چاروں طرف ان کی لاشیں بکھری دکھائی دینے لگی تھیں۔ منگولوں کے سالاروں نے جب دیکھا کہ اب بات ان کے بس کی نہیں رہی اور مسلمان اب پوری طرح ان کا قتل عام شروع کر چکے ہیں اور یہ کہ ان کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہو رہی ہے، تب شکست قبول کرتے ہوئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ منصور بن احمد نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ انتہائی ہولناک اور کرب خیز انداز میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی تعداد کو مزید کم کیا اور بہت کم منگولوں کو اپنی جانیں بچا کر ہلاکو خان کی طرف جانے کا موقع ملا۔

اس طرح منصور بن احمد نے ایک طرح سے ہلاکو خان کے اس مقدمتہ الجیش کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

ہلاکو خان کے مقدمتہ الجیش کا خاتمہ کرنے کے بعد منصور بن احمد بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اور واپس اسی کوہستانی سلسلے کی طرف گیا جہاں اس کے لشکر کا پڑاؤ تھا۔ جاتے ہی اس نے پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا۔ آن کی آن میں خیمے اُکھاڑ دیئے گئے اور خیموں کو کوہستانی سلسلے کے اوپر بڑی بڑی چٹانوں کے پیچھے ڈھیر کر دیا گیا۔ خیموں کے اندر کھانے پینے کا جس قدر سامان تھا، وہ بھی کوہستانی سلسلہ کے اوپر چڑھا دیا گیا۔ اور گھوڑوں، باربرداری کے جانوروں کو بھی اوپر لے جایا گیا اور بڑی بڑی چٹانوں اور پتھروں کے پیچھے ان گنت تیر انداز بٹھا کر ان کے پاس تیروں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔ اس طرح گویا منصور بن احمد نے ہلاکو خان کے ساتھ ایک طویل کھیل کھیلنے کی منصوبہ بندی کر لی تھی۔

○○○○○

دوسری طرف ہلاکو خان کا مقدمتہ الجیش جب شکست اٹھا کر واپس ہلاکو خان کے پاس پہنچا، ہلاکو خان کے غصے اور اس کے غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے مقدمتہ الجیش کے دونوں سالاروں کو بلایا۔ پہلے جواب طلب کرنے کے انداز میں ان کی طرف

دیکھا۔ اس کے دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ فوراً اپنی تلوار بے نیام کرے گا اور اپنے ان دونوں سالاروں کی گردن کاٹ کر رکھ دے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ پھر وہ کھولتے لہجہ میں دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تمہاری حالت سے لگتا ہے کہ تم دونوں بدترین شکست اٹھا کر آئے ہو۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہاری اس شکست کی وجہ کیا ہے؟ اور تمہیں شکست دینے والا کون ہے؟“

ہلاکو خان کے اس سوال کے جواب میں اس کے دونوں بڑے سالاروں میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

”خاقان! یہ مسلمانوں کا وہی سالار ہے، جس کا نام منصور بن احمد ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دو نائب بھی ہیں جن کے نام شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار ہیں۔ حسام الدین ترک ہے، شرف الدین کرد ہے۔ یہ وہی ہیں جو اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر فتح الدین کی موت کے بعد بغداد سے بھاگنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ منصور بن احمد ہی ہے، جب بغداد سے آپ نے اس کے تعاقب میں ایک لشکر بھیجا تھا تو اس لشکر کو پوری طرح اس منصور بن احمد نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور یہ وہی منصور بن احمد ہے، جس نے میافارقین شہر کے نواح میں ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر پڑاؤ میں جس قدر ہمارے لشکری تھے، سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پڑاؤ سے اپنی ضروریات کی ہر چیز کو نکال لیا اور ہمارے پڑاؤ کو آگ لگاتا چلا گیا۔ آج بھی اس نے ہمارے ساتھ عجیب کھیل کھیلا ہے۔ خاقان! وہ بڑا خون خوار سالار ہے اور جب حملہ آور ہوتا ہے تو اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ اپنے لشکریوں کے آگے رہتا ہے۔ خود ناقابلِ برداشت ضربیں لگانے کے ساتھ ساتھ اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے ان کا حوصلہ بھی بڑھاتا رہتا ہے۔“

یہ ساری گفتگو سننے کے بعد ہلاکو کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا جیسے یہ ساری گفتگو اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ کچھ دیر تک گم صم کھڑا رہا۔ اس موقع پر اس کی بیوی دوقوزہ بھی اس کے پاس آئی اور پھر وہ ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا یہ وہی منصور بن احمد نہیں، جس کے لشکری یا وہ خود میری بہن سیمر کو اٹھا کر

لے گئے تھے اور ابھی تک اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔"

جواب میں ہلاکو خان بڑی بے زاری اور غصے میں کہنے لگا۔

"صرف سیمر ہی نہیں، اس کے ساتھ کیتھرائن کو بھی اٹھا کر لے جایا گیا ہے کیتھرائن کی وجہ سے اس کا بھائی ختلان جو اس وقت ایک لشکر میں ہمارے ساتھ شامل ہے، وہ بھی بڑا پریشان اور فکر مند ہے۔ اسی کے کہنے پر میں نے کچھ آدمی فراتاتار کی طرف روانہ کئے تھے اور ان سے سیمر اور کیتھرائن کو طلب کیا تھا۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی سیمر یا کیتھرائن کو اٹھا کر نہیں لے گیا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو رکا، پھر اپنی بیوی دوقوزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر انہوں نے لڑکیوں کو ہی اُٹھانا ہوتا تو میرا دل کہتا ہے وہ صرف کیتھرائن اور سیمر کو ہی نہیں بلکہ میرے لشکر میں جس قدر لڑکیاں تھیں سب کو اٹھا کر لے جاتے۔ صرف سیمر اور کیتھرائن کو ساتھ لے جانے کی کوئی وجہ بنتی نہیں ہے۔ اور پھر میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ مسلمان، عورت کا بڑا احترام اور بڑی عزت کرتے ہیں۔ بہرحال کیتھرائن اور سیمر کا ہمارے پڑاؤ سے غائب ہونا ایک بہت بڑا حادثہ ہے اور ان دونوں کو ہمیں تلاش کرنا ہوگا۔ ساتھ ہی پچھلی منزل پر یہ خبر بھی پہنچ چکی ہے کہ کیتھرائن کی گمشدگی کی اطلاع اس کے باپ اور آرمیپیا کے بادشاہ حیثون کو ہو چکی ہے اور اس کو یہ خبر بھی پہنچ چکی ہے کہ کیتھرائن اور تمہاری بہن سیمر کو اس وقت غائب کیا گیا، جس وقت کوہستانِ قپچاق میں قیام کرنے والے فراتاتار ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہوئے تھے لہٰذا میرے مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ آرمیپیا کا بادشاہ حیثون ایک بہت بڑا لشکر جرار تیار کر رہا ہے اور اس لشکر کے ساتھ وہ فراتاتار قبائل پر حملہ آور ہوگا اور وہاں سے اپنی بیٹی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان رکا، پھر اپنے دونوں شکست خوردہ سالاروں کو بڑی اور بڑی رازداری میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"مسلمانوں کا سپہ سالار، جس کا نام تم منصور بن احمد بتاتے ہو، پہلے یہ بتاؤ بغداد میں اس کی حیثیت کیا تھی؟"

اس پر ایک سالار بولا اور کہنے لگا۔

"وہ بغداد کے لشکریوں کا نائب سپہ سالارِ اعلیٰ تھا۔"

اس انکشاف پر ہلاکو چونکا تھا۔ پھر اس نے دوسرا سوال کیا۔

"تم دونوں کو شکست دینے اور میری طرف مار بھگانے کے بعد وہ کدھر گیا؟"

اس پر ایک سالار بولا اور کہنے لگا۔

"ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے وہ اربل کے کوہستانی سلسلوں کی طرف سے آیا تھا اور ادھر ہی واپس چلا گیا تھا۔"

اس جواب پر ہلاکو خان کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔

"اچھا، پیش قدمی شروع کرتے ہیں۔ پہلے اربل شہر کے نواح میں جا کر پڑاؤ کرتے ہیں، پھر میں مسلمانوں کے اس سالار کا بندوبست کرتا ہوں جو اب تک ہمارے لشکریوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا چکا ہے۔"

ooooo

دوسری طرف منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین کو بھی ہلاکو خان کی پیش قدمی کی اطلاع تھی۔ لہٰذا کوہستانی سلسلہ کی ایک چٹان پر وہ تینوں اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر منصور بن احمد سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائیو! دیکھو میں نے ارادہ کر رکھا ہے کہ ہلاکو کو اربل شہر فتح نہیں کرنے دوں گا۔ یہ پیغام میں اربل کے حکمران کو بھی پہنچا چکا ہوں اور اربل کا حکمران ابن صلایا پوری طرح ہمارے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ اب جو قدم میں نے اٹھانا ہے، وہ غور سے سنو۔ میں نے اپنے مخبروں کو آگے بھجوا دیا ہے۔ وہ ہلاکو خان کے لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع دیں گے۔ ہلاکو خان جس وقت اربل شہر کے نواح میں پڑاؤ کر رہا ہوگا، اس وقت ہم نے اس کے لشکر پر حملہ آور ہونا ہے۔ دیکھو میرے بھائیو! لشکر چار حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا شرف الدین، تیسرا حسام الدین اور چوتھا اپنے کسی دوسرے سالار کی کمانداری میں دیا جائے گا۔ یہاں سے ہم اس وقت کوچ کریں گے جس وقت ہمارے مخبر اطلاع دیں گے کہ ہلاکو خان، اربل شہر کے نواح میں

پہنچ کر پڑاؤ کرنے والا ہے۔ لہٰذا لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہم ہلاکو خان کے لشکر کی طرف جائیں گے۔ اگر ہلاکو خان، شہر کے شمال میں پڑاؤ کرتا ہے تو ہم شہر کے جنوب کی طرف چکر کاٹتے ہوئے اس کی طرف جائیں گے اور اگر ہلاکو خان، شہر کی جنوبی سمت میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کرتا ہے تو پھر ہم شمال کی طرف سے چکر کاٹ کر اس کی طرف جائیں گے۔ جس وقت ہلاکو خان کے لشکری پڑاؤ قائم کرنے میں بری طرح مصروف ہوں گے، تب ایک طرف سے میں ضرب لگاؤں گا اور دوسری طرف سے حسام الدین اور شرف الدین دونوں ہلاکو خان کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں گے۔ کچھ دیر تک جم کر مقابلہ کیا جائے گا۔ کوشش یہ کی جائے گی کہ زیادہ سے زیادہ منگولوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ پڑاؤ سے کوئی چیز حاصل نہیں کی جائے گی۔ اس طرح وہ چیزیں ہمارے لئے بوجھ بن جائیں گی اور ہماری کارکردگی کی رفتار ست پڑ جائے گی۔ دشمن کے لشکر پر اس وقت تک ہم نے ضرب لگانی ہے اور اس وقت تک ہم نے ان کا قتل عام کرنا ہے، جب تک میں تکبیریں بلند نہ کروں۔ جوں ہی میری طرف سے تکبیریں بلند ہوں گی، شرف الدین اور حسام الدین کے پاس جو لشکر ہو گا، وہ فوراً دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک سمت سے بھاگ نکلے گا۔ ایک حصہ جو شرف الدین کے پاس ہو گا، وہ سیدھا اپنے کوہستانی سلسلہ کی طرف بھاگے گا۔ اور جو لشکر حسام الدین کی کمانداری میں ہو گا، وہ پڑاؤ سے ذرا پیچھے ہٹ کر شرف الدین کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے گا۔

ظاہر ہے، منگول شرف الدین کا تعاقب کریں گے اور جب پشت کی جانب سے منگول، شرف الدین کا تعاقب کرتے ہوئے نزدیک پہنچ جائیں اور حملہ آور ہونے کی کوشش کریں، تب ان کے ایک طرف سے اچانک حسام الدین نمودار ہو گا۔ یہ منگولوں پر ایسی تیز تیراندازی کرے گا کہ ان میں سے اکثر کو زخمی کر دے گا۔ پھر ان پر حملہ آور ہو گا۔ اتنی دیر تک شرف الدین بھی مڑ کر منگولوں پر ٹوٹ پڑے گا اور تعاقب کرنے والے منگولوں کا اس طرح خاتمہ کر دیا جائے گا۔

یہی معاملہ میرے ساتھ بھی دہرایا جائے گا۔ میں اپنے حصہ کے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دوں گا اور جس طرح شرف الدین سیدھا بھاگے گا، میں بھی سیدھا بھاگوں گا اور میرے ساتھ جو لشکر کا دوسرا حصہ بنے گا، وہ حصہ ایک طرف ہو جائے گا تا کہ دشمن

نگاہ میں نہ رہے۔ اور جب تعاقب کرنے والے مجھ پر حملہ آور ہوں گے تو وہ بھی حسام الدین کی طرح ایک طرف سے نمودار ہو کر پہلے منگولوں پر تیراندازی کرے گا۔ پھر ان پر حملہ آور ہو جائے گا اور میں بھی مڑ کر منگولوں پر ٹوٹ پڑوں گا۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح ہم تعاقب کرنے والے سارے منگولوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا، اس سے ہم ہلاکو کے لشکر کو بے پناہ نقصان پہنچائیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہمارے اس طرح حملہ آور ہونے سے ایک طرح سے ہلاکو پر ہمارا خوف اور وحشت چھا جائے گی۔ اور اس کے اربل شہر پر حملہ آور ہونے کی رفتار ست ہو جائے گی۔ اور اگر اس کے باوجود اس نے اربل شہر پر فتح حاصل کرنے کے لئے بار بار حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو ہم بھی اچانک نمودار ہو کر بار بار اس پر حملہ آور ہوں گے اور اس کے لشکر کی تعداد کم کرتے رہیں گے اور کبھی ایسا بھی موقع آئے گا کہ جب ہلاکو کے لشکر کی تعداد خاصی کم ہو جائے گی تو ہم خم ٹھونک کر اس کے سامنے آئیں گے اور اسے بتائیں گے کہ مسلمان جب انتقام پر اُترتے ہیں تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ گو ہلاکو خان اپنے ساتھ اپنا پورا لشکر لے کر نہیں آیا۔ اس کے ایک بہت بڑے لشکر نے بغداد میں قیام کیا ہوا ہے۔ اس سے بھی لشکر کا بڑا حصہ میافارقین میں ہے اور کچھ دوسری جگہوں پر بھی اس نے اپنے محفوظ لشکر رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ جو چاہے کرتا رہے، ہم نے اس پر ضرب لگا کر اسے ہر صورت میں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا ہے۔"

شرف الدین اور حسام الدین کے علاوہ جس قدر وہاں چھوٹے سالار بیٹھے ہوئے تھے، سب نے منصور بن احمد کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا اب وہ اپنے مخبروں کی آمد کا انتظار کرنے لگے تھے تا کہ جب وہ یہ اطلاع دیں کہ ہلاکو خان نے اربل شہر کے نواح میں پڑاؤ کرنا شروع کر دیا ہے، تب وہ اپنی کارروائی کی ابتدا کریں۔

دوسری طرف ہلاکو سوچ سمجھ کر اور قدم پھونک پھونک کر رکھتا اربل شہر کی طرف بڑھ رہا تھا اس لئے کہ وہ اپنے مقدمۃ الجیش کو پہلے ہی گنوا چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ اربل شہر کے نواح میں پہنچا اور پڑاؤ کرنا شروع کیا تو اپنے لشکر کے ایک حصہ کو اس نے چوکس رکھا تھا۔

دوسری طرف ہلاکو خان کے پہنچنے کی اطلاع مخبروں نے منصور بن احمد کو بھی کر دی
تھی۔ چنانچہ جو لائحہ عمل اور منصوبہ بندی اس نے پہلے سے اپنے سالاروں کے ساتھ کر
تھی، اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے وہ حرکت میں آیا۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا
گیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور دوسرا شرف الدین اور حسام الدین کی
کمانداری میں دیتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔

شمال کی طرف سے کاوا کاٹتے ہوئے منصور بن احمد خود آگے بڑھا۔ جنوب کی طرف
سے شرف الدین اور حسام الدین بڑھے تھے۔ پھر ہلاکو خان نے اپنے جس لشکر کو چوکس
رکھا تھا اور چاروں طرف نگاہ رکھنے کے لئے مقرر کیا تھا، بے شک وہ لشکر چوکس تھا
یہاں پڑاؤ کیا جا رہا تھا۔ حالات نازک ہونے کے باعث مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں
اس کے باوجود ہلاکو خان نے جس لشکر کو چوکس کیا تھا، اچانک اس لشکر پر منصور بن احمد
کراہتی بنجر پیاس میں حرارت کے رقص، دشت و دمن کی ظلمات کو روشن کر دینے والی
برق کی تب و تاب، خونی کرب کے نگار خانے میں وحشتوں کے ان گنت باب کھولتی
مقدر کی تشنہ لبی، کھولتے عقوبت کے بحر اور بھوکی طوفانی زقند کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ہی جنوب کی طرف سے حسام الدین اور شرف الدین نمودار ہوئے
اور وہ دوسرے حصے پر اَن دیکھے ماحول میں بدبختی کے سایوں تلے ہر شے کو فنا کے
گھاٹ اتارتی قہرمانی کے سرابوں، زندگی اور موت کی تمثیل اور ہست و نیست کے کھیل
میں موت کی راکھ، ہستی کی خاک اُڑاتے اندھیروں کے سندیسوں کی طرح ٹوٹ
پڑے تھے۔

یوں رات کی تاریکی اور اُجالے میں اربل شہر کے نواح میں عقوبت کی دلدلیں
عداوتوں کی لپٹیں، بغض و عداوت کے اندھیاؤ، سسکیوں، آہوں اور چیخوں کا حشر بپا
کی آتش کھڑی ہوئی تھی۔ رزم گاہ کے اندر برہم برق کے کوندے، قرنوں کی احادیث
خون آلود اَن کہی عداوتوں کی طغیانیاں، کھولتی بھیانک خونخواریاں اور مسلسل عذابوں کے
لمس ناچ اُٹھے تھے۔

کچھ دیر تک منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین، ہلاکو کے لشکر کے اس
حصہ پر حملہ آور ہو کر منگولوں کا قتل عام کرتے رہے۔ جب انہوں نے اندازہ لگایا، اب

ہلاکو اپنے پورے لشکر کو حرکت میں لانے لگا ہے، تب وہ ایک دم پیچھے ہٹے، شمال کی طرف
سے کاوا کاٹتے ہوئے منصور نے جنوب کی طرف سے کاوا کاٹتے ہوئے شرف الدین اور
حسام الدین نے اپنے لشکریوں کے ساتھ بھاگنا شروع کیا تھا۔ ہلاکو خان نے جلدی
میں اپنے لشکر کے دو حصے مقرر کئے اور ان کے تعاقب میں لگا دیا۔

کچھ دور جا کر شرف الدین اور حسام الدین کے علاوہ منصور بن احمد کے لشکر سے
بھی ایک حصہ علیحدہ ہو کر دائیں جانب ہو گیا۔ کچھ دور جا کر جب پشت کی جانب سے
ہلاکو خان کے لشکریوں نے حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو پھر ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔
منصور بن احمد مڑ کر اس لشکر پر حملہ آور ہوا اور اس کے لشکر کا جو حصہ علیحدہ ہو کر دائیں
جانب ہوا تھا، وہ بھی ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کا قتل عام شروع کر دیا۔

بالکل اسی طرح حسام الدین اور شرف الدین کی بھی یہی حالت تھی۔ ان کے لشکر کا
بھی ایک حصہ علیحدہ ہو کر ایک طرف ہو گیا تھا۔ اور جب پشت کی جانب سے منگول حملہ
آور ہونے کے لئے نزدیک پہنچے، تب سامنے کی طرف سے شرف الدین اور ایک طرف
سے حسام الدین ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کا دوطرفہ قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اس طرح
ہلاکو خان نے ان کے تعاقب میں جو دو لشکر مقرر کئے تھے، ان کی کافی تعداد کو انہوں
نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقی شکست قبول کرتے ہوئے اپنے پڑاؤ کی طرف
بھاگ گئے۔

منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین اپنے لشکر کو لے کر اپنے کوہستانی
سلسلہ کی طرف چلے گئے تھے۔ ہلاکو خان کو اپنے دونوں لشکروں کے نقصان کا بے حد دکھ
اور غم تھا۔ چنانچہ اگلے روز وہ اس کوہستانی سلسلہ کی طرف بڑھا، جس میں منصور بن احمد
نے اپنے لشکر کے ساتھ گھات لگا رکھی تھی۔ جب وہ کوہستانی سلسلہ کے قریب گیا تو وہاں
کچھ بھی نہ تھا۔ منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین نے ہر چیز کو چٹانوں کے
پیچھے چھپا رکھا تھا اور جو لشکر کے اندر خوراک کے لئے استعمال ہونے والے اور
بار برداری کے جانور تھے، انہیں وہ کوہستانی سلسلہ کی دوسری جانب لے گئے تھے اور اس
طرف گھوڑوں کو بھی لے جایا گیا تھا۔ چنانچہ جوں ہی ہلاکو خان اس کوہستانی سلسلہ کے
قریب گیا، اس کوہستانی سلسلہ کے درمیانی حصہ کے علاوہ دائیں بائیں طرف سے ان پر

ایسی تیز اور موسلادھار تیراندازی کی گئی کہ ہلاکو خان کے ان گنت لشکری چھد کر اپنے
گھوڑوں سے گر کر موت کی نیند سو گئے۔

ہلاکو خان نے اس حالت کو اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھا لہٰذا مرنے والوں کو
وہیں چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ گیا اور اپنے پڑاؤ میں چلا گیا تھا۔ اس دوران منصور بن احمد
کے لشکری، کوہستانی سلسلہ سے نیچے اُترے اور مرنے والے منگولوں کے گھوڑوں کو پکڑ کر
لے گئے تھے۔

یوں ہلاکو خان کے ساتھ چند دن تک منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین
شب خون اور اچانک حملہ آور ہونے کا کھیل کھیلتے رہے۔ اور مؤرخین وضاحت اور تفصیل
کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہلاکو، اربل شہر پر قبضہ نہ کر سکا اور وہاں سے واپس چلا گیا۔

○○○○○

کیتھرائن اور سیمر کی تعلیم و تربیت پر جو مبلّغ مقرر تھا، ایک روز جب وہ دونوں
کے پاس آیا، دونوں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ پھر دونوں اس کے
سامنے بیٹھ گئیں۔

اس موقع پر کیتھرائن بولی اور اُس مبلّغ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرے محترم! آپ ہمیں اسلام کے متعلق بہت کچھ بتا چکے ہیں۔ آپ نے ہمیں
قرآن پڑھنا سکھایا۔ اس کے علاوہ عقائدِ باطلہ کی تردید، کفر کا رد، عقیدۂ تثلیث کا رد،
عقیدہ ابنیت کا رد، عقیدہ ثنویت کا رد، روح اور مادہ کی ابدیت کا رد، اس کے علاوہ بھی
آپ نے ہمیں بہت کچھ پڑھایا اور سکھایا۔ آپ نے ہمیں اللہ پر ایمان، وحی الٰہی کی
شہادت، ملائکہ پر ایمان، انبیاء پر ایمان، قیامت کے دن پر ایمان، تقدیر پر ایمان، روزہ
کے اوقات، روزہ کے احکامات، فلسفہ روزہ، زکوٰۃ کا معاشرتی نظام اور مقام، زکوٰۃ کے
اجتماعی فوائد، نماز کے آداب و شرائط، نماز کی حقیقت و اہمیت، فلسفہ نماز، اس کے علاوہ
ہمیں بہت کچھ پڑھایا، سکھایا اور سمجھایا۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ آج آپ ہمیں اسلام
اور عیسائیت میں جو نمایاں فرق ہے، اس کے متعلق کچھ سمجھائیں تاکہ ہم اپنی مرضی اور
اپنی سمجھ کے مطابق کوئی ایک راستہ اپنانے میں کامیاب ہو جائیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کیتھرائن جب خاموش ہوئی تو تھوڑی دیر تک وہ مبلّغ ہلکے ہلکے
تبسم میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''میری بیٹی! میری بچی! اسلام اور مسیحیت میں بہت فرق ہے۔ جو چند باتیں میں
جانتا ہوں، وہ تمہیں بتاتا ہوں۔ آگے فیصلہ کرنا تم دونوں بہنوں کا کام ہے۔ اس لئے

کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ اگر تم اپنی مرضی سے اسلام قبول کرو گی تو سارے مسلمان تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔

میری بچیو! مسیحیت، تثلیث کی قائل ہے۔ عیسائیت میں باپ، بیٹا، روح القدس جانا جاتا ہے۔ یعنی خدائی تین اکنوم سے مرکب ہے۔ ہر اکنوم الگ الگ خدائی صفات کی مالک ہے۔ یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر عیسائیت کی عمارت قائم ہے۔

جب کہ اس کے مقابلہ میں اسلام خالص توحید کا قائل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ مثلاً توحید کو نہایت ہی خوب صورتی کے ساتھ اس سورۃ اخلاص میں بیان کیا گیا ہے جو میں تم دونوں بہنوں کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا چکا ہوں جس میں کہا گیا ہے، کہو اللہ ایک ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ نہ اس کا لڑکا ہے نہ باپ اور نہ اس کا کوئی ہم سفر ہے۔ اس کے علاوہ ہماری مقدس کتاب کہتی ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

پھر مسیحیت کہتی ہے، بنی نوع انسان گناہ گار ہے۔ آدم نے گناہ کیا۔ اب یہ گناہ اس کی وارث نسل انسانی میں چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا جمیع بنی نوع انسان گناہ میں ملوث ہے جس سے وہ نکل نہیں سکتی۔

جب کہ اس کے مقابلہ میں اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ ہم نے انسان کو بہترین احسن میں پیدا کیا۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہر بچہ فطرت صحیح میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ہماری مقدس کتاب کہتی ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ انسانوں کے گناہ توبہ واستغفار کرنے سے معاف کر دیتا ہے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، بخش دیتا ہے۔ اسلام کا خدا بہت رحم رحمت والا ہے۔ اس کی رحمت ہی کی چادر ہر چیز کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

عیسائیت کہتی ہے کہ شریعت لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد شرائع نازل کیں۔ تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ انسان شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس لئے شریعت

لعنت ثابت ہوئی۔ کیونکہ آدمؑ کے کافی گناہ کی وجہ سے انبیاء بھی بے گناہ نہ نکلے۔

لیکن اسلام اس دعویٰ کو رد کرتا ہے۔ خداوند قدوس کا کہنا ہے کہ میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے۔ اسلام کے نزدیک کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔ اسلام شریعت کو رہبری کا راستہ یعنی لوگوں کے لئے ہدایت کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کو بنی نوع انسان کے لئے ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس نے کوئی ایسا حکم نازل نہیں فرمایا جس پر انسان عمل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کسی کے نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شریعت میں کوئی ایسا حکم نازل نہیں کیا۔

عیسائیت کہتی ہے، نجات کا ذریعہ کفارہ ہے۔ انسان فطرتاً گناہ گار ہونے کی وجہ سے کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ جب کہ ہماری مقدس کتاب میں خداوند قدوس فرماتا ہے۔ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لاؤ اور نیک عمل کئے جاؤ کیونکہ ان کا اجر رب کے پاس ہے۔ پھر فرمایا۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں، وہ ان باغوں کے وارث ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

میری بیٹیو! عیسائیت کہتی ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو انسانی شکل میں بھیجا اور وہ خدائی صفات کا حامل تھا۔

جب کہ ہماری مقدس کتاب کہتی ہے کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات توالد اور تناسل کے سلسلہ سے پاک ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، تمام انبیاء بشر ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام بشر اور خدا کے نبی ہیں۔

ہماری مقدس کتاب کہتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے بیٹا بنایا۔ یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گزرے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ وہ رحمان کے لئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

پھر عیسائیت کہتی ہے، یسوع مسیح لعنتی موت مرا۔ یعنی یسوع مسیح، اللہ کے گناہوں کے عوض صلیب پر لعنتی موت مرا۔ تین دن جہنم میں رہا، پھر مردوں سے جی اٹھا اور بادلوں میں غائب ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ خدا کے ہاں بیٹھا ہوا ہے۔

جبکہ ہمارا دین کہتا ہے کہ تمام انبیاء مقرب ہوتے ہیں۔ انبیاء ملعون نہیں ہوتے بلکہ وہ مقرب اور منصور ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ بھی خدا کے برگزیدہ مقرب نبی تھے۔

پھر مسیحیت کہتی ہے، یسوع مسیح کا پیغام قومی تھا۔ اناجیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغام عالمگیر نہ تھا بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا۔ اپنے ایک پیغام میں انہوں نے کہا، غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہو جانا۔ بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔

جب کہ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ اسلام کا پیغام ازروئے قرآنِ مقدس اس طرح ہے۔ یہ کتاب عام انسانوں کے لئے نصیحت ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ اے رسول! ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مبلغ رک گیا۔ پھر باری باری کیتھرائن اور سیمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری دونوں بچیو! اسلام اور مسیحیت سے متعلق جس قدر میں جانتا تھا، دونوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے میں نے تمہیں تفصیل بتا دی ہے۔ میری بچیو! اب آگے فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ جو فیصلہ تم اپنے ضمیر کے مطابق کرو گی، تمہارے لئے وہی اچھا خیال کیا جائے گا۔''

اس موقع پر کیتھرائن اور سیمر دونوں نے تھوڑی دیر تک بڑے رازدارانہ انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ کھسر پھسر کی، صلاح مشورہ کیا، اس کے بعد دونوں نے اپنے اس مبلغ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔

ان دونوں کے اس طرح اسلام قبول کرنے پر فراتا تار قبائل کے لوگوں میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

OOOOO

ایک روز لوئی تاشی کی حویلی میں اس کی بیوی مدلان، بیٹا بلدون اور بیٹی تنکیر تینوں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ کمرے میں لوئی تاشی داخل ہوا۔ وہ کچھ فکرمند تھا۔ آگے بڑھ کر دیوان خانے کی ایک نشست پر بیٹھ گیا۔

لوئی تاشی کی بیٹی تنکیر کچھ دیر تک باپ کی طرف بڑے غور سے دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''بابا! کیا بات ہے؟ میں دیکھتی ہوں، آپ کچھ پریشان اور فکرمند ہیں۔''

لوئی تاشی جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دیوان خانے کے کمرے کے دروازے پر کیتھرائن اور سیمر دونوں نمودار ہوئی تھیں۔ کیتھرائن، لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بابا! ہم دونوں اندر آ سکتی ہیں؟''

اس موقع پر لوئی تاشی نے گھورنے کے انداز میں باری باری سیمر اور کیتھرائن کی طرف دیکھا، پھر شکووں بھری آواز میں کہنے لگا۔

''کیتھرائن اور سیمر! میری دونوں بیٹیو! تمہارا اس طرح اجازت لے کر میرے اور میرے اہلِ خانہ کے پاس آنا مجھے اچھا نہیں لگا۔ دونوں کی حیثیت میری بیٹی تنکیر جیسی ہے۔ اور تم میرے گھر کی ہی دو افراد ہو۔ میری بچیو! اندر آؤ اور بیٹھو۔''

اس پر کیتھرائن اور سیمر دونوں آگے بڑھ کر تنکیر کے پہلو میں بیٹھ گئی تھیں۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز سیمر نے کیا اور لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بابا! جس وقت ہم دونوں دیوان خانے کے دروازے پر آئی تھیں تو تنکیر نے آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ پریشان اور فکرمند کیوں ہیں۔ لیکن ہمارے آنے کی وجہ سے آپ جواب نہ دے سکے۔ کیا اس کی وجہ نہ بتائیں گے؟''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر لوئی تاشی کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ کہنے لگا۔

''سنو بیٹی! فکرمندی کی ایک بات ہے اور میرے پاس ایک خوشی کی خبر بھی ہے۔''

جواب میں اس بار کیتھرائن بول اٹھی اور کہنے لگی۔

''بابا! اگر یہ بات ہے تو پہلے خوشی والی بات بتایئے، اس کے بعد فکرمندی والی۔''

اس پر چھاتی تانتے ہوئے لوئی تاشی کہنے لگا۔

''خوشی کی بات یہ ہے کہ اربل شہر کے نواح میں منصور بن احمد نے ہلاکو کے لشکر کو بدترین شکست دی ہے۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے ہلاکو خان کے لشکر کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ ہلاکو خان کی سب سے بڑی خواہش، کوشش اور ارادہ یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح

اربل شہر کو فتح کرے۔ لیکن ہلاکو خان کے لشکر کو اربل شہر کے نواح میں ایک بار شکست دینے کے بعد منصور بن احمد نے اس کے ساتھ شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ منصور بن احمد نے نہ صرف ہلاکو خان کے ہراول لشکر کا مکمل صفایا کر دیا بلکہ ایک موقع پر جب اس نے منصور بن احمد کے کوہستانی ٹھکانے پر حملہ آور ہو کر اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہا تو ہلاکو خان کو پسپا ہونا پڑا اور تنگ آ کر ہلاکو خان نے اربل شہر کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ اب امیر منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ احتیاط کے طور پر اربل شہر کے قریب کوہستانی سلسلہ میں ہی قیام کئے ہوئے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی رکا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"میری بچیو! یہ وہ خبر ہے، جسے اچھی خبر کہا جا سکتا ہے۔ اور جو فکرمندی والی خبر ہے، وہ یہ کہ ہماری بیٹی کیتھرائن کا باپ اور آرمینیا کا بادشاہ حیثون ایک بڑے لشکر کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر چکا ہے۔ ہمارے مخبروں کا کہنا ہے کہ چند روز تک یہاں پہنچ کر ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔"

یہ خبر سن کر سب بڑے پریشان اور فکرمند ہو گئے تھے اور لوئی تاشی اور اس کے اہلِ خانہ، کیتھرائن اور سیمر کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ کیتھرائن اور سیمر نے بھی اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سب ان کی طرف دیکھے جا رہے ہیں۔ لہٰذا کیتھرائن بولی اور کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں، آپ سب کی نگاہیں مجھ پر جمی ہیں اور اس موقع پر میں صرف یہی کہوں گی کہ میرا نام ابھی تک کیتھرائن ضرور ہے لیکن میں اب آرمینیا کی رہنے والی نہیں ہوں اور میں نصرانی بھی نہیں ہوں۔ مسلمان ہوں اور میرا تعلق فراتا تار قبائل سے ہے۔ جہاں تک میرے باپ کے حملہ آور ہونے کا تعلق ہے، فراتا تار کے قبائل میرے باپ کے حملہ آور ہونے پر اس کا مقابلہ کریں گے۔ میں بھی اس مقابلہ میں شرکت کروں گی اور فراتا تار قبائل کا ساتھ دوں گی۔ اس لئے کہ میرا تعلق اب ان قبائل سے ہے اور میں مسلمان ہوں۔"

کیتھرائن کے ان الفاظ سے سیمر نے بھی اتفاق کیا تھا اور اس نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ اور ان دونوں کے اس فیصلہ پر لوئی تاشی اور اس کے اہلِ خانہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس موقع پر سیمر بولی اور لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بابا! کیا امیر منصور بن احمد کو اس حملہ کی اطلاع کر دی گئی ہے؟ اس موقع پر انہیں یہاں ہونا چاہئے۔"

لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"بیٹی! تیرا کہنا درست ہے۔ قاصد، منصور بن احمد کی طرف جا چکے ہیں اور مجھے امید ہے، چند روز تک امیر منصور بن احمد یہاں ہو گا۔ اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ ہم آرمینیا کے بادشاہ حیثون کو پسپا کرنے میں کامیاب رہیں گے۔"

ooooo

ادھر اربل کے نواح سے ہلاکو کو بھگانے کے بعد منصور بن احمد نے اربل کے کوہستانی سلسلوں کے اندر ہی قیام کیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ لوئی تاشی کی طرف سے اسے پیغام پہنچا کہ آرمینیا کا بادشاہ حیثون ان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔

انہی دنوں اربل شہر کے لوگوں اور اربل کے حاکم ابنِ صلایا نے منصور بن احمد سے اس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ منصور بن احمد اپنے کسی سالار کو اربل شہر میں چھوڑ دے تاکہ اردگرد کے علاقوں میں یہ خبر پھیلتی رہے کہ منصور بن احمد کے ایک سالار نے اربل شہر میں قیام کیا ہوا ہے۔ خود منصور بن احمد بھی ایک لشکر کے ساتھ اربل شہر کے گردونواح میں ہے۔ اربل کے لوگوں اور ابنِ صلایا کا کہنا تھا کہ اگر ایسا کیا جائے تو ہلاکو اربل شہر پر حملہ آور نہیں ہو گا۔

اربل شہر کے حاکم اور وہاں کے لوگوں کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے منصور بن احمد نے اپنے سالاروں سے پہلے مشورہ کیا، اس کے بعد شرف الدین کردی کو اربل شہر میں چھوڑ کر منصور بن احمد باقی لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ کوہستانِ قپچاق کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ فراتا تار قبائل کے ٹھکانوں میں پہنچا تو کیا بوڑھے،

بچے، جوان، عورتیں، لڑکیاں، سب ہلاکو خان کے خلاف کامیاب مہم کرنے والے اپنے
لشکر کو دیکھنے کے لئے نکل آئے تھے۔ لڑکیاں پھول پتیاں نچھاور کر رہی تھیں۔ ایک
میدان میں پہنچ کر منصور نے حسام الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''حسام الدین! میرے بھائی! لشکریوں سے کہو کہ جا کر آرام کریں۔ میں پہلے لوئی
تاشی سے بات کروں گا، اس کے بعد کوئی منصوبہ بندی کر کے اسے آخری شکل دینے
کے بعد لشکریوں کو حرکت میں لاؤں گا۔''

اس موقع پر لوئی تاشی اور یانگ خان ساتھ ہی تھے۔ چنانچہ حسام الدین نے
لشکریوں کو جا کر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر لوئی تاشی، منصور بن احمد کی طرف دیکھتے
ہوئے کہنے لگا۔

''امیر سیدھا میرے گھر جانا ہے۔ آج آپ، حسام الدین اور یانگ خان سب شام
کا کھانا میرے ساتھ میرے ہاں کھائیں گے۔''

اس موقع پر منصور بن احمد کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ لوئی تاشی بڑی عاجزی میں کہنے
لگا۔

''امیر! مجھے اور میرے گھر والوں کو ٹالنے کے لئے خدا کے لئے کچھ نہ کہئے گا۔ بس
آپ کی دعوت کرنا یوں جانئے ہماری سب سے بڑی خواہش تھی۔ اس کے علاوہ میں
اپنے ہاں ایک انتہائی نازک موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد نے سوالیہ سے انداز میں لوئی تاشی کی طرف دیکھا
یہاں تک کہ لوئی تاشی مسکرایا اور کہنے لگا۔

''امیر! میرے ہاں چلئے۔ میں تفصیل سے آپ کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

اس پر منصور بن احمد، حسام الدین اور یانگ خان چپ چاپ لوئی تاشی کے ساتھ
ہو لئے تھے۔

لوئی تاشی کی بیوی مدلان، بیٹا بلدون، بیٹی شنکیر، کیتھرائن اور سیمر بھی لشکر کے استقبال
کے لئے آئے تھے۔ لہٰذا منصور بن احمد کے پیچھے پیچھے وہ بھی لوئی تاشی کی رہائش گاہ میں
داخل ہوئے۔ لوئی تاشی منصور بن احمد، حسام الدین اور یانگ خان کو لے کر دیوان
خانے میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ لوئی تاشی، منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! قبل اس کے کہ آپ کسی موضوع پر گفتگو کریں، میں آپ سے ایک انتہائی
نازک موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو آپ یوں سمجھ لیں کہ میں ایک ایسے موضوع
پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، جس موضوع کو ہم نے آپ سے چھپا کے رکھا ہے۔ ایسا ہم نے
کسی مصلحت کی بنا پر کیا تھا۔''

منصور بن احمد کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، لوئی تاشی کس طرف اشارہ کر رہا ہے۔
وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ لوئی تاشی نے آواز دے کر کیتھرائن اور سیمر کو بلایا۔
چنانچہ کیتھرائن اور سیمر کے ساتھ لوئی تاشی کی بیوی مدلان، بیٹا بلدون، بیٹی شنکیر بھی
دیوان خانے میں داخل ہوئے۔

کیتھرائن اور سیمر پر نگاہ ڈالنے کے بعد منصور بن احمد بولا اور لوئی تاشی کی طرف
دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! ان دونوں لڑکیوں کو میں نے پہلے بھی دیکھ رکھا ہے۔ شاید تمہارے ہی
ہاں دیکھا تھا۔ یہ لڑکیاں جیسا کہ مجھے پہلے بتایا گیا تھا، عیسائی ہیں۔ اور کیا یہ تمہاری عزیز
اور رشتہ دار ہیں؟''

جواب میں دبی دبی سی آواز، کسی قدر ڈرے ڈرے سے لہجے میں لوئی تاشی کہنے
لگا۔

''امیر! میں نے ان دونوں لڑکیوں کو بلایا ہے۔ انہی کے متعلق میں آپ سے گفتگو
کرنا چاہتا ہوں۔ امیر! بات یہ ہے کہ ہم نے ایک معاملے کو آپ سے چھپا کر رکھا۔ یہ
دو لڑکیاں جو سامنے کھڑی ہیں، دائیں والی کا نام کیتھرائن ہے اور یہ آرمینیا کے بادشاہ
ہیثون کی بیٹی ہے۔ بائیں طرف والی کا نام سیمر ہے اور یہ ہلاکو کی بیوی دوقوزہ کی چھوٹی
بہن ہے۔''

لوئی تاشی کے انکشاف پر منصور بن احمد چونک اٹھا تھا۔ وہ جواب طلب انداز میں
لوئی تاشی کی طرف دیکھنے لگا تھا، پھر کہنے لگا۔

''یہ دونوں لڑکیاں یہاں کیسے پہنچیں؟ کون انہیں لے کر آیا؟ اس کا مطلب ہے،
ہلاکو خان کے جو نمائندے دو لڑکیوں کا مطالبہ لے کر آئے تھے، وہ سچے تھے۔ ان لڑکیوں
کو کس نے زبردستی یہاں رکھا؟ کس نے یہ ساری منصوبہ بندی کی؟ اور کیتھرائن نام کی

جولڑکی ہے، جسے حیثون کی بیٹی کہا گیا ہے، اس کے حصول کے لئے ہی تو آرمینیا کا
بادشاہ حیثون ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے درپے ہے۔ لوئی تاشی! پہلے یہ بتاؤ
کون ان لڑکیوں کو یہاں لے کر آیا؟"

اس پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"امیر! بات یہ ہے کہ جس وقت آپ نے ایک موقع پر ہلاکو خان کے پڑاؤ پر حملہ
کیا تھا اور پڑاؤ کو آگ لگائی تھی تو ہمارے دو لشکری جو آپ سے بڑی عقیدت اور
ارادت مندی رکھتے ہیں، وہ وہاں سے ان دونوں لڑکیوں کو اٹھا کر لائے۔ ان دونوں کو
اٹھا کر لانے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ دونوں لڑکیاں اس قابل ہیں، اس لائق ہیں کہ
ان کی شادی ہمارے امیر منصور بن احمد سے ہو۔ بس اسی نیت سے وہ ان دونوں لڑکیوں
کو اٹھا کر یہاں لائے تھے۔"

جواب میں تھوڑی دیر کے لئے منصور بن احمد نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کچھ
سوچا، پھر کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! آج ہی دو دستے تیار کرو۔ ایک دستہ دوقوزہ کی بہن سیمر کو لے کر ہلاکو
کی طرف جائے اور اس لڑکی کو ہلاکو کے حوالے کیا جائے۔ دوسرا دستہ آرمینیا کے بادشاہ
حیثون کی بیٹی کیتھرائن کو لے کر شمال مغرب کا رخ کرے۔ میرے خیال میں راستے میں
ہی ان کی ملاقات آرمینیا کے بادشاہ حیثون سے ہو جائے گی۔ اس لئے کہ حیثون ہم پر
حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے۔ میرے خیال میں اگر کیتھرائن نام کی لڑکی
کو آرمینیا کے بادشاہ حیثون کے حوالے کر دیا جائے تو اپنی لڑکی کے ملنے پر حیثون واپس
چلا جائے گا، ہم سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

اتنا کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب لوئی تاشی بڑی عاجزی سے
کہنے لگا۔

"امیر! یہ دونوں لڑکیاں یہاں رہتے ہوئے اسلام قبول کر چکی ہیں۔ یہ واپس نہیں
جانا چاہتیں۔ مسلمان کی حیثیت سے یہ ہمارے اندر ہی رہنا چاہتی ہیں۔ تو کیا آپ
مسلمان لڑکیوں کو ان کی مرضی کے خلاف واپس بھیج دیں گے؟"

لوئی تاشی کے الفاظ کے جواب میں باری باری منصور بن احمد نے کیتھرائن اور

کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

"جھوٹ مت بولنا۔ سچائی پر رہتے ہوئے مجھے بتانا، کیا تمہیں کسی نے زبردستی
یہاں تو نہیں روک رکھا؟ جان سے مارنے کی دھمکی تو نہیں دی کسی نے؟ کوئی لوبھ لالچ
تو نہیں دیا گیا؟"

اس بار سیمر بولی اور کہنے لگی۔

"امیر! آپ کیسی گفتگو کرتے ہیں؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ کے دو لشکری
ہمیں اٹھا کر یہاں لائے لیکن یہاں ہماری تعلیم و تبلیغ کے لئے محترم لوئی تاشی نے اپنے
ایک مسلم مبلغ کا اہتمام کیا جو ہمیں اسلام کے متعلق تعلیم دیتا رہا۔ اور یہ تعلیم حاصل کرنے
کے بعد ہم دونوں مسلمان ہو گئیں۔ اب مسلمان ہونے کے ناتے ہم کبھی اور کسی صورت
واپس نہیں جائیں گی۔ اب تو میری بہن دوقوزہ میرے لئے اجنبی ہے۔ اگر وہ لاکھ منتیں
کرے، تب بھی میں اس کے پاس نہ جاؤں۔"

سیمر جب خاموش ہوئی، تب منصور بن احمد نے کیتھرائن کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"خاتون! تمہارا باپ ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے۔ تمہارے کیا خیالات
ہیں؟"

اس پر کیتھرائن بولی اور کہنے لگی۔

"امیر! جو کچھ اس سے پہلے میری بہن سیمر نے کہا ہے، یوں جانو وہ میری ہی
ترجمانی ہے۔ اب ان لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ میرا باپ عیسائی
ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ لہٰذا ہم میں بڑا بُعد اور بڑی دُوریاں اور یوں کہئے کہ بڑا فاصلہ ہو
گیا ہے۔ اب میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق اب فراتا تار قبائل سے
ہے۔ یہیں ہم دونوں کا مرنا، یہیں ہم دونوں کا جینا ہوگا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کیتھرائن رکی، پھر دوبارہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے
ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"امیر! ہم چونکہ مسلمان ہیں، لہٰذا ہمارا مرنا جینا اب یہاں ہے۔ اور آپ سے یہ
بھی انکشاف کروں کہ یہاں ہمیں کسی نے نہ زبردستی روکا ہے، نہ ہمیں کوئی لوبھ لالچ دیا
گیا ہے اور نہ ہم پر کسی نے خوف ڈر طاری کیا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اور اپنی خواہش

سے مسلمان ہوئیں اور اپنی مرضی اور خواہش سے اور اپنی ارادت مندی کے تحت [illegible] ہمیشہ یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے میری آپ سے التجا ہے کہ خدا کے لئے ہمیں واپس نہیں بھیجئے گا۔ جن کے پاس ہمیں بھیجنا چاہتے ہیں، وہ عیسائی ہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ کیا آپ مسلمان لڑکیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے؟"

کیتھرائن کے ان الفاظ پر منصور بن احمد گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا اور کہنے لگا۔

"اگر تم واقعی ہی اسلام قبول کر چکی ہو اور اپنی مرضی اور رضا مندی، اپنی خوشی سے یہاں قیام کئے ہوئے ہو اور یہیں رہنا چاہتی ہو تو پھر میں تم دونوں سے کہوں گا کہ کوئی تمہیں ہم سے زبردستی چھین نہیں سکتا۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ہاں، اگر کوئی آپ دونوں کو لے جا سکا تو اسے ہمارے جسموں ہماری لاشوں پر سے گزرنا ہوگا۔"

پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے لوئی تاشی کہنے لگا۔

"جس معاملہ پر میں گفتگو کرنا چاہتا تھا، کر چکا۔ اب تم ان ساری بچیوں کو ساتھ [illegible] اور دعوت کا اہتمام کرو۔"

اس پر لوئی تاشی کی بیوی، بیٹی، کیتھرائن اور سیمر وہاں سے اٹھ کر مطبخ کی طرف [illegible] گئی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد منصور بن احمد بولا اور اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ کیا آرمیبا کے بادشاہ حیثون کے اس متوقع حملے کی اطلاع برقائی خان کو کر دی گئی ہے؟"

منصور بن احمد کے اس سوال کے جواب میں لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"امیر! جس وقت ہمیں حیثون کے حملہ کی خبر ملی تھی، اسی وقت یہ خبر برقائی خان کو پہنچا دی گئی تھی اور امید ہے کہ برقائی خان کا ایک لشکر آج ہی یہاں پہنچ جائے گا۔"

یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ کچھ دیر دو... رہا، آخر اس نے باری باری لوئی تاشی اور یانگ خان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! یانگ خان! تم دونوں ذرا سوچ کر مجھے یہ بتاؤ، جس سمت سے آرمیبا

کا بادشاہ حیثون کوہستانِ قپچاق کے ساتھ ہماری بستیوں کی طرف آ رہا ہے، تو ان بستیوں کی طرف آنے کے لئے کوہستانی سلسلہ کے اندر کتنے درّے ہیں؟"

اس پر لوئی تاشی اور یانگ خان نے کچھ دیر تک صلاح مشورہ کیا، سوچا، پھر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"اس کوہستانی سلسلہ کے اندر ہماری بستیوں کی طرف آنے کے لئے درّے تو بہت ہیں لیکن زیادہ تر وہ شمال مغرب کے رخ پر ہیں اور اسی طرف سے حیثون نے آنا ہے۔"

کچھ سوچتے ہوئے منصور بن احمد نے فیصلہ کیا اور لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر بہت سے درّے ہیں تو پھر سب سے آخر میں جو تین درّے ہیں، ان کا انتخاب کر لیا جائے۔ یا تم یوں کہہ سکتے ہو کہ جس سمت سے حیثون آئے گا، اس سمت سے جو درّے شروع ہوتے ہیں، ان میں جو پہلا درّہ آئے گا، اس کے پیچھے گھات میں لوئی تاشی! تم خود ہو گے۔ اور تمہاری کمانداری میں وہ لشکر ہوگا جو برقائی خان کی طرف سے یہاں پہنچے گا۔ دوسرے درّے پر حسام الدین جو کندار ہوگا۔ میں، حسام الدین اور شرف الدین جو لشکر لے کر یہاں سے نکلا کرتے ہیں، وہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس رہے گا، دوسرا حسام الدین کے تحت ہو گا۔ دوسرے درّے کی گھات میں حسام الدین ہوگا اور تیسرے درّے کی گھات میں، میں خود ہوں گا۔ اب میں تمہیں وہ تفصیل بتاتا ہوں، جس کے تحت ہم نے حیثون پر ضرب لگانی ہے۔

ظاہر ہے، ہم شروع کے تینوں درّوں پر قبضہ کر چکے ہوں گے، لہٰذا حیثون کو کوہستانی سلسلہ کے اندر وادی میں داخل ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس بنا پر وہ ہماری بستیوں میں گھس کر حملہ آور نہیں ہو سکے گا۔ اس کے باوجود جب میں، حسام الدین اور شرف الدین خود ہی لشکر لے کر جایا کرتے تھے تو ہماری غیر موجودگی میں جو لشکر یہاں ہوا کرتا تھا، وہ لشکر یانگ خان کی کمانداری میں رہے گا اور یانگ خان یہیں اپنے لوگوں کی حفاظت کے لئے رہے گا۔ آرمیبا کا بادشاہ حیثون جب پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھے گا، اس سمت آئے گا تو اس کی پہلی کوشش یہی ہو گی کہ جو

پہلا درّہ آتا ہے، اسی کے ذریعے وہ ہمارے علاقوں میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن
کے ایسا کرنے سے پہلے ہی میں اپنی گھات کے درّے سے نکل کر شاہراہ پر آ
تا کہ حیشون اور اس کے سالار اور اس کے لشکری مجھے دیکھ لیں۔ جب ایسا ہوگا
میں داخل ہونے کے بجائے حیشون اپنے لشکر کو لے کر میری طرف بڑھے گا، وہ
کے ذریعے ادھر ہماری وادی میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس لئے
کرنے کے لئے اسے سو بار سوچنا ہوگا۔ وہ یہ بھی سوچے گا کہ اگر اس نے درّے
ذریعے ہماری وادی میں داخل ہونے کی کوشش کی تو پشت کی جانب سے میں
حملہ آور ہو کر ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا ہوں۔ چنانچہ اپنے لشکر کو لے کر
میری طرف بڑھے گا۔ چونکہ اس کی نسبت میرے پاس چھوٹا لشکر ہوگا، اس بنا پر
خوش ہوگا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک چھوٹا لشکر آیا ہے، جسے وہ اپنے
سے ہٹا دے گا۔

چنانچہ جب میں حیشون سے اپنے لشکر کے ساتھ بھڑ جاؤں گا تو تھوڑی دیر
سب سے پہلے حسام الدین حرکت میں آئے گا۔ درمیانی درّے سے نکل کر وہ
کے لشکر کے وسطی حصے پر حملہ آور ہوگا اور اس کے لشکریوں کو کاٹنا شروع کرے
جب کہ شروع کے پہلے درّے سے اسی وقت لوئی تاشی! تم بھی برقائی خان کے
کے ساتھ نکلنا اور حیشون کے لشکر کے پچھلے حصے پر حملہ آور ہو جانا۔ اس طرح جب
تین مختلف مقامات سے حیشون پر ضرب لگائیں گے تو میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں
حیشون زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ کرنے کے بجائے شکست قبول کر لے گا اور
کھڑا ہوگا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور رکا، کچھ سوچا، پھر اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے
کہنے لگا۔ ''جو کچھ میں نے کہا ہے، اس میں اگر کسی کو کوئی شک ہو یا کوئی اعتراض
کرنا چاہے تو اسے اجازت ہے۔''

جب کسی سالار نے اٹھ کر اس منصوبہ بندی کے خلاف آواز نہ اٹھائی، تب منصور
احمد نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد آرمینیا کے بادشاہ حیشون پر ضرب لگا
شکست کی صورت میں اس کا تعاقب کرنے سے متعلق گفتگو ہونے لگی تھی۔

اسی روز برقائی خان کی طرف سے خاصا بڑا لشکر آرمینیا کے بادشاہ پر ضرب لگانے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ منصور بن احمد، حسام الدین اور دیگر سالاروں نے اس روز لوئی تاشی کے ہاں کھانا کھایا۔

دو دن بعد مخبروں نے خبر دی کہ حیشون اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا منصور بن احمد اور دیگر سالار حرکت میں آئے اور جو منصوبہ بندی منصور بن احمد نے کی تھی، اسی منصوبہ بندی کے تحت وہ اپنے درّے میں گھات لگا گئے تھے۔

○○○○○

آرمیبیا کا بادشاہ حیثون جب ان درّوں کے قریب پہنچا تو منصور بن احمد
اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے پہلے درّے کے ذریعے ہی ان وادیوں میں داخل ہو
چاہا جن وادیوں میں فراتا تار کی بستیاں تھیں۔ لیکن اسی لمحہ اپنے درّے سے نکل کر منصور
بن احمد شاہراہ پر آ گیا۔ تب حیثون اور اس کے سالار چونکے تھے۔ انہوں نے یہ
تھا، اگر انہوں نے درّے میں داخل ہو جانا چاہا تو جو لشکر شاہراہ پر نمودار ہوا ہے، وہ ان
کی پشت پر حملہ آور ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے، ان کے سامنے ایسے کئی لشکر آئیں جو ان
کے لئے نقصان کا باعث بن جائیں۔ چنانچہ درّے کے ذریعے وادیوں میں داخل ہونے
کے بجائے وہ آگے بڑھے تا کہ منصور بن احمد پر ضرب لگائیں۔

منصور بن احمد نے جب دیکھا کہ آرمیبیا کا بادشاہ حیثون اندر وادیوں میں داخل
ہونے کے بجائے اس کی طرف پیش قدمی کرنے لگا ہے، تب اس نے اپنے لشکر کو کر
کے آنگنوں میں مسلسل نزول کرتے عذاب لمحوں، جرأت مندی کی اندھی لپٹوں
شجاعت کے گہرے سایوں کی طرح تھوڑا سا آگے بڑھایا اور جس درّے میں حسام الدین
تھا، اس درّے سے ذرا قریب ہو کر جب حملہ آور ہونے کے لئے حیثون مزید قریب
تب اپنے لشکر کے ساتھ منصور بن احمد نے ایک عجیب جذبے اور ولولے کے
شجاعت کے گہرے سایوں، بارود بھرے شراروں، روحوں کو جسموں سے گریزاں
برق کی خوف ناک برہمی اور تاریک گہرائیوں تک میں اُتر جانے والی نظرت
اُجالوں کی جوت کی طرح تکبیریں بلند کی تھیں۔ اس کے بعد اس نے حیثون کے لشکر

حملہ آور ہونے میں پہل کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مزید
آگے بڑھا۔

پھر وہ حیثون کے لشکر پر مایوسی اور شکست کے بھنور کھڑے کرتے بھڑکتی آگ کے
شعلوں، تنگ و تاریک زندان کی اذیتیں کھڑی کرتے آتش فشانی لاوؤں، خوفنا کیوں
کے کسمساتے لمحوں میں برق کے کوندوں کی لپک جھپک اور اسرارِ حیات میں سوزش و
اضطراب، تمناؤں کی کھیتیوں میں انتقام کی کھولاہٹ بھر دینے والے آلام کے گھواروں
کی خلش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ منصور بن احمد کا یہ حملہ اتنا تیز تھا کہ حیثون کے لشکر
کو جو منصور بن احمد کے لشکر سے کئی گنا بڑا تھا، روک دیا گیا تھا۔

اسی لمحہ حسام الدین بھی حرکت میں آیا اور حیثون کے لشکر کے پہلو پر وہ شب کے
تاریک لمحوں میں بدبختیاں اوڑھتی زمین پر پھیلتی مرگ کی پرچھائیوں، شاخوں تک کو
برہنہ کر دینے والے تند طوفانوں کی یلغار اور ساحلِ وقت پر حرکت کرتے تباہی کے تیز
قاصدوں اور انگڑائیاں لیتے گرداب کی طرح کود پڑا تھا۔

حسام الدین کے ساتھ ہی ساتھ لوئی تاشی بھی تکبیریں بلند کرتا ہوا برقائی خان کے
مہیا کردہ لشکر کے ساتھ زندگی کے لمحات پر طاری ہو جانے والی خوف ناک بے روک
توتوں، بحر کے غضیلے رقص کی طرح حملہ آور ہوتی ہولناک طاقتور موت، بے چہرگی کے
روگ دیتے قدرت کے احتساب اور طوق و سلاسل اور سلگتے خیالوں کے رقص کی طرح
حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک ہولناک رن پڑا۔ آرمیبیا کا بادشاہ تین مختلف جگہوں سے حملہ آور
ہونے کی اس منصوبہ بندی کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا۔ بہت جلد اس کے لشکر کی
حالت سیاہ بختی کے سایوں، خناس کے وسوسوں، دکھوں کے بحر، عقوبت کی دلدل، سیاہ
اعمال کے عکس کی سی دکھائی دینے لگی۔ یہاں تک کہ حیثون نے شکست قبول کی اور
بھاگ کھڑا ہوا۔ منصور بن احمد، حسام الدین اور لوئی تاشی نے رگوں میں اُتر جانے
والے زہر، تباہی کی آتش پھیلاتی رُتوں کے عذابوں، سلگتے دائروں کی طرح حیثون کا
تعاقب شروع کر دیا تھا۔ تعاقب کے دوران بھی حیثون کے بہت سے لشکریوں کو موت
کے گھاٹ اتار کر اس کے لشکر کی تعداد کو مزید کم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بچے کھچے لشکر کو

لے کر حیثون آرمینیا کی طرف بھاگ گیا تھا۔

تعاقب ترک کر کے جب منصور بن احمد اس جگہ پہنچا، جہاں جنگ ہوئی تھی اور جہاں اپنے پڑاؤ کی ساری چیزیں حیثون چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ ابھی منصور بن احمد اپنے گھوڑے سے اُتر کر کھڑا ہی ہوا تھا اور حسام الدین اور لوئی تاشی بھی اس کے پاس آئے تھے کہ ایک لشکری بھاگا بھاگا آیا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے بولا۔

"امیر! ایک بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ہمارے ہاں جو ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ خاتون کی چھوٹی بہن نے قیام کر رکھا تھا، وہ اس جنگ کے دوران بری طرح زخمی ہوئی ہے۔"

وہ شخص اپنی بات پوری نہ کر سکا۔ اس لئے کہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد نے پوچھ لیا۔

"وہ لڑکی کہاں اور کیسے زخمی ہوئی؟"

اس پر وہ لشکری پھر بولا اور کہنے لگا۔

"قبیلے کی بہت سی لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی لشکر میں شامل تھی۔ مجھے بتایا گیا ہے اس نے اور آرمینیا کے بادشاہ کی بیٹی کیتھرائن نے باقاعدہ طور پر جنگ میں حصہ لیا ہے جہاں تیر اندازی کرنا پڑی، وہاں انہوں نے تیر اندازی کی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے لشکریوں کو پانی بھی پلاتی رہی تھیں اس لئے کہ ہمارے قبیلے کی بہت سی لڑکیاں بھی یہ کام کر رہی تھیں۔ بتانے والے نے مجھے بتایا ہے کہ اس دوران دشمن کے کچھ تیر اندازوں نے تیر اندازی کی جس کی بنا پر کئی تیر ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ کی چھوٹی بہن سیمر کو بھی کر گئے اور اب وہ زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہے۔ جب کہ طبیب اس کے زخموں کی مرہم پٹیاں کرنے میں مصروف ہیں۔"

سب کچھ سننے اور جاننے کے بعد منصور بن احمد اس لشکری کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ حسام الدین اور لوئی تاشی بھی اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ اس لشکری نے منصور بن احمد کو اس جگہ لا کھڑا کیا تھا۔ چند نوجوان گول دائرے کی صورت میں کھڑے تھے۔ انہوں نے جب منصور بن احمد، حسام الدین اور لوئی تاشی کو آتے دیکھا تو دائیں بائیں طرف ہٹ گئے۔ منصور نے آگے بڑھ کر دیکھا، ہلاکو کی بیوی دوقوزہ کی چھوٹی بہن

زمین پر پڑی ہوئی تھی اور ایک چادر طے کر کے تکیہ کے طور پر اس کے سر کے نیچے رکھ دی گئی تھی۔

منصور بن احمد آگے بڑھ کر سیمر کے پاس بیٹھ گیا۔ سیمر نے ایک گہری نگاہ اس موقع پر منصور بن احمد پر ڈالی، ہلکا سا تبسم ہونٹوں پر نمودار ہوا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی منصور بن احمد نے اسے مخاطب کر لیا۔

"دوقوزہ کی چھوٹی بہن! یہ تم نے کیا، کیا؟ تم ہمارے ہاں مہمان تھیں۔ تمہیں کیا ضرورت پیش آ گئی کہ تم لشکر میں شامل ہو گئی؟"

عین اسی موقع پر ایک طرف سے کیتھرائن بھی بھاگتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ شاید اسے بھی سیمر کے زخمی ہونے کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ منصور بن احمد نے پھر سیمر کو مخاطب کیا۔

"کم از کم لشکر میں شامل ہونے سے پہلے تم نے کسی سے پوچھ لیا ہوتا، کسی سے مشورہ ہی لے لیا ہوتا۔ کوئی تمہیں اچھا مشورہ دے دیتا۔"

اس پر بڑی جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیمر کہنے لگی۔

"امیر! میں اور کیتھرائن دونوں اب مسلمان ہیں اور ہمارا فرض بنتا تھا کہ ہم لشکر میں شامل ہو کر نہ صرف دشمن کے خلاف اپنے لشکریوں کے شانہ بشانہ جنگ کریں بلکہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور سپاہیوں کو پانی پلائیں۔ یہ ہماری ذمہ داری تھی اور اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ہم لشکر میں شامل ہوئی تھیں۔ یہ کیتھرائن بھی میرے پاس آ گئی ہے۔ امیر! آپ جانتے ہیں، کیتھرائن آرمینیا کے بادشاہ حیثون کی بیٹی ہے۔ اس وقت حیثون یہاں حملہ آور ہوا تھا۔ کیا یہ غیر معمولی بات نہیں کہ اپنے باپ کا مقابلہ کرنے کے لئے کیتھرائن میدان میں اُتری۔ یہ بھی میرے ساتھ دشمن کے خلاف تیر اندازی کرنے کے ساتھ ساتھ مشکیزہ گلے میں ڈالے اپنے پیاسے لشکریوں کو پانی بھی پلا رہی تھی۔ امیر! آپ سے کہنے کے لئے میرے پاس بہت سی باتیں ہیں اور بہت سے انکشافات ہیں۔ لیکن شاید اس وقت تک میری زندگی میرے ساتھ وفا نہ کرے۔ امیر! میری موت میرے سامنے رقص کر رہی ہے۔ دھواں دھواں ہیولے بڑی تیزی سے مجھے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ مرنے سے پہلے میں آپ سے کیتھرائن کے متعلق ایک اہم موضوع پر

گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

یہاں تک کہتے کہتے سیمر کو خاموش ہو جانا پڑا۔ کچھ دیر تک وہ لمبے لمبے سانس لیتی رہی، پھر کہنے لگی۔

"امیر! جو بات میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں......"

سیمر کی آواز پھر ڈوب گئی۔ کچھ دیر وہ بولنے کی کوشش کرتی رہی لیکن بول نہ سکی۔ آخر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ اس فانی دنیا سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئی۔ سیمر کے مرنے پر کیتھرائن بری طرح اس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کی ہچکیاں، اُس کی سسکیاں اور رونے کی آوازیں سب کو پریشان کر رہی تھیں۔

اس موقع پر لشکر میں جو دوسری عورتیں لشکریوں کو پانی پلانے کا کام کر رہی تھیں، وہ بھی آ گئی تھیں۔ پھر سیمر کی لاش کو اٹھالیا گیا۔ سب لوگ پریشان اور فکر مند تھے۔ اس سے تھوڑی دیر پہلے سیمر کو کوہستانی سلسلہ کے ایک قدرے کم بلندی کے ٹیلے پر دفن کر گیا تھا۔

○○○○○

سیمر کی موت کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک روز جب کہ لوئی تاشی باہر سے اپنے گھر میں داخل ہوا، اس موقع پر اس کی بیوی مدلان بڑی بے چینی سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"ہم لوگ بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کے منتظر تھے۔"

اپنی بیوی کے یہ الفاظ سن کر لوئی تاشی فکر مند ہو گیا تھا۔ سیدھا دیوان خانے کی طرف ہو لیا۔ اس کی بیوی مدلان، بیٹا بلذون اور بیٹی تنکیر بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب سب دیوان خانے میں بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز لوئی تاشی نے کیا اور اپنی مدلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ کیوں میری آمد کا اس قدر بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا؟ کیا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ گیا ہے؟"

لوئی تاشی کے ان الفاظ کے جواب میں مدلان بولی اور کہنے لگی۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ یوں جانیں ایک بہت بڑا واقعہ یا ایک

حادثہ رونما ہو گیا ہے۔"

لوئی تاشی مسکرایا اور کہنے لگا۔

"پیچ دار گفتگو میں نہ ڈالو۔ اصل موضوع کی بات کرو۔"

اس پر مدلان بول پڑی اور کہنے لگی۔

"آپ جانتے ہیں، کیتھرائن اور سیمر نے گزشتہ کئی ماہ سے ہمارے ہاں قیام کیا ہوا تھا۔ یہاں قیام کے دوران ان کی تربیت کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے اندر یہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ کیتھرائن، مسلمانوں کے حق میں اپنے باپ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار ہوئی۔ یہاں قیام کے دوران کیتھرائن اور سیمر دونوں ہی امیر منصور بن احمد کی شخصیت سے متاثر تھیں۔ ان الفاظ کو میں یوں کہہ سکتی ہوں، کیتھرائن اور سیمر دونوں ہی منصور بن احمد کو پسند کرنے لگی تھیں۔ سیمر تو بے چاری مر گئی۔ مرنے سے پہلے وہ شاید اپنی اور کیتھرائن کی محبت کا اظہار بھی منصور بن احمد پر کرنا چاہتی تھی لیکن موت نے اسے اس کا موقع نہ دیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی۔

اب سیمر کے مرنے کے بعد کیتھرائن اکثر پریشان اور فکر مند رہنے لگی تھی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس نے اپنے آپ کو بحال کرنا شروع کر دیا ہے۔ سیمر اور کیتھرائن نے کبھی بھی، کسی بھی موقع پر اپنی زبان سے ہم پر یہ انکشاف نہیں کیا کہ وہ امیر منصور بن احمد کو پسند کرتی ہیں۔ سیمر نے مرنے کے وقت جو الفاظ ادا کئے تھے، وہ کچھ نشاندہی ضرور کرتے تھے۔ لیکن کیتھرائن اپنی محبت کے راز کو اپنے دل ہی میں چھپائے رہی۔ آج صبح کھانا کھانے کے بعد میں نے تہیہ کیا کہ میں اسے کریدوں گی۔ اب وہ ہمارے ہاں، ہماری بیٹی کی حیثیت سے رہ رہی ہے۔ ہماری دو بیٹیاں ہیں۔ ایک کیتھرائن، دوسری تنکیر۔ میں نے باتوں باتوں میں کیتھرائن سے سیمر کے مرنے کے وقت جو گفتگو ہوئی تھی اس کے متعلق بات چیت شروع کی؛ پھر آہستہ آہستہ کیتھرائن کو کریدنا شروع کیا۔ میں نے اسے کہا کہ اب اس کی حیثیت میری بیٹی کی سی ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔ لہٰذا اس کے دل میں اگر کوئی راز ہے تو مجھ سے نہ چھپاؤ۔ اگر وہ دل کی بات یا راز مجھ سے کہہ دے گی تو اس کا ذہن ہلکا ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے سمجھانے

پر وہ حرکت میں آئی، اس نے کھلے الفاظ میں اس بات کو تسلیم کیا کہ وہ منصور بن احمد کو پسند کرتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ آپ اس سلسلے میں منصور بن احمد سے بات کریں کہ کیتھرائن چونکہ امیر کو پسند کرتی ہے لہٰذا امیر، کیتھرائن سے شادی کرلیں۔ کیتھرائن اس کے لئے تیار ہے اور پھر آپ یہ بھی سوچیں کہ منصور بن احمد ان سارے علاقوں کے امیر ہیں اور چھوٹے سے جس مکان میں ان کی رہائش ہے، وہاں وہ اپنا کھانا خود تیار کرتے ہیں۔ کیا آپ کو اچھا لگتا ہے کہ ہمارے امیر خود کھانا تیار کریں اور ان کی کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو؟''

مدلان کے ان الفاظ پر لوئی تاشی پریشان اور فکرمند ہو گیا تھا۔ پھر مدلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مدلان! تم کیا سمجھتی ہو، مجھے اپنے امیر منصور بن احمد کی حالت کی خبر نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں، وہ اپنا کھانا خود تیار کرتے ہیں اور اس سلسلے میں، میں نے کئی بار ان سے التماس کی گزارش کی کہ ان کے لئے کھانا ہمارے ہاں سے پک کے آیا کرے گا۔ لیکن وہ نہیں مانتے بلکہ مجھے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اگر میرے لئے کھانا بھجوایا گیا تو وہ کھانے سے انکار کر دیں گے۔ اور انہیں زیادہ تنگ کیا گیا تو پھر یہاں سے نکل کر وہ کسی مناسب جگہ چلے جائیں گے، جہاں رہتے ہوئے وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ منگولوں کے خلاف حرکت میں آسکیں۔

ان کے الفاظ کے جواب میں، میں بھی چپ اور خاموش ہو گیا۔ اب اگر کیتھرائن، امیر منصور بن احمد کو پسند کرتی ہے، ان سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے تو میں سمجھتا ہوں، یہ کیتھرائن کی خوش قسمتی ہے اور ہمارے امیر منصور بن احمد کے لئے بھی کیتھرائن سے شادی کرنے کے بعد آسائشیں ہو جائیں گی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کیتھرائن کے لئے منصور بن احمد کے علاوہ کوئی اور مناسب رشتہ ہو ہی نہیں سکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی رکا، پھر اپنی بیٹی تنکیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بچی! یہ بتاؤ کہ کیتھرائن اس وقت کہاں ہے؟''

اس پر تنکیر بولی اور کہنے لگی۔

''بابا! آپ کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے ماں نے کیتھرائن سے کہا تھا کہ جب آپ آئیں گے تو آپ پر کیتھرائن کی امیر منصور بن احمد سے محبت کا انکشاف کیا جائے گا اور کوشش یہ کی جائے گی کہ کیتھرائن کی منصور بن احمد سے شادی ہو جائے۔ اس پر کیتھرائن بڑی مطمئن اور خوش تھی۔ ابھی وہ ساتھ والے کمرے میں اکیلی بیٹھی ہے۔ شاید اسے خبر ہو چکی ہے کہ ہم اسی موضوع پر گفتگو کریں گے اور وہ انتظار کر رہی ہو گی۔''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر لوئی تاشی کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''بیٹی! جاؤ، کیتھرائن کو یہاں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ اس لئے کہ وہ میری بیٹی ہے۔ پہلے میری ایک ہی بیٹی تھی، نام جس کا تنکیر تھا۔ اب میری دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی بیٹی کا نام کیتھرائن اور چھوٹی بیٹی تنکیر ہے جو ابھی نابالغ ہے۔ جاؤ، ذرا کیتھرائن کو یہاں بلاؤ۔''

اس پر تنکیر اچھلنے کے انداز میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیتھرائن کا ہاتھ پکڑے دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ کیتھرائن کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ کیتھرائن کا ہاتھ پکڑے پکڑے تنکیر اپنے باپ لوئی تاشی کے سامنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک دیوان خانے میں خاموشی رہی، پھر کیتھرائن کو مخاطب کرتے ہوئے لوئی تاشی کہنے لگا۔

''کیتھرائن میری بچی! پہلے میری ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام تنکیر ہے۔ اب میری دو بیٹیاں ہیں۔ ایک کیتھرائن اور دوسری تنکیر۔ بچی! تیرے متعلق مدلان نے کچھ انکشافات کئے ہیں اور یہ انکشاف سن کر میں بے حد خوش ہوا ہوں۔ بیٹی! کیا تم منصور بن احمد کو پسند کرتی ہو اور چاہتی ہو کہ اس کی بیوی بن کر رہو؟''

کیتھرائن کی گردن جھک گئی تھی۔ منہ سے کچھ نہ بولی تھی۔

اس پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

''بیٹے! یہ خاموشی اچھی نہیں ہے۔ میں تمہاری زبان سے کچھ سننا پسند کروں گا۔ بچی! یہ بھی خیال رکھنا، منصور بن احمد جو کبھی بغداد کے لشکریوں کا نائب سالارِ اعلیٰ ہوا کرتا تھا، اب وہ یہاں گوشہ نشینی اور عزلت نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اپنا کھانا خود تیار کرتا ہے۔ کئی مواقع پر میں نے پیشکش کی کہ اس کا کھانا ہمارے ہاں سے تیار ہو کر جایا کرے گا۔ لیکن منصور بن احمد نے میری اس پیشکش کو رد کر دیا اور مجھے منع کر دیا۔ منصور بن احمد

جب اپنا کھانا خود تیار کرتا ہے تو یوں جانو میرا دل دُکھتا ہے۔ میرے دل کے
چنگاریاں اُٹھتی ہیں کہ اتنے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ اور ان علاقوں کا امیر اور اپنا کھانا
تیار کرے۔ بیٹی! وہ دکھی بھی ہے۔ اس لئے کہ بغداد کے اندر اس کے ماں باپ،
بھائی، عزیز و اقارب اور سب قریبی رشتہ دار موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں۔
خاندان میں وہ اکیلا بچا ہے اور یہ ایسا دکھ ہے، جس نے اس کے ہونٹوں کی ہنسی
رکھی ہے۔ بیٹی! میں تمہارا فیصلہ صاف الفاظ میں سننا چاہتا ہوں تا کہ کل کو کوئی ابہام
شک اُبھر کر سامنے نہ آئے۔"

لوئی تاشی کے ان الفاظ کے جواب میں کیتھرائن نے آہستہ آہستہ اپنی گردن
کی، لوئی تاشی کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

"بابا! میں آپ سے کوئی چیز چھپاؤں گی نہیں۔ میں اور سیمر دونوں ہی امیر کو
کرنے لگی تھیں اور ہم دونوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ہم دونوں، امیر سے شادی کر لیں
اور ان کی بہترین خدمت کریں گی۔ اور بغداد کے سقوط کی وجہ سے اُنہیں جو دکھ
ملے ہیں، وہ بھلا کے رہیں گی۔ لیکن برا ہو وقت اور حالات کا، سیمر بے چاری تو
ہمیشہ کے لئے کُوچ کر گئی۔ اب میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں
منصور بن احمد کی زندگی کی ساتھی بنوں اور ان کے غم اور دکھ میں ان کی شریکِ کار
کر رہوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کیتھرائن جب خاموش ہوئی، تب بے پناہ خوشی کا اظہار
کرتے ہوئے لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"میری بیٹی! میری بچی! اگر یہ بات ہے تو مطمئن رہو۔ میں آج ہی تمہاری
کے سلسلہ میں امیر سے بات کروں گا۔ اب تم سب لوگ اُٹھو، کھانا لگاؤ تا کہ
کھائیں۔"

اس پر لوئی تاشی کی بیوی مدلان، کیتھرائن، بلذون، تنکیر سب دیوان خانے
گئے تھے۔

اسی روز فراتا تار قبائل نے جو جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کی تھیں، ان میں سے ایک
سے منصور بن احمد جب مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد نکلا تو لوئی تاشی بھی اس

پیچھے پیچھے ہولیا۔
مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر لوئی تاشی نے پیچھے سے منصور بن احمد کو پکارا۔
"امیر! ذرا سنیے، میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"
منصور بن احمد رک گیا۔ لوئی تاشی قریب آیا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے
کہنے لگا۔
"امیر! میں نے راستے میں گفتگو کے لئے آپ کو روک لیا ہے۔ آپ برا تو نہیں
مانیں گے؟"
منصور بن احمد مسکرایا اور بولا۔
"برا ماننے کا جذبہ مجھ میں نہیں ہے۔ تم بے فکر رہو۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"
لوئی تاشی کو کچھ حوصلہ ہوا۔ وہ کہنے لگا۔
"امیر! میں آپ پر یہ انکشاف کرنا چاہتا ہوں کہ کیتھرائن اور سیمر دونوں ہی آپ کو
پسند کرنے لگی تھیں۔ سیمر تو بے چاری ہمیشہ کے لئے یہاں سے کُوچ کر چکی ہے اور
مرنے سے پہلے وہ آپ پر ایک انکشاف بھی کرنا چاہتی تھی۔ شاید یہ انکشاف کیتھرائن
اور اپنی محبت کا تھا لیکن موت نے اُسے مہلت نہ دی اور وہ کُوچ کر گئی۔ امیر! اس سلسلہ
میں آج صبح میری بیوی نے کیتھرائن کو کریدا۔ کیتھرائن اپنی محبت کو چھپائے ہوئے تھی،
راز بنائے ہوئے تھی۔ جب میری بیوی نے اس کو کریدا، ماں بن کر اس سے گفتگو کی،
تب کیتھرائن نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ امیر منصور بن احمد کو پسند کرتی ہے اور
امیر سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں، آپ کیتھرائن سے
شادی کر لیں۔ اس طرح کیتھرائن کے ساتھ متاہلانہ زندگی بسر کرتے ہوئے آپ بہتر
انداز میں کارگزاری کا مظاہرہ کر سکیں گے۔"
منصور بن احمد نے اس موقع پر کچھ سوچا، پھر ایک گہری نگاہ اس نے لوئی تاشی پر
ڈالی اور کہنے لگا۔
"لوئی تاشی! تمہارا کہنا درست ہے۔ کیتھرائن کا شکریہ کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔
لیکن میں تم پر انکشاف کروں کہ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں اور میں دو بیویاں رکھنے کا
قائل نہیں ہوں۔ چونکہ میں شادی کر چکا ہوں، لہٰذا اور شادی نہیں کروں گا۔"

منصور بن احمد کے یہ الفاظ سن کر لوئی تاشی دنگ رہ گیا تھا۔ منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! اگر آپ شادی شدہ ہیں تو پھر آپ کی بیوی کہاں ہے؟ کیا وہ زندہ ہے؟"

ہلکا سا تبسم اس موقع پر منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! میں شادی شدہ ہوں اور میری بیوی زندہ ہے اور میری بہترین خدمت کرنے والی ہے۔ میری طرف سے کیتھرائن کا شکریہ ادا کرنا اور اس سے جا کے کہنا میں شادی شدہ نہ ہوتا تو ضرور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیتا۔ اس لئے کہ وہ ایک خوب صورت، پُرکشش اور اعلیٰ شخصیت کی لڑکی ہے جو جس شخص کی بیوی بنے گی، اس کی زندگی کو سنوار کے رکھ دے گی۔"

منصور بن احمد کی یہ گفتگو سن کر لوئی تاشی بے چارہ بڑا پریشان اور فکرمند ہوا تھا۔ اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر منصور بن احمد اسے سلام کرتے ہوئے اپنی رہائش گاہ کی طرف چلا گیا۔ جب کہ لوئی تاشی بھی مڑا اور اپنے گھر کا رخ کر رہا تھا۔

لوئی تاشی گردن جھکائے اپنے گھر میں داخل ہوا۔ چونکہ وہ بتا کر گیا تھا کہ امیر منصور بن احمد سے کیتھرائن کے سلسلے میں بات کرے گا، لہٰذا جب وہ پریشان اور بکھرا بکھرا گھر میں داخل ہوا اور سیدھا دیوان خانے کی طرف گیا، تب اس کی بیوی مدلان اور بیٹیاں تنکیر اور کیتھرائن بھی دیوان خانے کی طرف گئیں اور لوئی تاشی کے سامنے بیٹھ گئیں۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز مدلان نے کیا اور لوئی تاشی کو مخاطب کر کے بولی۔

"آپ نے امیر منصور بن احمد سے کیتھرائن کے سلسلے میں بات کی؟"

لوئی تاشی اُداس اور افسردہ تھا۔ اس نے ایک گہری نگاہ باری باری سب پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

"میں نے منصور بن احمد سے بات کی، اس پر یہ بھی انکشاف کیا کہ کیتھرائن ہی نہیں، سیمر بھی اسے پسند کرتی تھی۔ اور یہ بھی کہا کہ کیتھرائن، امیر کی زندگی کی ساتھی بننا چاہتی ہے۔ لیکن منصور بن احمد نے انکار کر دیا اور اس کا کہنا تھا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور دوسری بیوی رکھنے کا وہ خواہش مند نہیں ہے۔"

یہ الفاظ سن کر کیتھرائن کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ چہرے پر اُداسیاں، افسردگیاں

کرنے لگی تھیں۔ یہاں تک کہ مدلان بولی اور کہنے لگی۔

"اگر امیر شادی شدہ ہیں تو پھر کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کی بیوی کہاں ہے؟"

لوئی تاشی نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

"ہاں۔ امیر نے یہ نہیں بتایا کہ ان کی بیوی کون ہے؟ اس وقت کہاں قیام کئے ہوئے ہے؟"

کچھ دیر تک دیوان خانے میں کاٹ کھانے والی خاموشی طاری رہی یہاں تک کہ مدلان بولی اور اپنے شوہر لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"آپ کی غیر موجودگی میں، میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس سے اتفاق کریں گے۔"

"کیسا فیصلہ؟" غور سے مدلان کی طرف دیکھتے ہوئے لوئی تاشی نے پوچھ لیا تھا۔

مدلان نے ایک لمبا سانس لیا، پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

"یہ بات طے شدہ ہے کہ کیتھرائن اگر شادی کرے گی تو صرف منصور بن احمد سے۔ اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ کیتھرائن امیر منصور بن احمد کو اپنی روح سے بھی بڑھ کر چاہتی ہے، محبت کرتی ہے۔ میں کیتھرائن، بلذون اور تنکیر تینوں نے صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ کیتھرائن، امیر منصور کی رہائش گاہ پر جایا کرے اور ان کے کھانے کا اہتمام یہ خود کیا کرے۔ آپ جانتے ہیں، ہم جنس جانور بھی اگر ایک عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو ان کے اندر بھی ایک محبت اور چاہت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیتھرائن جب امیر کی رہائش گاہ میں آتی جاتی رہے گی اور ان کی خدمت کرے گی تو امیر، کیتھرائن کے رویّہ اور اس کے اُٹھنے بیٹھنے سے واقف ہوں گے۔ اس طرح ان کے دل میں کیتھرائن کے لئے محبت کی وہی چنگاری اُٹھے گی جو اس وقت کیتھرائن کے دل میں روشن ہے۔ اور جب ایسا ہوگا تو میں سمجھتی ہوں، امیر منصور بن احمد، کیتھرائن کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مدلان رکی، پھر کہنے لگی۔

"لیکن ایسا کرنے کے لئے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ بعض لوگ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ کیتھرائن، امیر کی رہائش گاہ کی طرف کیوں اور کس لئے

جاتی ہے۔“

اس پر دکھ بھرے انداز میں لوئی تاشی کہنے لگا۔

”ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ امیر منصور بن احمد اس کی اجازت نہیں دے گا۔ کیتھرائن سے ناراض ہو جائے گا۔ میں نے جب امیر کو کھانے کی پیشکش کی تھی تو اس بات پر زور دیا تھا تو وہ یہاں سے چلے جانے کی دھمکی دینے لگا تھا۔ مدلان! ایک بات یاد رکھنا، جس روز منصور بن احمد یہاں سے چلا گیا، اس روز یہ کوہستانی سلسلے ویران ہو جائیں گے اور ہم سب کو کاٹتے پھریں گے۔ منصور بن احمد کی موجودگی نے لشکریوں کے اندر ایک جذبہ، ہمت اور جواں مردی کی ایک لہر دوڑا رکھی ہے۔ جب وہ منصور بن احمد کی سرکردگی میں نکلتے ہیں تو منگولوں کے خلاف ان کے حملہ آور ہونے کا انداز کچھ اور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ پہلے یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ منصور بن احمد نے اپنی شادی کا ذکر کر کے ہمیں صرف ٹالنے کی کوشش کی ہے یا واقعی وہ شادی شدہ ہیں اور ان کی بیوی ہے۔ ہاں، میں اس سلسلے میں یانگ خان سے بات کرلوں گا اور کیتھرائن کو میں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ وہ کبھی کبھی جب بھی چاہے امیر منصور بن احمد سے بات کرسکتی ہے، ان کے پاس جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں یانگ خان سب کو سمجھا دے گا۔“

لوئی تاشی کی اس گفتگو پر مدلان نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اس کے بعد کیتھرائن، تنکیر اور مدلان تینوں دیوان خانے سے نکل گئی تھیں۔

○○○○○

اگلے روز جب کہ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور خوب جھک گئے تھے جس کی وجہ سے برف باری کا بھی خطرہ تھا اور ایسے میں منصور بن احمد، ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد جب اپنے گھر میں داخل ہوا، دو کمروں کے اس گھر کے صحن کو اس نے آدھا ہی عبور کیا ہوگا کہ پیچھے سے کھنکھناتی ہوئی، گونج دار نقرئی آواز سنائی دی۔

”امیر! کیا میں اندر آسکتی ہوں؟“

وہ آواز سن کر منصور بن احمد چونکا تھا۔ عجیب سے ناپسندیدہ سے انداز میں اس نے کیتھرائن کی طرف دیکھا، مڑا، کیتھرائن کو اس نے دروازے کے باہر ہی کھڑا رہنے دیا، خود دروازے پر آیا اور رُوکھے سے انداز میں کیتھرائن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! کیا بات ہے؟ کیا تم کسی کے خلاف کوئی شکایت رکھتی ہو؟“

اس پر کیتھرائن بولی اور کہنے لگی۔

”نہیں۔ میں ایک ذاتی مسئلے پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار اور گہرے ہو گئے تھے۔ پھر وہ کیتھرائن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! آج میری ایک بات غور اور دھیان سے سننا۔ آج تو میری رہائش گاہ میں اکیلی آ گئی ہو، آئندہ کبھی بھی میری رہائش گاہ کی طرف اکیلی آنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہاں، اگر کبھی تمہیں مجھ سے کوئی ضروری کام ہو تو لوئی تاشی کی بیوی اور اس کے بیٹے یا بیٹیوں میں سے کسی کو ساتھ لے کر آنا۔ اگر تم ایسا نہ کرسکو تو تمہیں جو تکلیف ہو یا جو نالش

رکھتی ہو، وہ لوئی تاشی سے کہہ دیا کرنا۔ اس لئے کہ اب تمہاری رہائش بھی اس کے
ہے، وہ خود ہی تمہاری شکایت رفع کر دیا کرے گا۔ بی بی! ایک بات سنو۔ میری
آمد سے پہلے لوئی تاشی ہی ان علاقوں کا سردار اور سالار تھا، لہٰذا لوگ اس کی بات
ہیں۔ میں یہاں ان علاقوں میں گم نام لشکری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا چاہتا تھا
لوگوں نے مجھے عیاں کر دیا کہ میں بغداد کے لشکروں کا نائب سالار منصور بن احمد
اس بنا پر مجھے یہاں کا امیر اور سردار بنا دیا گیا۔ اب تم واپس جاؤ۔ اگر تمہیں کوئی شکایت
ہے تو لوئی تاشی سے جا کے کہو۔ وہ تمہارا مسئلہ ضرور حل کر دے گا۔ اگر تمہیں مجھ سے
شکوہ شکایت ہو اور اس سلسلہ میں تم مجھ سے بات کرنا چاہو تو میں پھر تم سے کہتا ہوں
کبھی بھی میری اس رہائش گاہ کی طرف اکیلی مت آنا۔ لوئی تاشی کے اہلِ خانہ میں
کسی کو ساتھ لے کر آنا۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گی تو خاتون! میں تم سے ملاقات کرنے
انکار کر دوں گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، اس کے بعد فیصلہ کن انداز میں
کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب تم جا سکتی ہو۔ تمہارا زیادہ دیر یہاں میری رہائش گاہ سے باہر کھڑا ہونا
تمہاری عزت و آبرو کے لئے اچھا ہے، نہ میرے لئے۔ دیکھو خاتون! میں پہلے ہی ایک
لٹا پٹا انسان ہوں۔ میرے ذہن پر ایک ایسا بوجھ ہے، جسے میں بڑی مشکل سے سنبھالے
ہوئے ہوں۔ اگر تمہارے یہاں آنے جانے کے اعتراض کا بوجھ بھی میرے شعور
پڑے گا تو یقیناً میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائے گا۔ میں شاید یہاں رہنا پسند نہ
کروں۔ اس بنا پر میں تم سے کہوں گا، اب تم جا سکتی ہو۔ ہاں اگر ضروری بات کرنی ہو
پھر کسی کو ساتھ لایا کرنا۔ اکیلی مت آنا۔ اب تم جا سکتی ہو۔"

کیتھرائن کی گردن جھک گئی تھی اور وہ اُداس اور افسردہ واپس چلی گئی تھی۔ منصور
احمد نے اپنی رہائش گاہ کے صدر دروازے کو بند کر کے اندر سے زنجیر لگائی، پھر
والے کمرے میں چلا گیا تھا۔

آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کیتھرائن، لوئی تاشی کی حویلی میں داخل ہوئی۔ اس کی
دیکھتے ہوئے لوئی تاشی، اس کی بیوی مدلان، بیٹا بلذون اور بیٹی تنکیر چاروں فکرمند

پریشان ہو گئے تھے۔ اس موقع پر مدلان آگے بڑھی، کیتھرائن کا بازو پکڑ کر وہ دیوان
خانے میں لے گئی۔ تنکیر، لوئی تاشی اور بلذون سب دیوان خانے میں داخل ہوئے اور
نشستوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے کیتھرائن کی طرف دیکھتے رہے، جو ابھی
تک اُداس اور افسردہ تھی اور گردن اس کی جھکی ہوئی تھی۔

اس موقع پر مدلان نے بڑے پیارے انداز میں کیتھرائن کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، اس
کا سر چوما، پھر کہنے لگی۔

"بیٹی! کیا بات ہے؟ تم اُداس اور پریشان کیوں ہو؟ تم امیر منصور کی طرف گئی
تھیں۔ کیا تم نے اس سے شادی کرنے کی التجا کی؟ اگر تم نے ایسا کیا ہے تو انہوں نے
کیا جواب دیا؟"

مدلان کے اس استفسار پر آہستہ آہستہ کیتھرائن نے اپنی گردن سیدھی کی، پھر جو
گفتگو امیر کے ساتھ ہوئی تھی، آہستہ آہستہ اس نے سب سے کہہ دی تھی۔

کیتھرائن جب خاموش ہوئی، تب خدشات کا اظہار کرتے ہوئے لوئی تاشی بولا اور
کہنے لگا۔

"میں نے آپ لوگوں سے پہلے ہی کہا تھا کہ امیر منصور اس کا برا مان جائے گا۔
امیر نے آج تک یہاں کسی سے کبھی مذاق نہیں کیا، نہ کبھی جھوٹ بولا ہے، نہ فریب نہ
دھوکا دہی والی بات کی ہے۔ سچے آدمی ہیں۔ جو زبان پر ہوتا ہے، حقیقت بھی وہی ہوتی
ہے۔ مجھے جب انہوں نے یہ کہا کہ وہ شادی شدہ ہیں اور دوسری بیوی نہیں رکھنا چاہتے،
تب مجھے بھی بڑا دکھ اور افسوس ہوا تھا۔ جہاں تک کیتھرائن کا تعلق ہے، کیتھرائن نے
شادی کے لئے گفتگو تو نہیں کی یا یوں کہہ لو، کر ہی نہیں سکی کہ اکیلی سے امیر نے بات
کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا خطرہ اور خدشہ تھا کہ کیتھرائن اگر
اکیلی امیر کی رہائش گاہ کی طرف گئی تو امیر اس سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیں گے۔
لہٰذا مدلان! میں تم سے کہتا ہوں کہ آئندہ اگر کیتھرائن، امیر کے پاس جا کر گفتگو کرنا
چاہے تو تم اس کے ساتھ جایا کرنا۔"

اس موقع پر مدلان اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی، پھر کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے
کہنے لگی۔

"بیٹی! اُٹھو، میں خود تمہارے ساتھ چلتی ہوں اور میری موجودگی میں تم امیر سے گفتگو کرنا۔ بلکہ میں موضوع کو خود ہی شروع کروں گی۔"

اس موقع پر تنکیر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

"میں بھی تم دونوں کے ساتھ چلوں گی۔"

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے لوئی تاشی مسکرایا اور کہنے لگا۔

"تم تینوں ضرور جاؤ لیکن گفتگو سنجیدگی سے کرنا۔ ایسا ماحول پیدا نہ کرنا جس سے امیر منصور کو تنگی اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ مدلان! تم جانتی ہو، امیر پہلے ہی بڑے دکھی ہیں۔ بغداد میں ان کے سارے اہلِ خانہ مارے جا چکے ہیں۔ اب ان کی بیوی کہاں ہے؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ اگر وہ زندہ ہے تو اسے یہاں ہونا چاہئے تا کہ وہ امیر کی خدمت کرے۔ کوئی مناسب موقع جان کر جس وقت کہ امیر خوشگوار حالت میں ہوں میں ان سے ضرور پوچھوں گا کہ ان کی بیوی نے ان دنوں کہاں رہائش رکھی ہوئی ہے تا کہ اسے وہاں سے یہاں کوہستانی سلسلہ میں لایا جائے۔ میرے خیال میں اب تم اٹھو اور کیتھرائن کو ساتھ لے کر امیر کی طرف جاؤ اور اس موضوع پر گفتگو کرو۔ ہوسکتا ہے امیر کا یہ بھی کہنا ہو کہ ان کی شادی پہلے ہو چکی تھی اور ان کی بیوی بغداد میں ماری جا چکی ہو اور انہوں نے اس کے دکھ اور غم میں دوسری شادی کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر اُمید ہے کہ ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ کیتھرائن سے شادی پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر انہیں یہاں قیام کے دوران ذہنی سکون بھی میسر ہوگا۔"

جب تک لوئی تاشی بولتا رہا، اس کی بیوی مدلان، کیتھرائن اور تنکیر تینوں غور سے سنتی رہیں۔ پھر تینوں دیوان خانے سے نکلیں اور امیر منصور بن احمد کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ امیر منصور کی رہائش گاہ پر دستک دے رہی تھیں۔ دستک دینے والی لوئی تاشی کی بیوی مدلان تھی۔ دستک انہوں نے رہائش گاہ کے صدر دروازے پر دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ منصور بن احمد نے جب دروازہ کھولا اور لوئی تاشی کی

بیوی مدلان، بیٹی تنکیر اور کیتھرائن کو دیکھا تو لوئی تاشی کی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"میں دیوان خانے کا بیرونی دروازہ کھولتا ہوں اور آپ کو اندر بٹھاتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد پیچھے ہٹا۔ دیوان خانے کا وہ دروازہ کھولا جو باہر کھلتا تھا۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی مدلان، اس کی بیٹی اور کیتھرائن اندر داخل ہوئیں اور نشستوں پر بیٹھ گئیں۔ منصور بن احمد بھی ان کے سامنے ہو بیٹھا۔ پھر منصور بن احمد، لوئی تاشی کی بیوی مدلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"خاتونِ محترم! اس سے پہلے کیتھرائن مجھ سے کسی موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے اکیلی آئی تھی لیکن میں نے اسے واپس بھیج دیا اور سمجھایا کہ آئندہ کبھی بھی یہ اکیلی میری رہائش گاہ کی طرف آنے کی کوشش نہ کرے۔ چونکہ اب یہ اپنے ساتھ آپ کو اور میری بہن تنکیر کو لے کر آئی ہے، لہٰذا اس سے کہیں کہ جس موضوع پر یہ گفتگو کرنا چاہتی ہے، اس کی ابتدا کرے۔"

اس موقع پر مدلان بولی اور منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"امیر! آپ کی ہدایت کے مطابق کیتھرائن مجھے اور تنکیر کو اپنے ساتھ لے کر آئی ہے۔ جس موضوع پر یہ گفتگو کرنا چاہتی تھی، اس کی ابتدا میں خود ہی کروں گی۔ امیر! ہم نہ تمہید باندھیں گی، نہ اصل بات کہنے کے لئے پیش الفاظ کہیں گی۔ میری آپ سے التجا ہے کہ کیتھرائن آپ سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ آپ جانتے ہیں، وہ لشکری آپ سے ایک انوکھی عقیدت مندی رکھتے ہیں جو کیتھرائن اور یسر کو اٹھا کر یہاں لائے تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ان دونوں کی شادی آپ سے کر دی جائے چونکہ شروع ہی سے ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ان دونوں کو آپ سے شادی کے لئے یہاں لایا گیا ہے، چنانچہ مسلمان ہونے کے بعد یہ بات یسر اور کیتھرائن دنوں کے ذہنوں میں پختہ ہوگئی اور دونوں نے پختہ اور مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ امیر منصور سے شادی کریں گی۔ یسر کی بدبختی کہ وہ گزشتہ جنگ میں ماری گئی۔ باقی کیتھرائن رہ گئی ہے اور یہ اب آپ کی زندگی کی ساتھی بننے کی خواہش مند ہے۔ بس یہی معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا تھا۔ اس سے پہلے اس موضوع

پر آپ سے گفتگو کرنے کے لئے میرے شوہر بھی آئے تھے لیکن آپ نے ان پر
انکشاف کیا کہ آپ پہلے سے شادی شدہ ہیں۔ اور دوسری بیوی رکھنے کے خواہش مند
نہیں ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مدلان جب خاموش ہوئی، تب ہلکی سی مسکراہٹ میں منصور
بن احمد کہنے لگا۔

"جو کچھ آپ کو بتایا گیا ہے، ٹھیک سچائی تو یہی ہے۔ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں
اور دوسری شادی کرنا واقعی میں پسند نہیں کرتا۔ اور جس سے شادی کر چکا ہوں، وہ نہ
صرف میری حفاظت کرتی ہے بلکہ اس کی مدد سے میں عالمِ اسلام کے دشمنوں کو بھی خون
میں نہلاتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ایک جھٹکے کے ساتھ منصور بن احمد نے نیام سے تلوار نکالی۔ تلوار
کافی لمبی اور چوڑے پھل کی تھی اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منصور بن احمد
کہنے لگا۔

"سنو محترم خاتون! میں اس تلوار سے شادی کر چکا ہوں۔ اب یہی میری بیوی
ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے شب بسری کرنی ہوتی ہے۔ لہٰذا یوں جانو کہ میری
شادی تلوار سے ہو چکی ہے اور میں ایک بار خواہ تلوار ہی سے سہی، شادی کر کے دوسری
شادی اور دوسری بیوی لانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میں نے اس سے پہلے لوئی تاشی
سے بھی یہی کہا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں، میں نے اپنی تلوار سے شادی کر رکھی ہے۔
اس بنا پر آئندہ اس موضوع پر مجھ سے کبھی گفتگو نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں شادی نہیں
کروں گا۔"

منصور بن احمد کا یہ جواب بڑا مایوسانہ تھا۔ لہٰذا مدلان جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی
کہ دیوان خانے کے باہر سے کسی نے منصور بن احمد کو پکارا۔ جس نے پکارا تھا، وہ آواز
لوئی تاشی کی لگتی تھی۔

اس پکار پر منصور بن احمد باہر نکلا۔ دیوان خانے کے قریب ہی لوئی تاشی، یانگ
خان، حسام الدین اور کچھ دوسرے سالار کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہیں ہاتھ کے
اشارہ سے روک کر منصور بن احمد اندر آیا اور مدلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"باہر سارے سالار کھڑے ہیں۔ شاید وہ کسی اہم موضوع پر مجھ سے گفتگو کرنا
چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ تینوں فی الحال چلی جائیں۔"

اس کے ساتھ ہی مدلان، نتکیر اور کیتھرائن اٹھ کھڑی ہوئیں اور وہاں سے نکل گئی
تھیں۔ ان کے جانے کے بعد لوئی تاشی، یانگ خان، حسام الدین اور دوسرے سالار
دیوان خانے میں آ کے بیٹھ گئے تھے۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز لوئی تاشی نے کیا اور
کہنے لگا۔

"امیر! بات یہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے ہمارے مخبر آئے ہیں اور انہوں نے اطلاع
دی ہے کہ ہلاکو خان نے ایک جرار لشکر کے ساتھ البیرہ شہر کو فتح کر لیا ہے اور وہاں
بھی اس نے مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے، تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلا ہے۔ اور مخبر
یہ بھی بتا رہے تھے کہ اب ہلاکو خان تین اہم علاقوں کا رخ کرے گا اور انہیں فتح
کرنے کی کوشش کرے گا۔ ان تینوں میں سے ایک جزیرہ، دوسرا دیار بکر، تیسرا دیار
ربیعہ ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گیا، پھر غور سے جب
اس نے اپنے سامنے بیٹھے منصور بن احمد کی طرف دیکھا تو سب اُداس اور افسردہ ہو گئے
تھے۔ اس لئے کہ منصور بن احمد کی گردن جھکی ہوئی تھی، انتہا درجہ کا پریشان اور فکر مند تھا،
ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ یہاں تک کہ حسام الدین کی طرف دیکھتے
ہوئے منصور کہنے لگا۔

"حسام الدین! میرے بھائی! تھوڑی دیر تک تیز رفتار قاصد اربل شہر کی طرف
روانہ کرو۔ شرف الدین سے کہو کہ ہم کوہستانِ قپچاق سے نکل کر جزیرہ کا رخ کریں گے،
وہ راستہ میں ہم سے آن ملے۔ ہلاکو نے چونکہ اب رزم گاہ کے لئے دوسرے علاقے
منتخب کر لئے ہیں، لہٰذا وہ اربل کا رخ نہیں کرے گا۔ ویسے بھی اربل شہر کے نواح میں
ہمارے ہاتھوں وہ کافی نقصان اٹھا چکا ہے۔

میرے بھائی! دوسرا کام یہ کرو کہ آج لوئی تاشی اور یانگ خان کے ساتھ مل کر اپنے
لشکر کی تیاری کو آخری شکل دے لو۔ اس لئے کہ آنے والی شب کے پچھلے پہر ہم یہاں
سے کوچ کریں گے۔ تیسری بات جو میں آپ سب لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ

میں نے اپنے دل میں اپنے خداوند قدوس کے حضور یہ وعدہ کیا ہے کہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا کہ ہلاکو خان کو جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ نہ کرنے دوں۔ اگر تو میں ان علاقوں کو ہلاکو سے بچا سکا، ان کا دفاع کر سکا تو پھر مجھے زندہ رہنے کا حق ہے۔ اور اگر میں ان علاقوں کو ہلاکو خان کی تباہی بربادی اور مسلمانوں کے قتل کو بچا نہ سکا تو پھر ان علاقوں کے لئے تم جسے چاہو اپنا امیر مقرر کر لینا۔ میں کہاں ہوں گا، مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر تم تلاش کرو گے تو میں مل نہ سکوں گا۔ اس لئے کہ جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ کے علاقے اگر ہلاکو کے قبضہ میں چلے گئے تو پھر زندہ رہنا پسند نہیں کروں گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب سارے سالار اداس اور افسردہ ہو گئے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ حسام الدین کی گردن جھکی ہوئی تھی، چہرہ گیا تھا۔

اس موقع پر لوئی تاشی غور سے منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر! خدا کے لئے ایسا تو نہ کہئے۔ اگر یہ علاقے ہلاکو خان کی تباہی اور بربادی سے نہیں بچتے تو اس میں آپ کا کیا قصور؟ آپ اپنی جان کے دشمن کیوں بنیں گے۔ آپ اپنی طرف سے کوشش کیجئے گا۔ اگر دفاع ہو سکا تو میں جانتا ہوں، آپ کوئی کمی نہیں کریں گے اور اگر ہلاکو بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ ان علاقوں پر چڑھ دوڑا اور ہم دفاع نہ کر سکے تو پھر آپ کو اپنی جان گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

لوئی تاشی کو یہاں تک کہنے کے بعد رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ منصور بن احمد بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”لوئی تاشی! اب تک میں مسلمانوں کی بڑی بربادی اور تباہی دیکھ چکا ہوں۔ میں نے بغداد کی تباہی اور بربادی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی پر قسم خداوند قدوس کی، اس تباہی اور بربادی میں ہر روز اپنے خوابوں میں دیکھتا ہوں جس نے میری راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ بغداد کے بعد دوسرے علاقوں کی تباہی اور بربادی بھی کسی طور کم نہیں ہے۔ لہٰذا جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ کی بربادی شاید میرے لئے برداشت نہ رہے۔“

منصور بن احمد اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس لئے کہ عصر کی نماز کی اذان سنائی دے رہی تھی۔ پھر اپنے ساتھی سالاروں کو مخاطب کر کے منصور بن احمد کہنے لگا۔

”پہلے عصر کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جس لشکر کو میں نے اور حسام الدین نے اپنے ساتھ لے کر جانا ہے، اس کی تیاری کو آخری شکل دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ان لشکریوں کو آگاہ کرتے ہیں تا کہ وہ بھی اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے لیں۔“

اس کے ساتھ ہی سب اٹھ کر دیوان خانے سے باہر نکلے۔ اس موقع پر لوئی تاشی کو کچھ یاد آیا، منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

منصور بن احمد رک گیا اور غور سے لوئی تاشی کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”کہو۔ اس کے لئے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

”امیر! آپ جانتے ہیں، جیسا کہ آپ خود فیصلہ کر چکے ہیں، آنے والی شب کے پچھلے حصے میں آپ اور حسام الدین لشکر کو لے کر یہاں سے کوچ کریں گے۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ آج شام کا کھانا آپ، حسام الدین، یانگ خان اور دوسرے سالار میرے ہاں کھائیں۔ ایسا میں سعادت سمجھ کر کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ یہ بھی اُمید رکھتا ہوں کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا اور وہ کہنے لگا۔

”لوئی تاشی! میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، جو کھانا میں خود اپنی رہائش گاہ میں تیار کر کے کھاتا ہوں، وہ بھی ایک طرح سے تمہارا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ساری چیزیں تمہارے ہاں سے جاتی ہیں۔ لہٰذا تمہیں بار بار ہماری ضیافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

”امیر! میں سمجھتا ہوں، یہ صرف سعادت نہیں، اس سے باہمی محبت اور چاہت بھی بڑھتی ہے۔“

لوئی تاشی کے یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد مسکرا دیا اور اُس کی دعوت کو قبول کر لیا۔

بھر سب مسجد کا رُخ کر رہے تھے۔

OOOOO

دوسری طرف اربل شہر میں بھی ایک بہت بڑا حادثہ پیش آچکا تھا۔ اربل شہر پر
شرف الدین کردی نے منصور بن احمد کے کہنے پر قیام کر رکھا تھا اور اربل شہر کے حاکم
ابنِ صلایا نے اربل شہر اور اس کے گرد و نواح میں یہ خبر مشہور کر رکھی تھی کہ امیر منصور بن
احمد کا نامور سالار شرف الدین کردی، لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ اربل شہر میں قیام کئے
ہوئے ہے۔ جب کہ خود منصور بن احمد اور اس کا ساتھی سالار حسام الدین ایک خاصے
بڑے لشکر کے ساتھ اربل شہر کے گرد و نواح میں سرگرداں رہتے ہیں تاکہ اگر ہلاکو
اربل شہر پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے تو اس سے نمٹا جا سکے۔

اس خبر کے مشہور ہونے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہلاکو نے دوبارہ اربل شہر پر لشکر کشی کرنے
کے لئے اس کا رخ نہیں کیا تھا۔

اب جو اربل شہر کے حاکم ابنِ صلایا کی بدقسمتی آئی تو اس نے محسوس کیا کہ اب
اربل شہر پر ہلاکو خان حملہ آور نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس نے ایک روز شرف الدین سے مشورہ
کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اربل شہر سے نکل کر میں ہلاکو کے پاس جاؤں اور اس کے
سامنے اپنا یہ ارادہ پیش کروں کہ آنے والے دور میں مَیں ابنِ صلایا، حاکم اربل ہلاکو
خان کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہنا چاہتا ہوں، لہٰذا مجھے امان دی جائے۔

ابنِ صلایا ایسا اس لئے کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنے شہر کو محفوظ کرے۔ جب اپنے
ارادوں کا اظہار اس نے شرف الدین کردی سے کیا تو شرف الدین کردی نے اربل کے
حاکم ابنِ صلایا کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور اسے ہلاکو کے پاس جانے سے منع کر
دیا۔ لیکن شرف الدین کردی کے منع کرنے کے باوجود ابنِ صلایا، اربل شہر سے نکلا اور
ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہوا۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب وہ ہلاکو کے پاس پہنچا تو ہلاکو نے کوئی گفتگو نہ کی بلکہ
اسے قتل کرا دیا۔

انہی دنوں شرف الدین کردی کے پاس منصور بن احمد کا پیغام پہنچا۔ چنانچہ اربل شہر

کا انتظام ایک سالار کے حوالے کرنے کے بعد شرف الدین کردی، اربل شہر سے نکلا تھا
تاکہ دریائے فرات کے کنارے وہ منصور بن احمد کے لشکر میں جا شامل ہو۔

OOOOO

شام سے تھوڑی دیر پہلے جس وقت لوئی تاشی کی بیوی مدلان، بیٹی تنکیر اور کیتھرائن
تینوں دعوت کے سامان کا اہتمام کرنے میں مصروف تھیں اور کیتھرائن چاولوں سے بھرا
ہوا ایک طشت اپنے گھٹنوں پر رکھے چاول صاف کر رہی تھی، اس موقع پر بلذون گھر میں
داخل ہوا۔ وہ پریشان اور فکرمند تھا۔ سیدھا اس طرف گیا جہاں مدلان، تنکیر اور کیتھرائن
تینوں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ جا کر اپنی ماں کے قریب بیٹھ گیا۔ پریشان اور فکرمند تھا۔ چہرہ
اُترا ہوا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے تنکیر اور مدلان دونوں ماں بیٹی نے بڑے غور سے اس کی
طرف دیکھا، پھر مدلان نے اسے مخاطب کیا۔

”بلذون بیٹے! میں دیکھتی ہوں، تُو پریشان اور فکرمند ہے۔ کہو کیا بات ہے؟ کیا
تمہارے بابا نے تمہاری دل شکنی کی ہے یا کسی بات پر تمہیں جھڑک دیا ہے؟“

اپنی ماں کے اس طرح محبت سے پوچھنے پر بلذون رو دیا تھا۔ اُس کی یہ حالت
دیکھتے ہوئے مدلان نے اسے گلے لگایا اور اس کا سر اور پیشانی چومی، پھر کہنے لگی۔

”بیٹے! روؤ نہیں۔ بتاؤ، کیا وجہ ہے؟ تم کیوں پریشان اور فکرمند ہو؟“

اس پر بلذون نے اپنے آنسو پونچھے، اپنے آپ کو کسی قدر سنبھالا، پھر کہنے لگا۔

”اماں! امیر منصور نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا ہے۔“

یہ الفاظ سن کر کیتھرائن چونکی تھی۔ چاول صاف کرنے اس نے بند کر دیئے تھے۔
مدلان اور تنکیر بھی عجیب سے انداز میں بلذون کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ پھر پریشان سی
آواز میں مدلان بول اُٹھی۔

”میرے بیٹے! امیر منصور نے کیا فیصلہ کیا ہے جس کی وجہ سے تم پریشان اور فکرمند
ہو اور رو پڑے ہو؟“

بلذون ایک بار پھر روتی ہوئی آواز میں بول اٹھا۔

”اماں! کہتے ہیں کچھ دیر پہلے ہمارے مخبر یہ خبریں لائے ہیں کہ ہلاکو خان نے

البیرہ شہر کو فتح کر لیا ہے اور اب وہ مسلمانوں کے تین بڑے شہروں، تین بڑے علاقوں کا رخ کرے گا اور انہیں فتح کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ علاقے دیار بکر، جزیرہ اور دیار ربیعہ ہیں۔ امیر منصور نے خداوند قدوس کو عہد دے کر یہ قسم کھا لی ہے کہ وہ ان تینوں علاقوں کا دفاع کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ ایسی جدوجہد کرے گا کہ ان علاقوں پر ہلاکو کو قابض نہ ہونے دے۔ ساتھ ہی اس نے بابا سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر ہلاکو خان جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر ان علاقوں کا امیر اور سردار جسے چاہے مقرر کر لیا جائے، امیر منصور یہاں نہیں آئیں گے اور نہ ہی وہ زندہ رہنا پسند کریں گے۔ بابا سے انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر ہلاکو خان ان تینوں علاقوں پر قبضہ کر لے تو پھر امیر منصور کو نہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ ہی جاننے کی کوشش کی جائے کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ یہاں نہیں ہوں گے۔"

یہ الفاظ سن کر کیتھرائن جس نے چاولوں سے بھرا ہوا طشت گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا، ایسی چکرائی کہ چاولوں کا طشت اس کے گھٹنوں سے نیچے گر گیا۔ اس کا چہرہ رونے والا ہو گیا تھا، کپکپانے لگی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے مدلان اور تنکیر دونوں بڑی تیزی سے اس کی طرف لپکیں۔ تنکیر اپنی جگہ سے اُٹھ کر بھاگ گئی، مٹی کے ایک کورے پیالے میں پانی لا کر اس نے کیتھرائن کو پلایا۔ اتنی دیر تک مدلان نے کیتھرائن کو سنبھالا دیا۔ جب کہ بلذون اور تنکیر دونوں بہن بھائی نے چاول جو فرش پر گر گئے تھے، اٹھا کر دوبارہ طشت میں رکھ دیئے تھے۔

کیتھرائن نے جب اپنے آپ کو کسی قدر سنبھالا، تب رو دینے والے انداز میں مدلان اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"میری بیٹی! تُو اپنی حالت اس طرح تو نہ بنا۔ میں جانتی ہوں، تُو امیر کو کس قدر پسند کرتی ہے۔ اس موقع پر تُو امیر کے لئے دعا مانگ کہ اللہ اسے اپنی اس مہم میں کامیاب کرے اور وہ پہلے کی طرح ایک فاتح اور کامیاب سالار کی حیثیت سے ہمارے پاس واپس آئے۔"

اس موقع پر تنکیر نے بھی کیتھرائن کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، پھر اس کے کان میں کہنے لگی۔

"کیتھرائن! میری بہن! ان الفاظ کو اپنے دل میں نہ بسا لینا۔ خداوند قدوس نے چاہا تو امیر ایک فاتح اور کامیاب سالار کی حیثیت سے واپس آئیں گے۔ تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

تنکیر کے ان الفاظ پر کیتھرائن خوش ہو گئی تھی۔ پھر تینوں کام میں مصروف ہو گئی تھیں۔ اب بلذون بھی اس کام میں ان تینوں کی مدد کرنے لگا تھا۔

اُس روز سارے سالاروں کی دعوت لوئی تاشی کے ہاں تھی۔ کیتھرائن اس دعوت کے دوران امیر منصور سے ملی تو نہیں تھی لیکن پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر کئی بار وہ امیر کو دیکھتی رہی۔

چونکہ لشکر کو عصر کی نماز کے بعد ہی تیار کر دیا گیا تھا، لہٰذا اس رات کے پچھلے حصہ میں جس وقت منصور بن احمد اور حسام الدین اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے لگے تو لوئی تاشی، یانگ خان اور وہ سالار جنہوں نے لوئی تاشی اور یانگ خان کے ساتھ رہنا تھا، وہ بھی وہاں موجود تھے۔

اس موقع پر ایک خوب صورت، نئے اور سفید کپڑے کی گٹھری لے کر لوئی تاشی کا بیٹا بلذون، امیر منصور بن احمد کے پاس آیا۔ منصور بن احمد لحہ بہ لحہ تیز ہوتی روشنی میں غور سے بلذون کی طرف دیکھتا رہا۔ بلذون نے آگے بڑھ کر وہ گٹھری امیر منصو کے گھوڑے کی زین سے باندھ دی، پھر کہنے لگا۔

"امیر! یہ آپ کے لئے زادِ راہ ہے۔ امیر! یہ کسی نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔ خدا کے لئے انکار نہ کیجئے گا۔ اس لئے کہ......"

بلذون کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ منصور بولا اور کہنے لگا۔

"اب جب کہ یہ گٹھری تُو نے میرے گھوڑے کی زین سے باندھ ہی دی ہے تو پھر میں انکار تو نہیں کر سکتا۔"

منصور کے ان الفاظ پر بلذون کو کچھ حوصلہ ہوا، پھر کہنے لگا۔

"امیر! برا نہ مانیئے گا۔ جب سورج چڑھ آئے، اس میں سے کچھ لے کر آپ کھانے لگیں تو اس گٹھری میں آپ کو تہہ کیا ہوا ایک کاغذ بھی ملے گا۔ اسے غور سے پڑھئے گا اور جو التجا کسی نے اس خط میں کی ہے، اس پر توجہ بھی دیجئے گا۔"

اس کے ساتھ ہی بلزدون پیچھے ہٹ گیا تھا اور منصور بن احمد اور حسام الدین اپنا لشکر لے کر وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

سورج جب چڑھ آیا اور پھر جب فضاؤں کے اندر روشنی خوب پھیل گئی، تب منصور بن احمد نے کچھ سوچتے ہوئے وہ گٹھری جو بلزدون نے اس کے گھوڑے کی زین سے باندھی تھی، اسے کھولا۔ اس نے دیکھا، زادِ راہ میں بہت سی چیزیں تھیں۔ تازہ پکے ہوئے پکوان اور کچھ میوہ جات اور دوسری خشک چیزیں بھی تھیں۔ اور کچھ پھلوں کے اندر تہہ کیا ہوا ایک کاغذ بھی بڑے سلیقے سے رکھا ہوا تھا۔ وہ تہہ کیا ہوا کاغذ منصور بن احمد نے نکالا اور گٹھری کو اس نے پہلے کی طرح اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ کر کاغذ کی تہہ کھولی اور اس میں جو تحریر لکھی تھی، وہ پڑھنے لگا۔ وہ تحریر کچھ اس طرح تھی۔

"امیر! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کسی روز میں آرمینیا کے کوہستانی سلسلوں سے نکل کر کوہستانِ قپچاق میں پہنچا دی جاؤں گی۔ میں یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ آرمینیا کے کوہستانی سلسلہ میں میرے سوگ بھرے دن اور بے رحم تاریکی بھری راتیں کوہستانِ قپچاق میں آ کر سبک ساحلوں کی ٹھنڈک اور نہ ختم ہونے والی خوشبوؤں میں بدل جائیں گی۔ امیر! میں یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ آرمینیا میں دکھوں کی بجھتی دھن میں مری خواہشیں، تنگ و تاریک ساعتیں، خشک بے تاثر لمحے اور پرانی خستہ بھٹکتی اُمیدیں یہاں آ کر چاہت بھری آہٹوں کی گونج، جسم و جان کو سراب کرتے وقت کے کسی نغمے اور محبت کے اشاروں کی نشاندہی کرتی تن کی سرور انگیزی میں تبدیل ہو جائیں گے۔

امیر! میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ آپ مجھے پسند نہیں کرتے۔ شاید مجھ سے نفرت کرتے ہوں، بے زاری کا اظہار کرتے ہوں۔ اس کے باوجود میں چونکہ آپ کو پسند کرتی ہوں، اس لئے میں ہمیشہ زمین پر رینگتی پرچھائیوں، پورے چاند کی مہکتی رات، فطرت کے جمال کے نقوش، بکھری صداؤں کی تکبیروں، سانسوں کے خودکار عمل اور روح و بدن کے اختلاط کی طرح آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ امیر! اگر آپ کسی موڑ پر صرف اتنا کہہ دیں کہ آپ مجھ سے نفرت نہیں کرتے تو قسم خداوند قدس کی، میں قہرمانیت کی خلیجوں، غیض و غضب کی طغیانیوں، حبس کے قہرمان موسموں، خوشیوں کی اُڑانوں کو مجروح کرتے خون بھرے اندیشوں کے اوہام میں بھی کھڑی ہو کر جلترنگ کی

شگفتگی، گل در گل آوارہ گردی کرتی تتلیوں اور شبنم میں دھلی شادابیوں جیسی خوش رقص کرتی مطمئن ہو جاؤں گی۔"

اور یہ تحریر پڑھنے کے بعد منصور بن احمد کچھ دیر تک اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر بڑی سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا، پھر ہلکا سا تبسم اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس نے خط تہہ کر کے اپنے لباس میں رکھ لیا تھا۔ گھوڑے کو اس نے ایڑ لگا کر اس کی رفتار تیز کر دی تھی اور اب وہ اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ دریائے فرات کا رخ کر رہا تھا۔ راستہ میں شرف الدین کردی بھی اس سے آن ملا تھا۔

○○○○○

منصور بن احمد نے سب سے پہلے اپنے تیز رفتار اور جہاں دیدہ مخبروں کو منگو
پر نگاہ رکھنے کے لئے اپنے آگے روانہ کیا۔ جبکہ ایک مناسب جگہ جا کر اس نے ایک
صبح سویرے جب کہ فضاؤں کے اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی، قیام کر لیا تھا۔

سارا دن اس نے وہیں قیام کئے رکھا۔ حتیٰ کہ عشاء کی نماز کے بعد وہ مخبر جو
نے اپنے آگے روانہ کئے تھے، ان میں سے کچھ لوٹے، منگولوں کے محل وقوع کی اطلا
دی۔ اس پر رات کی تاریکی میں منصور احمد نے بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ
شروع کیا اور اپنے انہی مخبروں کی رہنمائی میں ایک مناسب جگہ جا کر اس نے اپنے
کے ساتھ گھات لگا لی تھی۔

وہیں منصور بن احمد کی خدمت میں اس کے کچھ دوسرے مخبر پیش ہوئے۔ اس
لشکری صبح کا کھانا کھا رہے تھے۔ آنے والے ان مخبروں کو منصور بن احمد نے اپنے
کھانا کھلایا۔ جب وہ کھانا کھا چکے، تب انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’اب کہو، ہلاکو کے لشکر کے اندر کیا ہلچل ہے؟‘‘

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

’’امیر! ہلاکو کا لائحہ عمل اور اس کی منصوبہ بندی یہ ہے کہ پہلے جزیرہ، پھر دیار
اس کے بعد دیار ربیعہ پر قبضہ کیا جائے۔ اس وقت اس کا لشکر جزیرہ سے تو کافی
پر ہے اور جو اطلاعات ہم نے منگولوں کے متعلق اکٹھی کی ہیں، وہ کچھ اس طرح
آج صبح منگولوں کا ایک لشکر جزیرہ کے نواحی علاقوں کی طرف جائے گا۔ پہلے ان

میں مار دھاڑ، قتل و غارت گری کرے گا۔ مسلمانوں کے اندر خوف و ہراس پھیلائے گا،
پھر بستیوں کی بستیاں لوٹتے ہوئے وہ اپنے لئے رسد اور ضروریات کا دوسرا سامان
حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ دراصل ہلاکو چاہتا ہے کہ پہلے کم از کم اس کے لشکر کے
لئے اس کے پاس چھ ماہ کی رسد موجود ہو۔ پھر اگر جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ
کرنے میں جنگ طول بھی پکڑ جاتی ہے تو اسے کچھ پروا نہیں ہو گی۔ اس بنا پر وہ ایک
خاصا بڑا لشکر ترتیب دے چکا ہے جو پہلے جزیرہ اور گرد و نواح کی آبادیوں کے اندر
ترکتاز اور یلغار کرے گا اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے لئے
ضروریات کا سامان بھی حاصل کرے گا۔‘‘

آنے والا مخبر جب خاموش ہوا، تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے منصور بن احمد بولا
اور کہنے لگا۔

’’بہت اچھی خبر لے کر آئے ہو۔ ہم خود بھی اس وقت جزیرہ کی سرزمینوں میں قیام
کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے یہ بھی اچھا کیا کہ ہم اس وقت گھات میں ہیں۔ اب تم اپنے
ساتھیوں کے ساتھ پھر نکلو۔ جوں ہی کہیں منگولوں کا لشکر نمودار ہوتا ہے، خود یا اپنے
ساتھیوں کے ذریعے اطلاع کرو اور ان کے لشکر تک ہماری رہنمائی بھی کرنا۔ پھر دیکھنا،
میں ان کا کیا حشر کرتا ہوں۔‘‘

اس کے ساتھ ہی وہ گفتگو کرنے والا مخبر اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے اٹھ کے
چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد منصور بن احمد، حسام الدین اور شرف الدین کردی تھوڑی
دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ شاید منصور بن احمد کسی منصوبہ بندی کے متعلق سوچ رہا تھا۔
جب کہ حسام الدین اور شرف الدین کردی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہے
تھے۔ کچھ چھوٹے سالار جو اس وقت ان کے اردگرد بیٹھے تھے، ان کی بھی یہی کیفیت
تھی۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد نے اپنی گردن سیدھی کی اور باری باری ایک غائر نگاہ
حسام الدین، شرف الدین کردی اور دوسرے سالاروں پر ڈالی۔ اس کے بعد انہیں
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’میرے عزیز ساتھیو! میرے بھائیو! اگر ہلاکو، جزیرہ، دیار بکر اور دیا[illegible] پر حملہ

کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر ہمارے لئے یہ باعثِ شرم اور ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی ہے کہ ہلاکو کو ان تینوں علاقوں پر قبضہ نہ کرنے دوں بلکہ انہی علاقوں کے اندر اسے ایسی مار ماری جائے کہ وہ یہاں سے ہٹنے پر مجبور ہو جائے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لئے منصور بن احمد رکا، پھر اس نے حسام الدین اور شرف الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"حسام الدین اور شرف الدین میرے دونوں بھائیو! مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد ہمارے مخبر ہلاکو کے اس لشکر کی نشاندہی کریں گے جس نے ہلاکو خان کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے علاقوں میں لوٹ مار کی کارروائیوں کی ابتدا کرنی ہے۔ میرے عزیز بھائیو! لشکر کو تین برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا حسام الدین کے پاس اور تیسرا شرف الدین کی کمانداری میں رہے گا۔ اس طرح چھوٹے سالاروں کو بھی آپس میں تقسیم کر لیا جائے گا۔ منگولوں کا جو لشکر مسلمانوں کے علاقوں کے اندر لوٹ مار اور تباہی کا کھیل کھیلنے کے لئے آئے گا، سب سے پہلے شرف الدین! اس پر تم ایک پہلو سے حملہ آور ہونا۔ دوسرے پہلو سے حسام الدین ان پر ضرب لگائے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اس سمت سے ان پر حملہ آور ہوں گا جہاں سے انہوں نے بھاگ کر ہلاکو کی طرف جانا ہے۔

دیکھو! اگر ہم اس لشکر کو شکست دینے میں کامیاب ہوتے ہیں تو وہ لشکر ہمارے علاقوں کے اندر دور دور تک نہیں جائے گا بلکہ واپس مڑنے کی کوشش کرے گا اور اپنی جانیں بچا کر ہلاکو کی طرف جانا پسند کرے گا۔ اور جس سمت سے ہو کر ہلاکو خان کی طرف جانا ہوگا، اسی سمت میں رہوں گا۔ پھر انہیں میں بتاؤں گا کہ وہ کیسے ہماری گرفت سے بھاگ سکتے ہیں۔ اگر وہ بغداد میں میافارقین اور البیرہ جیسے شہروں کے اندر قتل غارت گری، تباہی اور بربادی کا کھیل کھیل سکتے ہیں، اگر وہ انسانیت کا لبادہ اتار کر درندگی اختیار کر کے ایسا کرتے ہیں تو ہم ان کے باطن سے درندگی کی خواہشیں بھی نکال کر پھینک سکتے ہیں۔ میرے بھائیو! آؤ لشکر کی تقسیم کو آخری شکل دیں۔ ہوسکتا ہے کہ دیر تک ہمارے مخبر بھی لوٹ کے آئیں اور منگولوں کے لشکر سے متعلق بھی ہمیں کچھ

آگاہ کر دیں۔"

حسام الدین، شرف الدین کردی اور باقی سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا منصور بن احمد جب اٹھا تو وہ سارے اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ اس کے بعد انہوں نے وقت ضائع کئے بغیر لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور اب وہ بالکل مستعد ہو کر اپنے مخبروں کا انتظار کرنے لگے تھے۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہی مخبر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا جو اس سے پہلے منصور بن احمد کے ساتھ کھانا کھا کر اور اہم خبریں دے کر گیا تھا۔ وہ جب منصور بن احمد کے سامنے آیا تو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! منگولوں کا ایک لشکر یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس وقت وہ دریا کے کنارے ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ مسلمانوں کے علاقوں میں تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنے کے لئے پیش قدمی کرے گا۔"

یہ اطلاع سن کر منصور بن احمد کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے وقت ضائع نہیں کیا، فوراً اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ چنانچہ جو مخبر آئے، اس کی رہنمائی میں منصور بن احمد، ہلاکو خان کے اس لشکر کی طرف بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ بڑھنے لگا تھا۔

منصور بن احمد کے مخبر اسے منگولوں کے لشکر کے قریب لے گئے۔ منصور بن احمد فوراً اس سمت ہو لیا، جس سمت سے منگولوں نے وہاں سے ہلاکو خان کی طرف جانا تھا۔ منگولوں نے جب دیکھا کہ پشت پر ایک چھوٹا سا لشکر نمودار ہوا ہے اور وہ حملہ کرنے کے درپے ہے تو وہ رک گئے۔ شاید وہ پیش قدمی روک کر پہلے منصور بن احمد کے لشکر سے نمٹنا چاہتے تھے۔ اتنی دیر تک منصور بن احمد نے اپنے لشکر کو گرما کے موسم میں سورج کے جلال میں بھڑکتی سیال آتش، مستی پر آئی بے کل لہروں، نمود کے لئے بے کل تحریک، اٹھتی گرتی لہروں کے تموج کی طرح آگے بڑھا۔ پھر وہ منگولوں کے اس لشکر پر سلگتی خزاں میں سرگرداں بھبھوکا سی چنگاریوں، بے کراں ریگزاروں میں نفس کو بے کل کرتی کڑے سوگ کی رُتوں، تند حقارت کے سناٹوں کو توڑتے اندیشوں کے اٹل طوفان اور کھولتی بھیانک آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

منگولوں نے منصور بن احمد کے اس حملے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس لئے کہ وہ دیکھ

چکے تھے، ان سے ٹکرانے والا لشکر ان کے مقابلے میں چھوٹا اور مختصر تھا۔ لہٰذا وہ یہ گمان کر بیٹھے تھے کہ بہت جلد اس لشکر کو اپنے زعم میں وہ دھو نچوڑ کر رکھ دیں گے۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں تھے کہ اچانک ایک طرف سے حسام الدین جو کنارا اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ وہ منگولوں کے لشکر کے ایک پہلو پر زیست کے قرینے تک کو بدل دینے والی بھڑکتی انتقام کی آگ، ذہن کی سوچوں سے اُٹھتے مچلتے بے درد دھاروں، آنکھوں کے آنگنوں میں اُترتے کرب بھرے خوابوں اور قیامت خیز بیزاری کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

حسام الدین کے ساتھ ہی ساتھ منگولوں کے لشکر کی دوسری سمت سے شرف الدین کردی آسمان سے اُتر کر بزمِ ہستی پر برہم برق کے کوندوں کی طرح نزول کرتے دہکتے سلگتے عذابوں، ہوش و حواس کو گمراہ کرتی درد کی وارداتوں، فنا کر دینے والے فشار اور رگ رگ میں تلاطم برپا کرتے نا آسودگی کے گرم موسموں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

منگولوں نے جب دیکھا کہ ان پر تین اطراف سے حملے ہو گئے ہیں، تب انہوں نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ اتنی دیر تک منصور بن احمد، حسام الدین اور شرف الدین کردی نے ان کے لشکر کے ایک بڑے حصے کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ منگولوں نے اپنے آپ کو کچھ سنبھالا، پھر وہ دشت سے اُٹھتے کرب کے طویل سلسلوں، سیاہ بختی کے لمحوں، سانسوں میں سلگاہٹ بھرتے گرجتے ابر میں غم کی طغیانیوں، موت کی بھیانک صداؤں، کڑکتی برق اور تعصب کی دہکتی آگ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ویران کھلے میدانوں کے اندر وحشی ترنگ، نظروں کے پیچ و تاب، آتشی لاوے بنجر راستوں، سنسان منزلوں، الم نصیبی کی شوریدہ کاری اور نفرتوں کی اُداس رُتوں نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔

رزم گاہ کے اندر شرر خیز آندھیاں، خس و خاشاک کو اُڑاتے طوفان، یاس کے جال بچھاتے بھنور، خوفناک بے روک قوتیں، پابندِ سلاسل کر دینے والی عداوتوں کی لپٹیں اُٹھی تھیں۔

تھوڑی دیر تک جزیرہ کی زمینوں میں ہولناک رن پڑا۔ منگول شروع شروع میں حاوی ہونے کی کوشش کرتے رہے لیکن منصور بن احمد، حسام الدین اور شرف الدین

کردی کے جان لیوا حملوں نے انہیں تھکا مارا تھا۔ پھر جب ان کے لشکر کا خوب قتل عام ہوا اور منصور بن احمد کے لشکریوں نے منگولوں پر وارد ہو کر ان کی تعداد کافی کم کر دی، تب یقیناً منگولوں کی حالت وحشت بھرے خوابوں، سیاہ نیتوں کے عکس، شب گزیدہ تمدن، بے توقیر جذبوں، خونی رُتوں کی یلغار، آفتوں بھری فضاؤں اور ملگجی شام کے آسیب کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ منصور بن احمد نے اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے تکبیریں بلند کیں، جس کے جواب میں اس کے لشکری پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک انداز میں منگولوں پر ضربیں لگانے لگے اور جس کے نتیجے میں منگولوں کو بدترین شکست ہوئی اور انہوں نے ایک طرف بھاگنا چاہا لیکن حسام الدین، شرف الدین اور منصور بن احمد نے ایک طرح ان کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ لہٰذا کوئی اِکا دُکا ہی بھاگ سکا تھا۔ باقی کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

ہلاکو کے اس لشکر کی کمانداری اس کے دو سالار توران سلاوز اور توبان سونجاق کر رہے تھے اور منگولوں نے شکست کھانے کے بعد جب منصور بن احمد کے ایک طرف سے ہو کر بھاگنے کی کوشش کی تو منصور بن احمد نے ان کا تعاقب کیا اور بھاگنے والوں کا اس نے خاتمہ کر دیا اور ہلاکو خان کے دونوں بڑے سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کو گرفتار کر لیا گیا۔

منگولوں کے گھوڑوں کو ایک طرف کر دیا گیا تھا اور انہیں ایک دوسرے سے باندھ دیا گیا تھا تاکہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔ اس کے بعد منصور بن احمد نے گرفتار ہونے والے دونوں منگول سالاروں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ جس پر اس کے چھوٹے لشکری حرکت میں آئے اور ہلاکو کے دونوں سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کو اس کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس وقت منصور بن احمد، حسام الدین اور شرف الدین کردی ایک بلند جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

جب دونوں منگولوں کو لا کر منصور بن احمد کے سامنے کھڑا کیا گیا، تب ایک منگول سالار جس کا نام توران سلاوز تھا، بولا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرا نام توران سلاوز ہے اور میرے ساتھی سالار کا نام توبان سونجاق ہے۔ ہم

ہلاکو خان کے ایسے سالار ہیں، جن پر وہ ہمیشہ فخر کرتا رہا ہے۔ تم نے دھوکا دہی سے کام لے کر ہم پر تین اطراف سے حملہ کیا جس کے نتیجہ میں ہمارے لشکر کا خاتمہ ہوا اور ہم دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ ہم تمہارے بھلے کے لئے کہتے ہیں کہ ہمیں رہا کر دو۔ ہمیں نقصان پہنچاؤ گے تو تم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ، منگول اور منگولوں کا راجہ ہلاکو خان تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

توران سلاوز کے ان الفاظ پر منصور بن احمد تاؤ کھا گیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اسے گھور کر کے کہنے لگا۔

"تمہارے ہلاکو خان کی ایسی تیسی۔ کیا تم دونوں اس وقت ہلاکو خان کے لشکر میں شامل تھے، جس وقت ہلاکو نے بغداد کو تباہی کا نشانہ بنایا؟"

اس پر توران سلاوز کی چھاتی تن گئی، کہنے لگا۔

"ہاں۔ ہم دونوں اس وقت موجود تھے۔ اب بغداد شہر کے اندر کسی کی جرأت و جسارت نہیں کہ ہمارے خاقان ہلاکو خان کے سامنے سر اٹھائے یا اس کی شان کے خلاف کوئی الفاظ کہے۔"

توران سلاوز کے ان الفاظ پر منصور بن احمد مزید تاؤ کھا گیا تھا۔ زخمی تیندوے کی طرح اپنی جگہ پر سے اٹھا، ایک بھرپور طمانچہ اس نے توران سلاوز کے منہ پر مارا۔ ایسا ہی طمانچہ دوسرے سالار کے منہ پر بھی دے مارا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

"تم کہتے ہو کہ کسی کو جرأت اور جسارت نہ ہوئی کہ بغداد میں ہلاکو خان کے خلاف کوئی بولتا۔ میں کہتا ہوں تمہارا ہلاکو خان ایک وحشی درندہ اور بے عزت انسان ہے۔"

طمانچہ کھانے کے بعد توران سلاوز اور توبان سونجاق دونوں کے چہرے سرخ ہو گئے تھے۔ تاہم اس بار توران، منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم اپنا نام تو کہو تاکہ ہلاکو کے پاس تمہارا نام پہنچے کہ فلاں شخص نے ہمیں گرفتار کر کے اس طرح طمانچے مارے۔"

ہلکا سا تبسم منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

"ابھی تو تمہیں طمانچے پڑے ہیں۔ جہاں تک نام کا تعلق ہے، میرا نام منصور بن احمد ہے۔"

منصور بن احمد کا نام سن کر توران سلاوز اور توبان سونجاق دونوں چونک اٹھے تھے۔ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ منصور بن احمد کی آواز پھر ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ ابھی صرف طمانچے پڑے ہیں۔ ابھی تو تمہیں بہت بڑی اور کڑی سزا سے گزرنا ہے۔"

ان الفاظ کے جواب میں توبان سونجاق بولا اور کہنے لگا۔

"دیکھ منصور بن احمد! اپنی موت اور اپنی تباہی کو آواز نہ دے۔ جس وقت ہلاکو کے پاس یہ خبر پہنچے گی کہ اس کے سالاروں میں سے توران سلاوز اور توبان سونجاق کو مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد نے ہلاک کر دیا ہے تو یاد رکھنا، جہاں کہیں بھی تم ہو گے، خود ہلاکو یا کوئی منگول وہاں پہنچے گا اور تمہاری زندگی کا خاتمہ کر کے رہے گا۔"

اس موقع پر ایک جھٹکے کے ساتھ منصور بن احمد نے اپنی تلوار بے نیام کی اور پھر ہلاکو خان کے ان دونوں سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں تم دونوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ دیکھوں گا، تمہارا ہلاکو خان کون سا طوفان میرے خلاف کھڑا کرتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد نے اپنی تلوار بلند کی اور باری باری اس نے توران سلاوز اور توبان سونجاق کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

اس کے بعد منصور بن احمد نے حسام الدین اور شرف الدین کردی کو اپنے قریب بلایا۔ جب وہ دونوں اس کے نزدیک ہوئے، تب انہیں مخاطب کرتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"میرے دونوں بھائیو! سب سے بڑی بات بلکہ خوشی کی بات یہ کہ ہلاکو خان کے ایک لشکر کو ہم نے بدترین شکست دی ہے بلکہ اس لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ لشکر کے دونوں سالار بھی مارے جا چکے ہیں۔ میرے خیال میں چند ایک منگول کسی نہ کسی طرح اپنی جانیں بچا کر واپس بھاگے ہوں گے۔ اب یہ منگول واپس ہلاکو کے پاس جائیں گے اور تباہی کی داستان جو ان پر گزری ہے، وہ جا کر ہلاکو سے بیان کریں گے۔ چونکہ ہلاکو نے اپنے اس لشکر کو جزیرہ کے ان علاقوں میں ترکتاز کرنے اور مسلمانوں کو لوٹ کر اپنے لئے سامانِ رسد حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، اس کا

مطلب ہے ہلاکو خان اپنے بقایا لشکر کے ساتھ کہیں نزدیک ہی ہو گا۔ اس بنا پر وہ ہمارے خلاف حرکت میں آنے میں تاخیر سے کام نہیں لے گا۔

چونکہ جنگ کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے میرے خیال کے مطابق اسے رسد کی ضرورت ہے لہٰذا وہ پھر ایک لشکر مسلمانوں کے علاقوں میں لوٹ مار کرنے کے لئے روانہ کرے گا۔ پھر دوسرا لشکر ہم پر نگاہ رکھنے کے لئے روانہ کرے گا۔ اس طرح میرا اپنا اندازہ ہے کہ اس بار ہلاکو خان دو لشکروں کو ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔ ہلاکو کے پاس لشکر کی کمی نہیں ہے۔ اس کا لشکر لاکھوں افراد پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آرمینیا اور گرجستان کے بڑے بڑے لشکر بھی اس کے ساتھ شامل ہیں۔ اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یورپ اور ایشیا کے مغربی کناروں کی عیسائی ریاستیں بھی ہلاکو خان کو جوق در جوق جنگجو اور رضا کار مہیا کر رہی ہیں۔ اس لئے کہ ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ عیسائی ہے۔ لہٰذا اہلِ یورپ اور ایشیا کے مغربی کناروں یعنی بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو نصرانیوں کی ریاستیں قائم ہو گئی ہیں، وہ بھی چاہیں گی کہ ہلاکو خان عیسائیت قبول کرے اور ایک عیسائی حکمران کی حیثیت سے وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں تہس نہس کرتا رہے اور ان کی طاقت کمزور کر دے اور ان کے اندر ضعف پیدا کر دے تاکہ آنے والے دور میں وہ مسلمانوں پر حاوی ہو سکیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں جو فرانسیسیوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے، یورپ کو اس کا بھی بڑا غصہ اور غضب ہے اور وہ مسلمانوں سے ہر صورت میں انتقام لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر میں نے ایک قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم دونوں مجھ سے اتفاق کرو گے۔

اب تک میں منگولوں کو سمجھ چکا ہوں۔ وہ ضدی، ہٹیلے اور انتقام لینے کے بڑے پابند ہیں۔ ہم نے چونکہ ہلاکو کے لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے لہٰذا ہلاکو اس کا انتقام ضرور لے گا۔ اس بنا پر میں لشکر کو بالکل تھوڑی دیر تک یہاں ستانے کا موقع فراہم کروں گا۔ اس کے بعد احتیاط کے طور پر ہم اپنے لشکر کو لے کر تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھیں گے۔ ایسا ہم نے اس لئے کرنا ہے کہ ہلاکو اور اس کے سرکردہ منگول سالاروں کو یہ تاثر دینا ہے کہ منگولوں کے لشکر کو کاٹ کر ہم جنوب

کی طرف چلے گئے ہیں۔ لہٰذا منگول یہی سوچیں گے کہ شاید ہمارا رخ مصر کی سرزمینوں کی طرف ہے۔ لیکن چند میل جنوب کی طرف جانے کے بعد ہم اپنے مسلح مخبروں کو اپنے چاروں طرف پھیلا دیں گے اور چاروں سمتوں میں جہاں کہیں بھی انہیں کوئی منگول یا منگولوں کا مخبر نظر آئے، اسے وہ کاٹتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد ہم بڑی تیزی سے مغرب کا رخ کریں گے۔ مغرب کی طرف جانے کے بعد پھر شمال کی طرف آئیں گے اور جزیرہ کی سرزمینوں میں آ کر مناسب جگہ گھات لگا لیں گے۔ ہمارے ایسا کرنے سے ہلاکو خان ایک لائحہ عمل کا اظہار کرے گا۔ وہ یہ کہ دو لشکر ترتیب دے گا۔ ایک لشکر پہلے کی جگہ مسلمانوں کے خلاف حرکت میں لائے گا اور اپنے لئے رسد اور ضروریات کا دوسرا سامان مسلمانوں کی بستیوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور دوسرا لشکر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے جنوب کی طرف بڑھے گا تاکہ وہ ہمارا تعاقب کرے اور کسی مناسب موقع پر آ کر ہمارے خلاف جنگ کی طرح ڈالے، ہمارا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن اس وقت تک ہم بھی ایک چکر کاٹ کر پھر جزیرہ کی سرزمینوں میں داخل ہو کر مناسب جگہ گھات لگا چکے ہوں گے۔ ہم نے دوبارہ ہلاکو خان کے اسی لشکر کو ہدف بنانا ہے جو مسلمان بستیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے گا۔ اس لئے کہ ہلاکو خان اپنی فطرت کے مطابق کام کرے گا۔ چونکہ ان سرزمینوں میں اس کے ایک لشکر کا خاتمہ کیا گیا ہے، لہٰذا ان علاقوں کو لوٹ کر، انہیں برباد کر کے وہ ہر صورت میں انہیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرے گا۔“

حسام الدین اور شرف الدین کردی دونوں نے بڑی خوشی سے اور مسکراتے ہوئے منصور بن احمد کی اس منصوبہ بندی سے اتفاق کیا تھا لہٰذا تھوڑی دیر بعد لشکر کو کوچ کا حکم دیا گیا اور لشکر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

○○○○○

دریائے فرات کے کنارے ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا
اس کا لشکر میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، خیمے نصب تھے۔
جس وقت وہ اپنے بڑے سالاروں میں سے قط بوغا، مہرتاق، توراں اہلکان، آنکل،
قاچار، بائیدو اور دربائی کے ساتھ اپنے خیمہ میں بیٹھا اپنی اگلی مہموں سے متعلق گفتگو کر
رہا تھا، اس کا چوبدار خیمہ کے دروازے پر نمودار ہوا اور چند شکست خوردہ لشکریوں کے
لوٹنے کی اطلاع دی۔

یہ خبر سن کر ہلاکو خان چونکا تھا اور اس کے سارے سالار بھی چونک سے پڑے تھے۔
پھر ہلاکو خان نے آنے والوں کو اندر بلایا۔ اس پر جو منگول بری طرح زخمی تھے اور جن
کے لباس خون آلود تھے، انہیں ہلاکو خان کے چوبدار نے ہلاکو خان کے سامنے پیش کیا۔
ہلاکو خان کچھ دیر تک بڑے غور سے انہیں دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر غصے کے
آثار تھے، پیشانی پر بل پڑ چکے تھے۔ پھر وہ بولا اور آنے والے ان دونوں زخمی منگولوں کو
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟ ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرو۔"

جواب میں ایک منگول بولا اور کہنے لگا۔

"خاقان! ہمارا تعلق اس لشکر سے ہے جس کی کمانداری توران سلاوز اور توبان
سونجاق کر رہے تھے اور جسے آپ نے مسلمانوں کے علاقوں میں ترکتاز اور یلغار کر کے
اپنے رسد اور ضروریات کا دوسرا سامان حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" ہلاکو خان نے قہر بھرے انداز میں پوچھ لیا تھا۔

جواب میں وہی منگول بولا اور کہنے لگا۔

"خاقان! ہمارا لشکر جب ان علاقوں میں پہنچا تو اچانک مسلمانوں کا ایک لشکر نمودار
ہوا۔ وہ ایک چھوٹا سا لشکر تھا۔ ہماری پشت پر نمودار ہوا، وہ ہم سے ٹکرایا اور ہمیں امید تھی
کہ اسے ہم لمحوں کے اندر زیر کر کے اس کا خاتمہ کر دیں گے کہ باری باری دو اور لشکر
نمودار ہوئے جو ہمارے دائیں بائیں پہلو پر حملہ آور ہوئے۔ اس طرح حملہ آوروں نے
ایک طرح سے ہمیں گھیر لیا اور چاروں سمتوں میں انہوں نے زوردار حملے شروع کر
دیئے۔ وہ ایک طرح سے ہمارا گھیراؤ کر چکے تھے۔ کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا، اس
دوران ہمارے لشکر کا خاصا نقصان ہوا۔ لہٰذا ہمارے دونوں سالاروں نے شکست قبول
کی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمنوں نے ہمارا تعاقب کیا اور اس تعاقب کے دوران
ہمیں بہت زیادہ نقصان پہنچایا گیا۔ دونوں سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کو
گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ ان دونوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ہم
دونوں کے علاوہ اور لشکری بھی ہیں جو اپنی جانیں بچا کر یہاں آنے میں کامیاب ہوئے
ہیں۔"

اس موقع پر بڑے تعجب اور فکرمندی میں ہلاکو خان کے منہ سے نکل گیا۔

"تو کیا توران سلاوز اور توبان سونجاق کو قتل کر دیا گیا ہے؟"

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوا، دوبارہ آنے والے ان
دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ مسلمانوں کا وہ لشکر کدھر سے آیا اور کس کا تھا؟"

اس موقع پر تلخ سی آواز میں وہ زخمی منگول کہنے لگا۔

"خاقان! اس لشکر کی کمانداری مسلمانوں کا وہی سالار کر رہا تھا جو کبھی بغداد کے
لشکریوں کا نائب سالار ہوا کرتا تھا اور جس کا نام منصور بن احمد ہے۔ وہ اچانک کہیں
سے نمودار ہوا۔ میرے خیال میں وہ آس پاس قریب ہی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ جوں
ہی ہمارا لشکر وہاں پہنچا، وہ حملہ آور ہو گیا اور لمحوں کے اندر ہمارے لشکر کا اس نے خاتمہ
کر دیا۔"

یہ گفتگو ابھی جاری تھی کہ ایک بار پھر ہلاکو خان کا چوبدار، خیمہ کے دروازے پر آیا

اور ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"خاقان! ہمارے کچھ مخبر بھی آئے ہیں اور آپ کی خدمت میں کچھ اہم خبریں پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

اس پر ہلاکو خان نے دونوں زخمی منگولوں کو جا کر آرام کرنے کے لئے کہا اور اپنے چوبدار کو حکم دیا کہ مخبروں کو پیش کیا جائے۔ اس پر تین مخبر خیمہ میں داخل ہوئے اور ہلاکو خان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

ہلاکو خان نے دیر تک سر سے لے کر پاؤں تک ان کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔

"کہو، تم کیا خبر لے کر آئے ہو؟"

اس پر ان تینوں مخبروں میں سے ایک بولا اور ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"خاقان! ہم ایک نہیں، کئی خبریں لے کر آئے ہیں۔"

ان الفاظ پر ہلاکو خان نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا حتیٰ کہ وہ مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"خاقان! پہلی خبر یہ ہے کہ جس وقت ہم میافارقین کے نواح میں اپنا پڑاؤ کئے ہوئے تھے، مسلمان ہم پر حملہ آور ہوئے تھے، ہمارے پڑاؤ کو آگ لگائی تھی، وہیں سے کچھ مسلمان لشکری جن کا تعلق فراتا تار قبائل سے ہے، وہ وہاں سے کیتھرائن اور سیمر کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ جو خبریں ہم حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، ان کے مطابق فراتا تار قبائل کے ان لشکریوں نے کیتھرائن اور سیمر کو وہاں سے اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ دونوں خوب صورت تھیں، اعلیٰ شخصیت کی مالک تھیں۔ قد کاٹھ کی بھی خوب تھیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے اور اپنے امیر اور سالار سے ان دونوں کی شادی کریں گے۔ کیتھرائن اور سیمر کو اٹھائے جانے میں ان کے سردار اور ان کے امیر کی مرضی اور رضامندی شامل نہیں تھی۔"

اس موقع پر مخبر کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ حیرت زدہ انداز میں ہلاکو نے پوچھ لیا۔

"کوہستانِ قپچاق میں ان کا سردار اور امیر کون ہے؟"

اس پر مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"کوہستانِ قپچاق میں ان کا امیر اور سالار منصور بن احمد ہے۔ یہ وہی ہے جو کبھی بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ اسی منصور بن احمد کے لئے وہ لشکری کیتھرائن اور سیمر کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ منصور بن احمد کو خبر نہیں تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کو اٹھا کر وہاں پہنچایا گیا ہے۔ پھر ان کے لئے ایک مبلّغ مقرر کیا گیا، جو انہیں اسلام کی تبلیغ کرتا رہا۔ جس کے نتیجہ میں کیتھرائن اور سیمر دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

ہلاکو خان کے خیمہ میں اس وقت چونکہ آرمینیا کے بادشاہ حیثون کا بیٹا ختلان بھی بیٹھا ہوا تھا، لہٰذا وہ بھی گفتگو کو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ اس موقع پر وہاں گرجی سالار بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

آخر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ مخبر پھر کہنے لگا۔

"خاقان! وہاں قیام کے دوران کیتھرائن اور سیمر دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور دونوں ہی اپنی مرضی اور رضامندی سے مسلمانوں کے سالار اور امیر منصور بن احمد کی طرف مائل ہو گئی تھیں اور اس سے محبت کرنے لگی تھیں۔ پھر ایسا ہوا کہ آرمینیا کا بادشاہ حیثون، فراتا تار کے ان علاقوں پر حملہ آور ہوا لیکن اس کی بدقسمتی، اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقع پر جو حیرت انگیز انکشاف ہوا، وہ یہ کہ کیتھرائن اور سیمر دونوں نے بھی حیثون کے خلاف فراتا تار قبائل کا ساتھ دیا۔ اس جنگ کے دوران سیمر بری طرح زخمی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ ان زخموں کی تاب نہ لا سکی اور مر گئی۔ جہاں تک کیتھرائن کا تعلق ہے، اس نے وہیں قیام کر رکھا ہے۔ وہ فراتا تار قبائل کے امیر منصور بن احمد کو پسند کرتی ہے اور اس سے شادی کی خواہش مند ہے۔"

مخبر یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا، تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو نے پوچھ لیا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ خبر تم نے کہاں سے حاصل کی؟"

اس پر وہی مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"ہمارے ہتھے مسلمانوں کا ایک لشکری چڑھ گیا تھا۔ اسے قتل کرنے سے پہلے ہم نے اس سے ساری معلومات حاصل کی تھیں۔"

ہلاکو خان نے اس پر خوشی اور طمانیت کا اظہار کیا۔ پھر اس مخبر کو مخاطب کر کے کہنے

لگا۔

''تم نے آتے ہی کہا تھا کہ تمہارے پاس خبر نہیں، خبریں ہیں۔ ایک خبر تو تم سنا چکے ہو، اب دوسری خبر کی طرف جاؤ۔''

جواب میں وہ مخبر کہنے لگا۔

''خاقان! شاید ہم سے پہلے جو ہمارے زخمی لشکری آئے تھے، دوسری خبر وہ کہہ چکے ہوں گے۔ دوسری خبر یہ ہے کہ ہمارے لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جو لشکر آپ نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر سامانِ رسد حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس پر وہی منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا جو اس سے پہلے میافارقین اور اربل شہر کے نواح میں ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا چکا ہے۔ اسی نے ہمارے لشکر پر حملہ آور ہو کر ہمارے لشکر کو شکست دی اور توزان سلاوز اور توبان سونجاق دونوں ہمارے سالاروں کو گرفتار کر کے پہلے ان دونوں سے گفتگو کی، اس کے بعد ان دونوں کی اس نے خود گردنیں کاٹ کے رکھ دی تھیں۔

خاقان! یہ دوسری خبر ہے۔ اور تیسری خبر یہ ہے کہ اب مسلمانوں کا وہ سالار جس کا نام منصور بن احمد ہے، اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ جنوب کی طرف گیا ہے۔''

یہ خبر سننے کے بعد ہلاکو خان چونکا، پھر اس نے اپنے بڑے سالاروں میں سے کتبوغا اور آنچل کی طرف دیکھا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''وقت ضائع کئے بغیر دو لشکر تیار کرو۔ ایک لشکر بائیدو کی کمانداری میں دو۔ وہ دریائے فرات کے کنارے جنوب کا رخ کرے اور مسلمانوں کے سالار منصور پر حملہ آور ہو کر ہر صورت میں اسے شکست دے، اس کی گردن کاٹے۔ دوسرا لشکر دربائی کی کمانداری میں دو۔ وہ اس علاقے کی طرف جائے، جس علاقے کی طرف ہمارا پہلا لشکر گیا تھا۔ پھر وہ مسلمانوں کے قصبوں اور بستیوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے رسد اور ضروریات کا دوسرا سامان حاصل کرے۔ اب ان علاقوں میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا سالار جس نے ہمیں نقصان پہنچانے کی قسم کھا رکھی ہے اور جس کا نام منصور بن احمد ہے، وہ جنوب کی طرف جا چکا ہے۔ بائیدو اپنے لشکر کے ساتھ اس کا

تعاقب کرے گا اور مجھے امید ہے، بائیدو اسے جا لے گا اور اس کا خاتمہ کرے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو رکا، کچھ سوچا، پھر اپنے سارے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''سب سے پہلے تو مجھے اس بات کا بے حد دکھ اور صدمہ ہے کہ میری بیوی دوقوزہ کی بہن سیمر ماری جا چکی ہے۔ میں جانتا ہوں، جب یہ خبر میں اس سے کہوں گا تو اس کی کیا حالت ہو گی۔ دوسری بات جو میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ جزیرہ دیار بکر، دیار ربیعہ جیسے ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد میں کوہستانِ قپچاق کا رخ کروں گا۔ برقائی خان کے ساتھ تو اب ہماری دشمنی پرانی ہو چکی ہے اور ہم نے اس سے اپنی گزشتہ شکست کا انتقام ہر صورت میں لینا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے برقائی خان کا بازو کاٹا جائے اس لئے کہ فراتا تار قبائل کوہستانِ قپچاق کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ انہوں نے وہاں اپنی بستیاں قائم کر لی ہیں۔

جب تک کوہستانِ قپچاق کے اندر فراتا تار قبائل کی یہ بستیاں ہیں، اس وقت تک ہمارے لئے وہاں سے خطرات اٹھتے رہیں گے۔ چنانچہ فراتا تار قبائل نے جو بستیاں قائم کر لی ہیں، پہلے ان بستیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کیا جائے گا۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر یوں جانئے، برقائی خان کا ایک بازو کٹ جائے گا۔ اس لئے کہ برقائی خان میں ابھی نہ اتنی طاقت اور قوت ہے اور نہ اس کے پاس اتنا بڑا لشکر ہے کہ وہ اپنی کوہستانی آماجگاہ سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کر سکے۔ اور جب ہم اس کے بڑے حمایتی یعنی فراتا تار قبائل کا بھی خاتمہ کر دیں گے تو پھر میرے خیال میں برقائی خان پر قابو پانا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ فراتا تار اور برقائی خان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہم بڑی بے فکری سے جنوب سے مشرق تک پیش قدمی کرتے چلے جائیں گے اور کوئی قوت ہماری راہ اور ہمارا راستہ روکنے کی جرأت اور جسارت نہیں کرے گی۔''

اس کے ساتھ ہی ہلاکو خان نے وہ اجلاس ختم کیا اور اس کے سارے سالار جب اپنی جگہوں سے اُٹھ کر جانے لگے، تب ہلاکو خان نے آرمینیا کے بادشاہ حیشون کے بیٹے تتاان کو اپنے پاس روک لیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خنلان! میرے عزیز! مجھے اس بات کا بہت دکھ اور غم ہے کہ تمہاری بہن کیتھ
ہمارے پڑاؤ سے نکل کر کوہستانِ قپچاق میں جا چکی ہے۔ مجھے اس بات کا بھی
صدمہ ہے کہ وہ وہاں پہنچ کر اسلام قبول کر چکی ہے۔ مسلمانوں کے امیر منصور بن ا
محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔ تمہیں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں
عنقریب فراتا تار پر جب ہم ضرب لگائیں گے تو وہاں سے کیتھرائن کو ضرور حاصل
گے۔ اور مجھے امید ہے کہ جب وہ ہمیں ملے گی تو دوبارہ عیسائیت اختیار کر لے
فراتا تار کا ساتھ دینے سے انکار کر دے گی۔''

خنلان نے ہلاکو خان کے ان الفاظ پر اس کا شکریہ ادا کیا، پھر وہ خود بھی خیم
نکل گیا تھا۔ ابھی وہ چند ہی قدم دور گیا ہوگا کہ آواز دے کر ہلاکو خان نے اسے
خنلان رک گیا۔ ہلاکو خان بھی خیمہ سے نکلا۔ باہر آ کر اس نے خنلان کا بازو پکڑ
اسے کہنے لگا۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

خنلان، آرمیا کے بادشاہ حیشون کا بیٹا تھا، چپ چاپ ہلاکو خان کے ساتھ
تھا۔ ہلاکو خان اپنی بیوی دوقوزہ کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس وقت وہ اپنے خیمے میں
تھی۔ اس نے جب ہلاکو کے ساتھ آرمیا کے بادشاہ حیشون کے بیٹے خنلان کو بھی
دیکھا، تب اس نے بڑے غور اور انہماک سے دونوں کا جائزہ لیا۔ جب وہ دونوں
اس کے سامنے بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز دوقوزہ نے کیا اور کہنے لگی۔

''یہ جو خنلان آج آپ کے ساتھ آیا ہے تو میں سمجھتی ہوں، آپ دونوں کوئی
خبر لے کر نہیں آئے۔''

دوقوزہ جب خاموش ہوئی تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو خان
کہنے لگا۔

''دوقوزہ! تمہارا کہنا درست ہے۔ ہمارے مخبر یہ خبریں لائے ہیں کہ کیتھرائن اور
تمہاری بہن سیمر دونوں کوہستانِ قپچاق میں فراتا تار قبائل پہنچ گئی تھیں۔ فراتا تار
سردار اور سالار شروع میں لوئی تاشی تھا اور یانگ خان نام کا ایک تاتاری اس کا
لیکن جب بغداد شہر کے نواح میں ہم نے خلیفہ کے لشکر کو شکست دی، تب

لشکریوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد تو لڑائی کے دوران مارا گیا اور بغداد کے
لشکریوں کا جو نائب سپہ سالار تھا، نام اس کا منصور بن احمد ہے، وہ اپنے دو عمدہ اور
بہترین سالاروں نام جن کے حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی ہیں، ان کے
ساتھ کچھ لشکریوں کو بھی لے کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تم جانتی ہو، میں نے ان کے تعاقب میں ایک لشکر بھی بھجوایا تھا لیکن اس لشکر کو
انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد جب ہم نے میافارقین کا محاصرہ کر
رکھا تھا تو جو قوت ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہوئی اور پڑاؤ کو آگ لگا دی اور اسی معاملے
کے دوران کیتھرائن اور سیمر بھی غائب ہوئیں، یہ حملہ بھی بغداد کے سابق سپہ سالار منصور
بن احمد نے ہی کیا تھا۔ جب وہ ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہوئے تو فراتا تار قبائل کے کچھ
لشکریوں کی نگاہ کیتھرائن اور سیمر پر پڑی۔ وہ ان دونوں کی شخصیت، حُسن اور خوبصورتی
سے متاثر ہوئے۔ لہٰذا ان دونوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کی نیت یہ تھی کہ یہ
اتنی حسین اور خوبصورت لڑکیاں ہیں، لہٰذا ان دونوں کی شادی ان کے سردار منصور بن
احمد سے ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ منصور بن احمد جب اپنے دو عمدہ سالاروں کے ساتھ
کوہستانِ قپچاق میں پہنچا تو فراتا تار قبائل نے شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا۔ لوئی
تاشی، یانگ خان دونوں نے رضاکارانہ طور پر اپنے عہدوں سے دست برداری اختیار کی
اور منصور بن احمد کو وہاں مقیم سارے فراتا تار قبائل کا سربراہ اور سپہ سالار بنا دیا گیا۔

جو مخبر خبریں لے کر آئے ہیں، ان کے مطابق یہ کارروائی منصور بن احمد کے کہنے پر
نہیں کی گئی تھی بلکہ لشکری خود ہی کیتھرائن اور سیمر کو اٹھا کر لے گئے۔ منصور بن احمد کو کچھ
عرصہ تک پتہ ہی نہیں تھا کہ دو لڑکیوں کو اٹھا کر ان کے کوہستانی سلسلے کے اندر رکھا گیا
ہے۔ چنانچہ وہاں قیام کے دوران کیتھرائن اور سیمر دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جس
وقت وہ اسلام قبول کر چکی تھیں، تب منصور بن احمد کو بتایا گیا کہ دونوں لڑکیاں ان کے
ہاں مقیم ہیں۔ کہتے ہیں، منصور بن احمد نے انہیں واپس کرنا چاہا لیکن سیمر اور کیتھرائن
نے آنے سے انکار کر دیا۔ وہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔

اس کے بعد جب خنلان کا باپ حیشون اپنی بیٹی کیتھرائن کی خاطر فراتا تار قبائل
کے خلاف حرکت میں آیا، حملہ آور ہوا تو فراتا تار نے اسے شکست دی۔ کہنے والوں کا

کہنا ہے کہ اس جنگ میں کیتھرائن اور سیمر نے ختلان کے باپ حیشون کے خلاف فراتا تار قبائل کا ساتھ دیا تھا۔ اس جنگ کے دوران سیمر بری طرح زخمی ہوئی اور زخموں کی تاب نہ لاسکی اور مرگئی۔ جب کہ کیتھرائن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فراتا تار قبائل کے سردار منصور بن احمد کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہے اور اس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ بس یہی وہ خبر ہے جو ہم تمہارے پاس لے کر آئے ہیں۔"

اتنا کہنے کے بعد ہلاکو خان جب خاموش ہوا، تب اس کی بیوی دوقوزہ دیر تک ہونٹ کاٹتی رہی، خاموش اور چپ رہی، اُداس اور افسردہ ہوگئی تھی۔ آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ کچھ دیر ایسا ہی ماحول رہا پھر دوقوزہ نے اپنے آپ کو سنبھالا، اس کے بعد ہلاکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں نے سنا ہے، فراتا تار قبائل کے اکثر لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ وہ میری بہن سیمر کے قاتل ہیں۔ لہٰذا ہر صورت میں ان پر حملہ آور ہو کر ان سے نہ صرف بہن کے مارے جانے کا انتقام لیا جائے گا بلکہ کیتھرائن کو بھی وہاں سے نکالا جائے گا۔ کیا آپ میری اس منصوبہ بندی پر اتفاق کرتے ہیں؟"

جواب میں ہلاکو مسکرایا اور کہنے لگا۔

"جو کچھ تم نے کہا ہے، میں اس کے متعلق پہلے ہی ختلان سے گفتگو کر چکا ہوں۔ اس وقت ہمارے کچھ لشکر فراتا تار قبائل کے سردار منصور بن احمد کے ساتھ اُلجھے ہوئے ہیں۔ منصور بن احمد ایک لشکر کے ساتھ جزیرہ کے علاقے میں سرگرداں ہے۔ وہ ہمارے ایک لشکر پر حملہ آور بھی ہوا جو مسلمانوں کے علاقوں میں رسد اور ضروری سامان جمع کرنے کے لئے گیا تھا۔ ہمارے اس لشکر کے سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کی بدقسمتی کہ جہاں ہمارے اکثر لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، وہاں منصور بن احمد نے ہمارے دونوں سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنے ان دونوں سالاروں کا انتقام بھی ہم نے فراتا تار قبائل سے لینا ہے۔ میں چاہتا ہوں، پہلے ان علاقوں میں جو منصور بن احمد گھس آیا ہے، اس سے نمٹا جائے۔ اس کے بعد ایک لشکر کے ساتھ کوہستان قپچاق کا رخ کیا جائے اور وہاں ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔"

ہلاکو جب خاموش ہوا، تب جواب میں دوقوزہ پھر بول اُٹھی۔

"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ فراتا تار قبائل چونکہ اسلام قبول کر چکے ہیں لہٰذا برقائی خان بھی ان کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے، آپ کو فراتا تار کے قبائل کے ساتھ برقائی خان کی قوت سے بھی ٹکرانا ہوگا۔ جب کہ اس سے پہلے برقائی خان اپنے بھتیجے نوگائی کے ساتھ مل کر ہمارے لشکر کو شکست بھی دے چکا ہے۔"

جواب میں ہلاکو خان نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"برقائی خان کے پاس ابھی اتنی طاقت اور قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے کوہستانی مسکن سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کرے۔ وہ اور اس کے جنگجو کوہستانی سلسلوں کے اندر لڑنے کے بڑے ماہر ہیں۔ یہی حالت فراتا تار قبائل کی ہے۔ یہ جو بغداد کا سابق نائب سپہ سالار منصور بن احمد اپنے دو سالاروں کے ساتھ فراتا تار قبائل میں پہنچ گیا ہے تو اس سے نہ صرف فراتا تار قبائل کے حوصلے بلند ہوئے ہیں بلکہ ان کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ جو لشکری بغداد سے بھاگے تھے، سب وہاں پہنچ چکے ہیں اور دوسرے شہروں میں ہمارے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد جو مسلمان جنگجو بچے ہیں، وہ بھی کوہستانِ قپچاق میں انہی کے پاس جا کر جمع ہو رہے ہیں۔ اس طرح ان کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

جہاں تک ان پر حملہ آور ہونے کا تعلق ہے، یہ کام ہم بڑی رازداری کے ساتھ کریں گے۔ جب ہم نے یہ کارروائی کرنی ہے تو رات کو یہاں سے کُوچ کیا جائے گا۔ شب کے پچھلے حصہ میں کہیں پڑاؤ کر لیا جائے گا اور پورا دن وہاں قیام کیا جائے گا۔ پھر رات کو سفر شروع کیا جائے گا اور اچانک کوہستانِ قپچاق کے درّوں میں داخل ہو کر ان پر اسی وقت حملہ کیا جائے گا، جب وہ غفلت کی حالت میں آرام کر رہے ہوں گے۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا، وہ کیسے ہمارے ہاتھوں سے بچتے ہیں۔ ایک بار ہم نے فراتا تار قبائل کا خاتمہ کر دیا تو پھر برقائی خان کی حالت ہمارے سامنے کمزور ہو جائے گی اور کسی مناسب موقع کو سامنے رکھتے ہوئے کوہستانی سلسلہ کے اندر گھس کر بھی ہم برقائی خان پر ضرب ضرور لگائیں گے۔"

ہلاکو خان کی یہ تجویز سن کر دوقوزہ نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے

آرمینیا کے بادشاہ حیثون کے بیٹے خلاان کو بھی تسلی دی تھی۔ اس کے بعد خلاان
اور دوقوزہ کے خیمہ سے نکل گیا تھا۔

○○○○○

منصور بن احمد نے اپنے لشکر کو ایک انتہائی موزوں جگہ جہاں زمین کٹی پھٹی
اور ایک طرح سے وہاں اس نے گھات لگائی تھی۔

ایسا کرنے کے بعد سب سے پہلے لشکریوں کے کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ اس
بعد انہیں آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ ساتھ ہی منصور بن احمد نے مشاورت
لئے حسام الدین جوکندار، شرف الدین کردی کے علاوہ لشکر میں جو دوسرے سالار
انہیں ایک جگہ جمع کیا۔

جب سب بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز منصور بن احمد نے کیا اور اپنے سالار
طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے بھائیو! میرے عزیز ساتھیو! اس وقت ہمارے سامنے دو مہمیں ہیں
خان اپنے پڑاؤ میں اس وقت محوِ استراحت ہے، اس کی خبر مجھے میرے مخبر
ہیں۔ اس نے دو لشکر روانہ کئے ہیں جو ہم سے ہمارے ہاتھوں مرنے والے
منگول سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کا انتقام لیں گے۔ چونکہ ہلاکو خان
دی گئی ہے کہ ہم اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھے ہیں، لہٰذا ہلاکو خان
سالار بائیدو ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف پیش قدمی کر
جب کہ جس لشکر کا ہم نے خاتمہ کیا اور جن دو سالاروں کو موت کے گھاٹ
مسلمانوں کے علاقوں میں لوٹ مار کر کے اپنے لئے رسد اور ضروریات کا سامان
کرنے کے لئے آیا تھا، وہی کام کرنے کے لئے اب ہلاکو خان نے اپنا دوسرا
ہے اور اس لشکر کی کمانداری دربائی کر رہا ہے۔ میں نے جو منصوبہ بندی پہلے
ہے، اس کے مطابق آج رات ہم دربائی پر شب خون ماریں گے اور اسے
بھگانے کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ جنوب کا رخ کریں گے۔ اس لئے
ہمارے مخبر بڑی تیزی سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ وہ ہلاکو خان کے
تک ہماری بہترین رہنمائی کریں گے۔

پہ شب خون رات کے پچھلے حصہ میں مارا جائے گا اور اس وقت ہم جس قدر تیزی
سے سفر کر سکتے ہوں گے، جنوب کی طرف بڑھیں گے اور بائیدو سے ٹکرائیں گے۔
میرے عزیز ساتھیو! ایک بات ضرور یاد رکھنا۔ اگر ہم نے رسد کا سامان حاصل کرنے
والے دربائی اور اس کے لشکریوں کو شکست دے کر بھگا دیا، اس کے بعد جنوب کی طرف
جا کر بائیدو کو بھی شکست دی اور اسے مشرق کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا تو میں آپ کو
یقین دلاتا ہوں کہ ہلاکو خان ان علاقوں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لے گا اور آنے والے
دنوں میں بھی وہ کبھی جزیرہ دیار بکر اور دیار ربیعہ پر حملہ آور ہونے کے متعلق سوچے گا بھی
نہیں۔ اس لئے کہ ان علاقوں پر حملہ آور ہونے کے دوران اس کا اتنا نقصان ہو چکا ہو گا
کہ وہ ان علاقوں کی طرف سے عاجز ہو جائے گا۔''

سارے سالاروں نے منصور بن احمد کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر سارے سالار
تھوڑی دیر ستانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی لشکر کے ایک حصہ کو بھی
چوکس کر دیا گیا تھا۔

○○○○○

ہلاکو خان کا وہ لشکر اپنے سالار، دربائی کی کمانداری میں مسلمانوں کے علاقوں
حملہ آور ہو کر اپنے لئے ضروریات کا سامان حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے
جگہ پڑاؤ کر رکھا تھا اور اگلے چند دنوں میں مسلمانوں کے علاقوں میں اپنے کام کی
کرنی تھی۔

اسی رات کے پہلے حصہ میں جس وقت منگول اپنے پڑاؤ میں محوِ استراحت تھے
کے لشکر کا ایک حصہ جاگ کر پہرہ دینے کے لئے متحد تھا، منصور بن احمد اپنے
لشکر کے ساتھ کارروائی کرنے کے لئے کوچ کر چکا تھا۔ لشکر کو اس نے تین حصوں
تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ اپنے پاس، دوسرا حسام الدین جوکندار، تیسرا شرف الدین
کردی کی کمانداری میں تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے منصور بن احمد خود اپنے حصے کے
کے ساتھ دشت امکان میں نگوں سار کر دینے والے موجوں کے تند ریلوں،
ترستے صحرا میں رقص کرتے آگ کے شعلوں، ہر تنظیم کو دکھ کے نگر کی طرح
دینے والے جذبوں کی یلغار کی طرح منگولوں کے لشکر کے قریب نمودار ہوا اور
منگولوں کے پڑاؤ پر ذہنوں میں سرسراتے سانپوں کی کیفیت، چار سُو رقص کرتی
نفس میں مرگ کا زہر پھیلاتے دکھ اور اندھوں کے سرابوں اور موت کے قفل
جرأت مندی کے طلسماتی انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔

منصور بن احمد کے ساتھ ہی ساتھ منگولوں کے پڑاؤ کے دوسرے پہلو
الدین جوکندار بھڑکتی آگ کے غضب، بجلیوں کے سائبانوں میں رقص کرتی
رُتوں اور اولوں کی طرح برس کر شکست و ریخت سے دوچار کرتی وقت کی

ساعتوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

منگول شروع میں منصور بن احمد کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر وہ یہ خیال کر رہے تھے
کہ مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے لشکر نے ان پر شب خون مارنے کی کوشش کی ہے لہٰذا
انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے اس لشکر کو بھاگنے نہیں دیں گے۔ لیکن اسی وقت
جب دوسرے پہلو کی طرف سے حسام الدین جوکندار اُن پر حملہ آور ہوا، تب وہ چونکے،
پاؤں تلے زمین کسی قدر کھسکنے لگی اور وہ یہ سمجھے کہ وہاں مسلمانوں کا ایک نہیں، اور بھی لشکر
ہیں۔ لہٰذا جب انہوں نے پہلو کی طرف متوجہ ہو کر حسام الدین جوکندار کے حملوں کو بھی
روکنا چاہا، تب منصور بن احمد آگ کے شعلوں کی طرح بھڑک اٹھا۔ اس نے اپنے حملوں
میں تیزی پیدا کرتے ہوئے منگولوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ پھر
جب کہ منگول دو حصوں میں تقسیم ہو کر منصور بن احمد اور حسام الدین جوکندار کے خلاف
برسرِ پیکار تھے، تیسرے پہلو سے شرف الدین کردی نمودار ہوا اور وہ منگولوں کے
تیسرے پہلو پر مستی اور سرشاری کی ساعتوں میں چٹانوں سے ٹکراتے نیلے بحر، جرأت
مندی کے چھلکتے لمحوں اور سینوں میں کھولتے جذبوں کے طوفان کھڑے کرتے دل کی
طغیانیوں کے ولولوں کی طرح نزول کر گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے منگول بھی قسمت آزمانے لگے تھے۔ پورا لشکر چونکہ
جاگ کر برسرِ پیکار ہو گیا تھا، لہٰذا انہوں نے بھی جواب میں نارسائی کی دھند پھیلاتے
سرابوں، عذاب بھرے زنگ آلود حزن، بھرپور نفرت میں ذرّے ذرّے کو خون آلود کرتے
نفرتوں کے بگولوں، احساسات کو مفلوج کرتے آگ کے کف آلود طوفانوں اور مرگ کی
اساس بناتی آندھیوں کے خونی سندیسوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔

منگولوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ حملہ آوروں کو پسپا کر کے بھاگ
جانے پر مجبور کریں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ رات کی تاریکی میں منصور بن احمد، حسام
الدین جوکندار اور شرف الدین کردی نے انہیں بدترین شکست دی اور وہ بھاگ کھڑے
ہوئے۔ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں اپنے لشکر کے لئے رسد کا سامان جمع کرنے کے
لئے آئے تھے۔ اُلٹا جو رسد کا سامان ان کے پاس پہلے سے موجود تھا، اسے بھی وہاں
چھوڑ کر وہ ہلاکو کے بڑے پڑاؤ کی طرف بھاگ گئے تھے۔

اس موقع پر منصور بن احمد نے بالکل تھوڑی دیر وہاں قیام کیا۔ دربائی کے پڑاؤ سے ملنے والی ہر چیز کو بار برداری کے جانوروں پر لاد کر اس نے چند دستوں کی راہ نمائی میں کوہستانِ قپچاق کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ جب کہ زخمی ہونے والوں کی جلدی جلدی مرہم پٹی کرنے کے بعد پھر اس نے تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ جنوب کی طرف ہلاکو خان کے بڑے سالار بائیدو سے ٹکرانے کے لئے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

سفر بڑی تیزی سے جاری تھا۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد کے مخبروں نے یہ خبر دی کہ اب ہلاکو کا جو لشکر اس کے سالار بائیدو کی کمانداری میں ان کی تلاش میں سرگرداں ہے، وہ آگے صرف دس میل کے فاصلے پر رہ گیا ہے تب منصور بن احمد فوراً حرکت میں آیا، آدھے لشکر کو اس نے حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کے حوالے کیا اور انہیں ذرا دائیں جانب ہو کر چکر کاٹتے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ خود وہ پہلے کی طرح پیش قدمی کرنے لگا تھا۔

دوسری طرف منگول مخبر بھی اپنے سالار بائیدو کو یہ اطلاع دے چکے تھے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جس کی تعداد تھوڑی ہی ہے، وہ اس کی پشت پر بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے اور اس پر حملہ آور ہوگا۔

چنانچہ جوں ہی منصور بن احمد، بائیدو کے لشکر کے قریب گیا، بائیدو اپنے لشکر کے ساتھ متحیر و مبہوت کر دینے والے مرگ کے سیل رواں، شیطانی پھندوں سے لیس دشتی صداؤں کی بازگشت کی طرح مڑا۔ اس کے بعد وہ منصور بن احمد کے لشکر پر فنا کے گرداب صحرا سے اُٹھتے رقص کرتے رعد، کوہساروں اور میدانوں پر نزول کرتی زلزلوں کی صداؤں، دشت و ساگر سے نمودار ہوتی جبر و الم کی علامتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

بائیدو کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر اس کی پشت کی طرف سے آرہا ہے لہٰذا ان میں سے کسی کو زندہ بچ کے نہیں جانا چاہئے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے منصور بن احمد نے پہلے آندھیوں کے شناسا جھکڑوں کے محرم کی طرح وقت کی بلکتی نوحہ گر ساعتوں میں عرفان و وجدان کے نقیبوں کی طرح زوردار انداز میں تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد وہ فاصلوں کو سمیٹتے خوفناک آندھیوں، طوفانوں، اذیتوں کے نزول کی طرح حملہ آور ہوتے سمندر کے جلال، روحوں کی رسوائیوں،

جسموں کی دجھیوں اور ذلت و پستی کا باعث بنتے خونی انقلاب کی کروٹوں اور آگ بھڑکاتے بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

گو بائیدو کے پاس ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ اس کے مقابلہ میں منصور بن احمد کے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود منصور بن احمد نے بڑی جرأتمندی اور بڑی ہنرمندی کے ساتھ اپنا دفاع کیا۔ بائیدو کے لشکر کو روکا، جارحیت بھی اختیار کی۔ پھر اسی وقت ایک اور انقلاب اور تبدیلی رونما ہوئی۔ دائیں جانب سے حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی اپنے لشکر کے ساتھ قصرِ ستم کو مسمار کرتے سمندر کے تلاطم اور اُفق کے سندوری کناروں تک کو لہولہو کرتی طلسم کی رواں موجوں کی طرح تکبیریں بلند کرتے ہوئے نمودار ہوئے۔ پھر وہ بائیدو کے لشکر پر جسم و جان کی حدتوں، نظروں کی آخری حدود تک کو شام کے ہولناک سایوں، بے یقینی کی فضاؤں میں ڈبو دینے والے کروٹیں لیتے اٹل عذابوں، کرب کے شدید جذبوں اور گونجتی قضا کے بھنور کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح رزم گاہ کے اندر بھولتی جبلتیں ہر شے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے والے انداز، احساس کے ہر جذبے کو مصلوب کرتے انتقام کے جوش مارتے حروف اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ جسموں کی نس نس میں روگ، بدنوں کے ہر مسام کو لہولہو کرتا انقلاب اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ گو منگولوں کی تعداد زیادہ تھی، وہ شروع میں بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہوئے تھے۔ لیکن اب رزم گاہ میں بڑی تیزی سے ان کی حالت بوسیدہ آرزوؤں، کرچی کرچی خوابوں کی طرح ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اور منصو بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کی کمانداری میں عربوں، ترکوں اور کردوں نے اپنے تیز حملوں سے منگولوں پر ثابت کر دیا تھا کہ سزا کیا ہے، جزا کیا ہے۔ خدا کیا ہے، ناخدا کیا ہے۔ روشنی کیا ہے، تاریکی کیا ہے۔ شروع میں وہ منگول ہوس کے سمندر کی طرح حملہ آور ہوئے تھے لیکن اب وہ اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اور شکست قبول کرتے بھاگنے کے چکر میں تھے۔

یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد انہوں نے شکست قبول کی اور بائیدو کی کمانداری میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ منصور بن احمد نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ ان کے پڑاؤ کی ہر

چیز کو سمیٹتا ہوا وہ وہیں سے دائیں جانب مڑا۔ اب وہ بڑی تیزی سے کوہستانِ قپچاق کا رخ کر رہا تھا۔ اس لئے کہ اس کے مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ ہلاکو عنقریب اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ کوہستانِ قپچاق میں فراتا تار پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

○○○○○

لوئی تاشی کی حویلی میں ایک روز خود لوئی تاشی اور یانگ خان داخل ہوئے۔ دونوں بے حد خوش اور مسرور تھے۔

حویلی میں داخل ہونے کے بعد دیوان خانے کا جو اندرونی دروازہ تھا، اس کے ذریعے وہ دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ خوشی اور مسرت کی حالت میں انہیں حویلی میں داخل ہوتے کیتھرائن، مدلان، بلذون اور تنکیر نے بھی دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ بھی ایک ساتھ دیوان خانے میں داخل ہوئے۔

اس موقع پر گفتگو کا آغاز لوئی تاشی کی بیوی مدلان نے کیا اور لوئی تاشی اور یانگ خان کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ بول اُٹھی۔

”جب آپ دونوں حویلی میں داخل ہوئے تھے، ہم سب نے آپ دونوں کا بغور جائزہ لیا تھا۔ آپ دونوں بے حد خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حویلی میں داخل ہوئے تھے اور پھر دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے۔ کیا کوئی اچھی خبر ہے؟ اگر ہے تو ہم چاروں کو بھی سنائیں۔ تا کہ ہم بھی اس میں شامل ہوں۔ ہمارے ساتھ میری بیٹی کیتھرائن بھی خوشی کی کوئی خبر امیر منصور بن احمد سے متعلق سننا پسند کرے گی۔“

جب تک مدلان بولتی رہی، لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں مسکراتے رہے۔ مدلان کے خاموش ہونے پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

”مدلان! میری اور یانگ خان کی خوشی بھی امیر منصور بن احمد کی وجہ سے ہے۔ جس وقت وہ یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اس مہم میں ناکام رہے تو واپس نہیں آئیں گے، انہیں تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ان کے بعد ہم جسے چاہیں امیر بنا لیں۔ قسم خداند قدوس کی، وہ رات میں نے اپنے بستر میں منہ چھپا کر روتے ہوئے گزاری تھی۔ ساری رات گم نام شکستہ خیالات، ان لکھے حروف بوسیدہ آرزوئیں مجھے ڈستی رہیں۔ ایسا لگتا تھا، جیسے بھوکی جبلتوں، مصلوب ہوتے جذبات و احساسات پوری طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیں گے۔ میرے ذہن میں اکثر یہ خیال آتا کہ اللہ نہ کرے کہ امیر منصور بن احمد لوٹ کر نہ آئے۔ صرف یہ خیال میرے ذہن میں آتا تو اللہ پاک کی قسم مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے تاریکیوں کے کاروانوں میں خوشیاں میرے لئے بہری اور وقت کی اُلجھی بیاض میں اطمینان میرے لئے گونگی راہوں جیسی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ لیکن آج جو خبریں آئی ہیں، ان خبروں میں ہمارے لئے خوشیاں ہی خوشیاں، اطمینان ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی جب خاموش ہوا، تب بے پناہ جستجو بھرے انداز میں کیتھرائن پہلی بار بولی اور کہنے لگی۔

”بابا! اگر کچھ مخبر آپ کے لئے خوشی بھری خبریں لے کر آئے ہیں تو کیا ان خوشیوں میں ہمیں شامل نہیں کریں گے؟“

جواب میں لوئی تاشی مسکرایا اور بولا۔

”بیٹی! کیوں نہیں۔ میری بچی! یہ خوشیاں ساری کی ساری خصوصی طور پر تمہارے ہی لئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جن دنوں امیر منصور بن احمد یہاں سے حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کے ساتھ روانہ ہوئے، ان ہی دنوں ہلاکو خان کا ایک لشکر اپنے لئے رسد اور ضروریات کا سامان حاصل کرنے کے لئے جزیرہ کے علاقوں میں داخل ہوا تھا۔ امیر منصور ان پر حملہ آور ہوا اور لشکر کی اکثریت کو اس نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بہت کم لشکریوں کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنا نصیب ہوا۔ ہلاکو خان کو جب اپنے اس لشکر کی تباہی اور بربادی کا علم ہوا تو اس نے دو لشکر ترتیب دیئے۔ اتنی دیر تک امیر منصور ہلاکو خان اور اس کے سالاروں کو چکر دینے کے لئے جنوب کی طرف چلے گئے تھے۔ ہلاکو خان نے جو دو لشکر ترتیب دیئے، ان میں سے ایک لشکر کی کمانداری اس کے سالار دربائی کے ہاتھ میں تھی اور اس لشکر کو اس نے پہلے لشکر کی جگہ مسلمانوں کے علاقوں میں ضروریات کا سامان حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ دوسرا لشکر اس نے اپنے نامور سالار بائیدو کی کمانداری میں دیا تھا اور اس کے لئے حکم جاری کیا کہ وہ جنوب کی طرف جائے

اور حملہ آور مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ اس وقت تک ہلاکو کو یہ علم نہیں تھا کہ ان پر حملہ آور ہونے والا منصور بن احمد ہے۔

چنانچہ بائیدو اپنا لشکر لے کر جنوب کی طرف امیر منصور کے تعاقب میں نکلا۔ جب امیر منصور جنوب میں جانے کے بعد ایک دم دائیں جانب پلٹا۔ پھر اس نے بڑی تیزی سے شمال کا رخ کیا اور ہلاکو خان کا دوسرا لشکر جو اس کے سالار دربائی کی کمانداری میں خوراک اور رسد حاصل کرنے کے لئے آیا تھا، اس پر اچانک اس نے شب خون مارا۔ اس لشکر کی بھی اکثریت کو اس نے کاٹ ڈالا اور دربائی بڑی مشکل سے اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ ہلاکو خان کی طرف بھاگ گیا۔

اس کے بعد امیر منصور بن احمد نے دم نہیں لیا۔ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ اس نے جنوب کا رخ کیا۔ ہمارے مخبر امیر کو پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ لہٰذا جنوب میں آگے جا کر امیر نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا، دوسرا حصہ شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کی کمانداری میں دے کر انہیں ذرا دائیں جانب رہتے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔

آخر جنوب میں امیر، ہلاکو کے سالار بائیدو سے ٹکرایا۔ بائیدو کے لشکر کی تعداد بہت بڑی تھی اور اس نے ارادہ کیا کہ ان حملہ آوروں کو فوراً مار بھگائے گا۔ لیکن امیر منصور نے بائیدو کے حملوں کو روک دیا۔ اتنی دیر تک دائیں جانب سے حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی بھی حملہ آور ہو گئے۔ اس طرح جب منگولوں پر دو طرفہ حملہ ہوا تو وہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ اس طرح بائیدو کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی شکست کا داغ لئے ہلاکو خان کی طرف بھاگ گیا۔

اب امیر منصور، ہلاکو خان کے لشکریوں کے پڑاؤ سے جو کچھ ملا، اسے سمیٹ کر بڑی تیزی سے کوہستانِ قپچاق کا رخ کئے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی آنے والے مخبروں نے یہ بھی اطلاع کر دی ہے کہ عنقریب ہلاکو خان ہم پر حملہ آور ہو گا۔ اس لئے کہ اسے پتہ چل گیا ہے، اس کے لشکروں کو شکست دینے والا منصور بن احمد ہے جو اب فراتا تار قبائل کا سالارِ اعلیٰ اور امیر ہے۔ اس بنا پر وہ چاہتا ہے کہ پہلے فراتا تار قبائل کا خاتمہ کرے اس کے بعد برقائی خان سے نمٹے۔ اس لئے کہ برقائی خان کے پاس ابھی اتنی بڑی طاقت

نہیں کہ وہ کوہستانی سلسلے سے نکل کر کھلے میدانوں میں ہلاکو خان کا مقابلہ کرے۔ میرے خیال میں آج شام تک امیر منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں نے اور یانگ خان نے اپنے لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ اپنی پوری توانائی اور جذبات اور احساسات کی گہرائیوں سے اپنے فاتح لشکر کا استقبال کریں۔‘‘

اتنا کہنے کے بعد لوئی تاشی رکا، پھر وہ جذبات میں ڈوبی آواز میں کہہ رہا تھا۔

’’ہمارے امیر منصور بن احمد ان جوانوں میں سے ہیں جو لوح وقلم کے مجرموں کے خلاف دہکتے انگاروں اور سلگتی چنگاریوں کی طرح اچانک اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جو حیات کی قدروں میں عذاب لمحوں کے بھنور بن کر وقت کے صفحات پر انقلاب برپا کر جاتے ہیں۔ ایسے ہی سالار، ایسے ہی مجاہد، ایسے ہی بے مثال اور بے نظیر جوان اور تیغ زن تپتی بنجر دھرتی پر زیست کے ان کھلے صفحات، مجبوریوں کے بھیانک کھیل میں گمنام شکستہ خیال، ان لکھے حروف، بند صحیفے تک تلاش کر کے اپنی قوم، اپنی ملت کی پیاس کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں۔‘‘

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اپنی بیوی مدلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’میں اور یانگ خان اب جاتے ہیں، امیر اور لشکر کے استقبال کی تیاری کرتے ہیں ان گنت جوان اور لڑکیاں اپنے لشکر کا استقبال کرنے کے لئے تیاریوں میں لگ گئی ہوں گے۔ اس لئے کہ حویلی کی طرف آتے ہوئے میں سب لوگوں کو بتاتا آ رہا ہوں کہ امیر منصور بن احمد، ہلاکو خان کے خلاف شاندار کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد ایک فاتح کی حیثیت سے واپس آ رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کا بے مثال استقبال کرنا ہو گا۔ یہ خبر سن کر سب لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔‘‘

اس موقع پر بلذون بولا اور اپنے باپ لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’بابا! آپ کے پیچھے پیچھے میں، تنکیر اور کیتھرائن بھی نکلتے ہیں۔ پھر دیکھیں، ہم اپنے لشکر کا استقبال کس انداز میں کرتے ہیں۔‘‘

اپنے بیٹے بلذون کے یہ الفاظ سن کر لوئی تاشی خوش ہو گیا تھا۔ آخر وہ اپنے ساتھی یانگ خان کے ساتھ دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔ جب کہ ان کے پیچھے پیچھے کیتھرائن،

مدلان، بلذون اور تنکیر بھی حویلی سے نکل گئے تھے۔

منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی جب اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق میں داخل ہوئے تو استقبال کرنے والوں نے عجیب سماں باندھ رکھا تھا۔ کچھ لڑکیاں اپنے سالاروں اور اپنے لشکریوں کی مدح سرائی اور تعریف میں گیت گا رہی تھیں، کچھ پھول پتیاں نچھاور کر رہی تھیں۔ اور جوان، بوڑھے، بچے تک اپنے لشکر کے آگے استقبال کی خاطر بچھے جا رہے تھے۔

اس موقع پر کیتھرائن، تنکیر اور بلذون تینوں منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی پر پھولوں کی بارش کرتے ہوئے جب منصور بن احمد کے قریب ہوئے تو کیتھرائن عجیب سے انداز میں منصور بن احمد کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ منصور بن احمد نے اپنے لباس کے اندر سے ایک کاغذ نکالا۔ یہ وہی کاغذ تھا جس پر کیتھرائن نے خط لکھا تھا۔ اشارے سے اس نے لوئی تاشی کے بیٹے بلذون کو قریب بلایا۔ بلذون جب قریب گیا تو وہ کاغذ منصور بن احمد نے بلذون کو تھما دیا اور کہنے لگا۔

''میرے بھائی! جب میں اس مہم پر روانہ ہوا تھا، تم نے مجھے کچھ زادِ راہ دیا تھا جو ایک گٹھری کی صورت میں تھا۔ اس کے اندر یہ خط تھا۔ یہ کیتھرائن کا ہے، اس کی امانت ہے۔ اسے واپس کر دینا۔''

اس موقع پر کیتھرائن بھی قریب ہی تھی۔ اس نے بھی منصور بن احمد کے یہ الفاظ سن لئے تھے۔ اتنی دیر تک منصور بن احمد اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ بلذون نے تہہ کیا ہوا کاغذ کھولا اور پہلے اس کا جائزہ لیا، پھر کیتھرائن کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

''میری بہن! یہ وہ خط ہے جو تم نے امیر کے نام لکھا تھا۔ امیر نے مجھے یہ خط واپس کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کیتھرائن کی امانت ہے، اسے واپس کر دینا۔ اور میری بہن! اس خط میں تمہارے لئے ایک خوش خبری بھی ہے۔''

بلذون کے ان الفاظ نے کیتھرائن کی حالت تبدیل کر کے رکھ دی تھی۔ غور سے اس نے بلذون کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''میرے بھائی! کیسی خوش خبری؟''

بلذون نے اسے وہ خط تھما دیا، پھر کہنے لگا۔

''ذرا اس خط کی پشت پر دیکھو۔''

کیتھرائن نے فوراً کاغذ الٹا اور اس کی پشت پر لکھا تھا۔

''میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔''

منصور بن احمد کی طرف سے اپنے لئے یہ الفاظ پڑھ کر کیتھرائن کی خوشی اور طمانیت کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ اس موقع پر شاید اس کا جی چاہا ہوگا، وہ کھل کر جھومے اور گائے۔ لیکن اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ اس انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کیسے کر سکتی تھی۔ لہٰذا بڑی تیزی کے ساتھ وہ بلذون اور تنکیر کے ساتھ آگے بڑھی اور امیر منصور بن احمد کے ساتھ ساتھ تینوں آگے بڑھنے لگے تھے۔

اس موقع پر لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کے قریب آئے، پھر لوئی تاشی، منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! آپ لشکریوں کو جا کر آرام کرنے کا حکم دیں۔ حسام الدین اور شرف الدین سے بھی کہئے اپنے گھروں میں جا کر آرام کریں اور آپ میرے ساتھ میری حویلی میں جائیں گے۔ امیر! میں کیا کروں؟ حالات نے کچھ ایسی سمت اختیار کر لی ہے کہ ایک معاملے پر مجھے بار بار آپ سے التماس کرنا پڑتی ہے۔ آج آپ کا کھانا وہیں ہوگا۔ شب بسری بھی آپ وہیں کریں گے اور اپنی رہائش گاہ کی طرف نہیں جائیں گے۔''

اس پر منصور بن احمد نے جستجو بھرے انداز میں ایک گہری نگاہ لوئی تاشی پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! میں ذرا اپنی رہائش گاہ کی طرف سے ہو آؤں۔ گھوڑے کو وہاں باندھ کے اس کے چارے کا اہتمام کر لوں، پھر لباس تبدیل کر کے میں تمہارے پاس آتا ہوں۔''

لوئی تاشی مان گیا۔ لہٰذا منصور بن احمد آگے بڑھ گیا۔ جبکہ لوئی تاشی، یانگ خان، کیتھرائن، مدلان، بلذون اور تنکیر حویلی میں داخل ہوئے تھے۔ لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں دیوان خانے میں بیٹھ گئے، منصور کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھے۔ ان

کی حالت سے لگتا تھا کہ وہ کسی انتہائی اہم مسئلے پر منصور بن احمد کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ منصور بن احمد وہاں آیا، دیوان خانے میں لوئی تاشی اور یانگ خان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس موقع پر تنکیر، مدلان اور کیتھرائن بھی دیوان خانے کے اندرونی دروازے کے ساتھ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ شاید ان کی گفتگو سننا چاہتی تھیں۔ جب کہ بلذون دیوان خانے میں داخل ہو کر منصور بن احمد کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

آخر گفتگو کا آغاز لوئی تاشی نے کیا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! آپ جانتے ہیں، پہلے میری ایک بیٹی تھی، تنکیر۔ اس کے بعد اللہ نے مجھے دو اور بیٹیاں دیں۔ کیتھرائن اور یسمر۔ یسمر اب اس دنیا میں نہیں ہے لہٰذا میری دو بیٹیاں ہیں۔ آپ جانتے ہیں، باپ ہمیشہ اپنی بیٹیوں کے سلسلے میں فکرمند رہتے ہیں۔ امیر! آپ کی غیر حاضری میں ہم سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کیتھرائن کو اب آپ کی زندگی کا ساتھی بنایا جائے اور پھر آپ کیتھرائن سے یہ بھی اقرار کر چکے ہیں کہ آپ اس سے نفرت نہیں کرتے۔ امیر! رہی آپ کی یہ بات کہ آپ نے تلوار سے شادی کر رکھی ہے تو ایسا سارے ہی مجاہد اور جنگجو کرتے ہیں لہٰذا.....''

لوئی تاشی مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ اس موقع پر منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اپنی جگہ بالکل درست اور ٹھیک ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں کیتھرائن سے نفرت کرتا ہوں یا اسے ناپسند کرتا ہوں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ آرمینیا کے بادشاہ کی بیٹی ہے اور مجھے اس کی ذات پر یہ بھی فخر ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ انتہائی خلوص اور پاکیزہ جذبہ کے ساتھ ہمارے جذبات اور ہمارے ضمیر کی پکار کی ہم خیال ہے۔

لیکن لوئی تاشی! میں یہ کہوں کہ بغداد کی تباہی کے بعد میں منصور بن احمد ایک طرح سے ختم ہو چکا ہوں، لاش کی صورت میں سرگرداں ہوں۔ میں بغداد کے لشکریوں کا نائب سالارِ اعلیٰ تھا اور مجھ پر بڑی ذمہ داریاں تھیں۔ کاش! جس وقت ہم نے بغداد کے نواح میں ہلاکو خان کے لشکر کو بدترین شکست دی تھی تو دوسرے سالاروں کا کہنا مانتے ہوئے ہم نے منگولوں کا تعاقب نہ کیا ہوتا۔ یہ تعاقب اب تک میری جان کا روگ بنا ہوا ہے۔ بغداد شہر کی محبت کے حسین رنگوں سی، لعل بدخشاں جیسی بہنیں ذلیل و خوار ہوئیں، ست رنگ دھنک کے رنگوں جیسا بغداد کا ماحول لہولہو ہوا، گلابی رُتوں کے آنگن خون سے بھر گئے، چاند تاروں سے روشن چہرے رکھنے والی مائیں اپنے بیٹوں، اپنے شوہروں سے محروم ہوتی رہیں۔ بغداد کی شفق رنگ داستانیں نکہت و تجلی آمیز مسرتیں بھڑکتی آگ کے ساتھ مل کر صحرائی ذرّوں کی طرح بکھر گئیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد کی آواز ڈوب گئی تھی۔ پھر وہ کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! میں نے آج تک کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ قسم خداوند قدوس کی، میں اپنی زندگی کی راتیں کروٹیں لیتے، عذابوں میں گزارتا ہوں۔ رات کو جب نیند نہیں آتی تو اپنی رہائش کے پیچھے جو کوہستانی سلسلہ ہے، اس پر چڑھ کر چہل قدمی کرتا ہوں۔ بڑی عاجزی اور بڑی انکساری سے اپنے خدا کو یاد کرتا ہوں اور بغداد شہر کے سلسلہ میں ہم سے جو خطائیں ہوئیں، ان کی معافی مانگتا ہوں۔ میری کوتاہی کی وجہ سے ان گنت مسلمان موت کا لقمہ بن گئے۔

لوئی تاشی! جہاں تک کیتھرائن سے شادی کرنے کا تعلق ہے، یہ معاملہ قبل از وقت ہے۔ تم جانتے ہو میں موت کے دہکتے بھڑکتے دوزخ میں روز اُترتا ہوں جہاں سینے چھلنی، جبینیں خون آلود ہوتی ہیں۔ وحشت آلود آوارہ پرچھائیوں کا تعاقب کرتا ہوں جہاں اعصاب شل، اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ لوئی تاشی! میں اُن اَن لکھے الفاظ، اُن ان دیکھے خوابوں کے پیچھے بھاگ رہا ہوں جہاں میں بند صحیفوں کو تلاش کر کے ان کے اندر کرنوں کے الہام جیسے حروف تلاش کر کے منگولوں کی شکست کی سیاہیوں کی ابتدا کر سکوں۔ لوئی تاشی! منگولوں کے خلاف سینہ سپر ہونا اور ان کے خلاف حرکت میں آنا میری زندگی کا واحد اور سب سے بڑا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں کچھ بھی نہیں۔ ایسے ہی کسی ٹکراؤ میں، میں کام آ گیا تو لوئی تاشی! اگر میں نے کیتھرائن سے شادی کر لی تو پھر کیتھرائن کی حالت برہنہ شاخوں، تند طوفانوں کی یلغار میں سسکیاں

لیتے طیور اور چار سُو پھیلی دُھندسی ہو گی، جہاں یہ نصیبوں کی بارش سے بھی محروم ہو جائے گی۔ پامال ثمر، روندے ہوئے پھول کی طرح اپنی زندگی کے باقی دن گزارنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

دیوان خانے کے باہر دروازے کے قریب کیتھرائن یہ ساری گفتگو مدلان اور تنکیر کے ساتھ سن رہی تھی۔ اور یہ ساری گفتگو سنتے ہوئے کیتھرائن سسک سسک کر رونے لگی تھی۔ مدلان اور تنکیر کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ آخر ایک بار پھر منصور بن احمد بول اٹھا۔

"لوئی تاشی! اس وقت میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ملت کی زندگی کے کشکول سے انحطاط و زوال کے سکے نکال باہر کروں۔ اپنی مسلم قوم کی زیست کی آغوش سے مکر وفریب کا زہر دُور کر دوں۔ لوئی تاشی! قسم خدائے پاک کی، کبھی میں سوچتا ہوں کہ جس طرح بغداد کے نواح میں بغداد کے لشکریوں کا سالار اعلیٰ فتح الدین داؤد جو میرے ساتھ ہی جنگ کر رہا تھا مارا گیا، میں بھی اس کے ساتھ مارا جاتا، مرکز میں شامل ہو گیا ہوتا تو آج مجھے مسلمانوں کے خلاف منگولوں کے ہاتھوں بے چہرگی کے روگ، بدبختی کے سائے اور مجروح کرتے شیطانوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

منصور بن احمد کے یہ جملے کیتھرائن پر تلوار کا اثر کر گئے تھے۔ بے چاری روتی ہوئی سسکیاں لیتی ہوئی زمین پر گر گئی تھی۔ مدلان اسے سمجھانے لگی تھی۔ اس موقع پر تنکیر بھاگتی ہوئی دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ ایک دم اس نے منصور بن احمد کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، پھر کہنے لگی۔

"بھائی کی یہ گفتگو سن کر باہر کیتھرائن روتے روتے زمین پر گر گئی ہے۔ ماں اسے سنبھال رہی ہے۔ بھائی! آپ کی ذات ہمارے لئے درد کے رابطوں میں سحر کی [illegible] کی مانند ہے۔ سیاہ بختی کے سایوں میں آپ ہمارے لئے مرتعش کر دینے والی [illegible] ہیں۔ امیر! آپ ہمارے لئے صبر و ہمت، جواں مردی کی وہ چٹان ہیں جس سے اندھی موجیں سر پٹخ کر لوٹ جاتی ہیں۔"

اس سے آگے تنکیر کچھ نہ کہہ سکی۔ پھر اپنا سر منصور بن احمد کی گود میں رکھ کر وہ سسک کر رونے لگی تھی۔ جبکہ اس موقع پر لوئی تاشی، یانگ خان، منصور بن احمد

بلاذون کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔ منصور بن احمد، تنکیر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی اور تشفی دینے لگا تھا۔

کچھ دیر یہی سماں رہا۔ پھر تنکیر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ منصور بن احمد کے دونوں ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لئے اور اسے اٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"امیر! خدا کے لئے آپ باہر آئیں۔ کیتھرائن کو اگر تسلی دیں گے تو وہ خوش ہو جائے گی۔ ورنہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں رو رو کے وہ اپنی جان عذابوں میں ہی نہ ڈال لے۔"

اس موقع پر لوئی تاشی اور یانگ خان بھی منت کرنے کے انداز میں دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تنکیر کے ساتھ ہولیا۔ باہر کیتھرائن، دیوان خانے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے رو رہی تھی۔ جبکہ مدلان اسے تسلی دے رہی تھی۔ منصور بن احمد آگے بڑھا، کیتھرائن کا بازو اس نے پکڑا، پھر اسے اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیتھرائن! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھو گی اور مایوسی کا شکار ہو جاؤ گی۔ تم تو ارادوں کو سلب کر لینے والی ایک سحر آفرین قوت رکھتی ہو۔ تم کوئی سنسان راتوں پر پڑا ہوا بے جان پتھر نہیں ہو کہ کوئی تمہاری احوال پرسی نہیں کرے گا۔ تم ہمارے لئے دشتِ امکاں میں کرنوں کی حدیثِ کہنہ ہو۔"

کیتھرائن نے جب دیکھا کہ منصور بن احمد خود اس کا بازو پکڑ کر اٹھا رہا ہے، تب اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ منصور بن احمد کے اس طرح بازو پکڑنے اور ڈھارس کے لئے عمدہ الفاظ استعمال کرنے پر کیتھرائن نے بڑی تیزی سے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اب وہ براق چنبیلی، مہتاب سراپا اور نگہتوں کی کیزرو، شرماہٹوں کے نقاب میں اس کے ہونٹوں کی سرخ کپکپاہٹیں ایک طلسم طاری کر رہی تھیں۔ آگ کی طرح دہکتے رخسار قدرت کے کمال کی صناعی دکھائی دینے لگے تھے۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد نے اس کا بازو چھوڑ دیا، پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔

"کیتھرائن! میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں پسند کرتا ہوں اور تم سے

شادی کروں گا۔"

یہ الفاظ سنتے تھے کہ کیتھرائن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک دم تیزی سے وہ آگے بڑھی اور پھر مدلان سے لپٹ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"اماں! اب مجھے زندہ رہنے کا حق ہے۔ اب میں دنیا کی بڑی سے بڑی قوت سے بھی ٹکرا سکتی ہوں۔ پہلے میں ایک کمزور سی کیتھرائن نام کی لڑکی تھی لیکن جو الفاظ امیر نے میرے کان میں کہے ہیں، ان الفاظ نے میرے اندر قوت، ایک نیا جذبہ اور حوصلہ بھر دیا ہے۔ اب میں کسی مصیبت سے ڈرنے والی نہیں۔ طوفانوں کے سامنے کھڑی ہو کر ان کی راہ روکنے کی ہمت پا گئی ہوں۔"

اس پر مدلان اور تنکیر دونوں بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ منصور بن احمد واپس دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس موقع پر جب آواز دے کر لوئی تاشی نے مدلان، بلذون اور کیتھرائن کو بھی اندر آنے کے لئے کہا، تب وہ بھی دیوان خانے میں داخل ہوئی اور بلذون کے قریب جا کر بیٹھ گئی تھیں۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز منصور بن احمد نے کیا اور کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! یانگ خان! میرے دونوں بھائیو! آنے والے دن ہمارے لئے بڑی سختی، بڑی مشکلات اور بڑے مسائل کے دن ہوں گے۔ میں آپ لوگوں پر انکشاف کروں کہ عنقریب ہلاکو خان اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوگا۔ ہلاکو خان کو ہمارے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ میافارقین کے نواح میں ہم نے ان کے پڑاؤ کو آگ لگائی، اربل شہر اسے فتح نہیں کرنے دیا اور وہ شہر اب بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ اس کے بعد اس نے تہیہ کیا کہ وہ جزیرہ دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ کرے گا۔ لیکن ہم نے اس کی ان کوششوں اور خواہشوں کو بھی ناکام بنا دیا اور خداوند قدوس نے چاہا تو آنے والے دور میں بھی وہ جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ نہیں کرنے پائے گا۔ اسے سب سے زیادہ غصہ اور غضب مجھ پر ہے۔ وہ مجھے اس دن سے جانتا ہے، جب منگولوں کے ساتھ اپنے پہلے ٹکراؤ میں فتح الدین داؤد اور میں نے مل کر ہلاکو خان کے لشکر کو بدترین شکست دی تھی۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ ہمارے کچھ سالاروں کی غلط سوچ اور اندھے جذبات کے تحت ہمیں شکست اٹھانا پڑی۔ میں وثوق

سے کہہ سکتا ہوں، اگر اس موقع پر سارے سالار میری اور فتح الدین داؤد کی بات مان لیتے اور منگولوں کو بدترین شکست دینے کے بعد ان کا تعاقب نہ کیا جاتا بلکہ ان سے ایک اور جنگ کرنے کے لئے اپنی ساری طاقت اور قوت کو بحال کرتے اور ان عساکر سے کام لیتے ہوئے جو ابن علقمی نے سرحدوں کی طرف بھجوائے تھے، انہیں اگر واپس بلا کر ہم اپنے لشکر میں شامل کرتے تو قسم خداوند قدوس کی، ہم اس قابل ہو جاتے کہ ہم ہلاکو خان کا تعاقب صحرائے گوبی تک کرتے اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دیتے۔

برا ہو ہمارے کچھ سالاروں کا کہ وہ منگولوں کے ماضی کے مظالم کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ان کے قتل عام اور ان کی تباہی و بربادی کے پیچھے لگ گئے۔ اور بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی منصوبہ بندی کے ان کے تعاقب میں ہو لئے تھے۔ اگر بغداد کے نواح میں وہ غلطی سرزد نہ ہوتی تو آج منگولوں کے ہاتھوں جو عالم اسلام کا حال ہو رہا ہے، یقیناً ایسا نہ ہوتا۔ ہلاکو اس وقت سب سے بڑا دشمن مجھے خیال کرتا ہے، اس لئے اس کے ذہن میں میرا ہی نام ہے۔ پہلے دو نام اس کے لئے خطرناک تھے، ایک فتح الدین داؤد اور دوسرا میں۔ فتح الدین داؤد کے بعد وہ مجھے اپنے راستہ کی بڑی رکاوٹ خیال کرتا ہے اور میرے ہاتھوں جو اسے نقصان اٹھانا پڑا ہے، وہ اس کی تلافی پر تلا ہوا ہے۔ اور میرے خداوند قدوس کو منظور ہوا تو ہلاکو خان کو ہم اپنی انتقامی کارروائیوں کی تکمیل نہیں کرنے دیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور رکا، کچھ سوچا، اس کے بعد لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! آج ہی قاصد بھیج کر نئی صورتِ حال سے برقائی خان کو آگاہ کر دو۔"

لوئی تاشی نے اثبات میں گردن ہلائی، منصور بن احمد کی ہاں میں ہاں ملائی۔ تب منصور بن احمد اپنی جگہ پر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! ہمارا لشکر جو اپنے ساتھ منگولوں کے پڑاؤ سے حاصل ہونے والا سامان لے کر آیا ہے، وہ تم لشکریوں اور دوسرے مستحق لوگوں میں یانگ خان کی مدد سے

تقسیم کر دینا۔ میں حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کی طرف جاتا ہوا، انہیں ساتھ لے کر جائزہ لوں گا کہ اگر ہلاکو ہماری طرف آتا ہے اور ہمیں اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا ہے تو ہم نے کس جگہ اور کیسے اپنے لائحہ عمل کا اظہار کرنا ہے۔“

اس موقع پر لوئی تاشی فوراً بولا اور کہنے لگا۔

”امیر! صرف تھوڑی دیر کے لئے بیٹھیں۔ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد بیٹھ گیا۔ تب لوئی تاشی نے اس موقع پر ایک گہری نگاہ اپنے سامنے کیتھرائن پر ڈالی، اس کے بعد وہ منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! سب سے پہلے تو میں آپ کا انتہا درجہ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے کیتھرائن کو اہمیت دی، اس کی دل شکنی نہیں ہونے دی اور اس سے رشتہ قائم کرنے کی حامی بھر لی۔ آپ کے اس فیصلے سے جتنا میں اور یانگ خان خوش ہیں، اس سے کہیں زیادہ میری بیوی، میرا بیٹا اور میری بیٹی خوش ہے۔ اس لئے کہ کیتھرائن کو اب ہم اپنی بیٹی خیال کرتے ہیں۔ اس بنا پر کیتھرائن کا دکھ ہمارا دکھ، اس کی تکلیف ہماری تکلیف اور اس کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ اب جبکہ آپ اور کیتھرائن کے درمیان کوئی دیوار نہیں، کوئی غلط فہمی نہیں تو کیا آپ کیتھرائن کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ آپ کے کام کاج کرے، آپ کے کھانے کا اہتمام کرے؟

جہاں تک آپ اور کیتھرائن کی شادی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں مجھے تیاری کرنا ہو گی۔ اس لئے کہ یہ بیٹی کی رخصتی کا معاملہ ہے اور میں چاہتا ہوں، ہلاکو خان کی صورت میں جو خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، ان خطرات سے نمٹنے کے بعد آپ اور کیتھرائن کی شادی کا اہتمام کیا جائے۔ اور یہ شادی ایسی شان و شوکت اور دھوم دھام سے ہونی چاہئے کہ لوگ دیکھیں، لوئی تاشی کی بیٹی کی شادی ہے۔ اور کیتھرائن یہ بھی محسوس نہ کرے کہ یہ آرمینیا سے دُور بے وطنی کی حالت میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ اب یہی حویلی اس کی اپنی حویلی ہے۔ یہ سرزمین اس کی اپنی سرزمین ہے۔ یہ آرمینیا کی بیٹی نہیں بلکہ کوہستانِ قپچاق سے تعلق رکھنے والی خاتون ہے۔

خداوند قدوس نے چاہا تو جس روز کیتھرائن سے آپ کی شادی ہو گی، یہاں کے لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہو گی۔ اسی بنا پر میں اس شادی کو اس دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں اور اس شادی میں برقائی خان کے علاوہ اس کے سالاروں اور امراء کو بھی شامل کیا جائے گا۔“

لوئی تاشی جب خاموش ہوا، تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

”لوئی تاشی! میں تمہارے جذبات، تمہاری خوشیوں اور کیتھرائن کے متعلق تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں اور داد دیتا ہوں۔ لیکن لوئی تاشی! یہ بھی سوچو، میرے اور کیتھرائن کے درمیان ابھی رشتہ طے نہیں ہوا۔ ان حالات میں اس کا میری طرف اکیلے آنا بہت بڑا المیہ ہے۔ لوئی تاشی! یاد رکھنا، وقت کے فاصلوں میں عورت کی آبرو، گلابوں کی تازہ مہک کی ترجمان اور شگرفی صبح کے تبسم کی سی ہوتی ہے۔ عورت کا ناموس اگر اس کے پاس ہے تو زمزموں کے بکھرے رنگوں کی دھنک، وجدان میں پوشیدہ گوہر کی مانند ہے اور اگر عورت اس سے محروم نہ بھی ہوئی ہو، اس پر ایسے ہی الزام تراشی کر دی جائے تو وہ لڑکی چشمِ صحرا میں آتشِ عصیاں اور زیست کے لمحوں میں بدبختیاں اوڑھے دھوپ سے بھی بدتر ہو کے رہ جاتی ہے۔

لوئی تاشی! کیتھرائن نے اچھا وقت دیکھ رکھا ہے۔ یہ آرمینیا کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ وہاں اس نے شاہی قصر میں زندگی گزاری ہو گی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اپنے بھائی کے ساتھ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے جا رہی ہے تو خود مسلمان ہو کر آرمینیا والوں کے خلاف لڑنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہو گی۔ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ جن سرزمینوں کی طرف وہ جا رہی ہے، ان سرزمینوں میں وہ اسلام قبول کر لے گی۔

لوئی تاشی! کیتھرائن کی یہ بہت بڑی قربانی ہے کہ اس نے ہمارے اندر قیام کے بعد ہمارے ساتھ مل کر اپنے باپ کے خلاف جنگ کی۔ لہٰذا کیتھرائن کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے میں نہیں چاہتا کہ یہ ہمارے ہاں آنسو کی نمی، آہوں کے کرب، شکستوں کے عذاب میں لپٹے قلب اور قلب کے ویران آنگنوں کی سی ہو کر رہ جائے۔ ہم اس کی دل شکنی بھی نہیں کرنا چاہتے۔ اُسے ان سرزمینوں میں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اگر

اس سے مجھے کوئی کام پڑتا بھی ہے یا یہ میرے پاس آنا چاہتی ہے، جس طرح اس سے
پہلے یہ اماں مدلان، بلذون یا تنکیر کے ساتھ آتی رہی ہے، ایسے ہی آتی رہے۔ جب ہم
دونوں کے درمیان رشتہ طے ہو گا تو پھر کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ اپنی
مرضی کی مالک ہو گی۔"

اتنا کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"لوئی تاشی! میں نے غلط نہیں کہا۔ میرے خیال میں اس موقع پر کیتھرائن بھی یہاں
بیٹھی ہوئی ہے۔ اسے مخاطب کر کے جو کچھ میں نے کہا ہے، اس کے متعلق اس کی رائے
لے سکتے ہو۔"

اس موقع پر لوئی تاشی نے کیتھرائن کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کیتھرائن نے
بولنے میں پہل کی اور پھر وہ لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بابا! امیر کا کہنا درست ہے۔ اب تک میں ان کے ہاں جا کر صفائی ستھرائی کرتی
رہی ہوں اور میرے ساتھ تنکیر یا اماں جاتی رہی ہیں۔ لہٰذا میں یہ کہوں گی کہ جب تک
امیر کے ساتھ میرا رشتہ طے نہیں ہو جاتا، اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ امیر نے
جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک کہا ہے۔ میرا شادی سے پہلے اکیلا جانا بڑا معیوب بلکہ خدشات بھرا
ہے۔ جب کوئی لڑکی مفت میں بدنام ہوتی ہے تو وہ اپنے اردگرد کے ماحول میں ہلکی ہو کر
رہ جاتی ہے۔"

کیتھرائن کے الفاظ سن کر منصور بن احمد بھی خوش ہو گیا تھا۔ دوبارہ وہ اٹھ کھڑا ہوا
اور کہنے لگا۔

"میں اب حسام الدین اور شرف الدین کی طرف جاتا ہوں اور اس کے بعد جائزہ
لوں گا کہ ہلاکو کے یہاں آنے کے بعد ہم اس سے کہاں نمٹیں گے۔"

اس موقع پر لوئی تاشی، یانگ خان، مدلان، بلذون، تنکیر اور کیتھرائن بھی اپنی جگہوں
میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ کیتھرائن بھی پہلی بار براہِ راست منصور بن احمد کو مخاطب
کر کے کہنے لگی۔

"امیر! جس کام کے لئے آپ جا رہے ہیں، کیا ایسا ممکن نہیں کہ اس کام سے
فارغ ہونے کے بعد آپ واپس یہاں آئیں اور یہیں کھانا کھائیں۔"

کیتھرائن کے ان الفاظ پر لوئی تاشی، یانگ خان، مدلان، بلذون، تنکیر بے پناہ
خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ منصور بن احمد نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"میں پکا وعدہ نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے، مجھے زیادہ دیر ہو جائے۔ لہٰذا تم لوگ کھانے پر
انتظار مت کرنا۔ کھانا کھا لینا۔"

کیتھرائن اس موقع پر کچھ مزید کہنا چاہتی تھی لیکن بڑی تیزی کے ساتھ منصور بن
احمد دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

○○○○○

ہلاکو خان ایک روز اپنی بیوی دوقوزہ، اپنے پانچوں بیٹوں اباقا خان، تراغائی خان، تکودار، منگو تیمور اور یشموت کے ساتھ بیٹھا جو لشکر اس نے منصور بن احمد سے نمٹنے کے لئے بھجوائے تھے، ان کی کامیابی کے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ خیمے سے باہر جو مسلح جوان پہرہ دے رہے تھے، ان میں سے ایک منگول خیمے کے دروازے پر آیا، جھک کر اس نے ہلاکو خان کو تعظیم دی، پھر کہنے لگا۔

"خاقان! ہمارے دو مخبر آئے ہیں اور آپ کی خدمت میں کچھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

ہلاکو خان یہ سمجھا تھا کہ دو لشکر جو اس نے بھیجے ہیں، آنے والے مخبر اسے ان لشکروں کی کامیابی کی خبر دیں گے۔ لہٰذا اس نے دونوں مخبروں کو فی الفور پیش کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں مخبر، ہلاکو خان کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ہلاکو خان نے پہلے سر سے لے کر پاؤں تک ان دونوں کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔

"تم دونوں کی جسمانی حالت، تم دونوں کے چہرے بتاتے ہیں کہ تم کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ لیکن تفصیل سے کہنا۔"

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"خاقان! آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم بری خبر لے کر آئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ پہلے جو آپ نے لشکر مسلمانوں کے علاقوں میں ترکتاز کر کے اپنے لئے ضروریات کا سامان مہیا کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس پر مسلمانوں کا لشکر حملہ آور ہوا۔ اس لشکر کو نقصان پہنچایا، اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر ہمارے پاس پہنچے تھے۔

اس کے بعد آپ نے دو مزید لشکر بھیجے۔ ایک دربائی کی کمانداری میں جس نے مسلمانوں کے علاقوں سے رسد اور ضروریات کا سامان جمع کرنا تھا اور دوسرا بائیدو کی سرکردگی میں، جس نے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کرنا تھا۔

خاقان! مسلمانوں کا سالار بڑا تیز اور عیار ہے۔ ہمارے پہلے لشکر کو شکست دینے اور اکثریت کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد وہ بڑی تیزی سے جنوب کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ جو دو لشکر آپ نے بھیجے، ایک تو مسلمانوں کے علاقوں کی طرف گیا تاکہ وہاں سے رسد کا سامان حاصل کرے۔ جبکہ بائیدو کو مخبروں نے بتا دیا کہ مسلمانوں کا وہ لشکر جس نے ہمارے پہلے لشکر کو شکست دی ہے اور ہمارے ان گنت لشکریوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ جنوب کی طرف گیا ہے۔ چنانچہ بائیدو اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے جنوب کی طرف بڑھا۔

اس موقع پر مسلمانوں کے سالار نے بڑے فریب سے کام لیا۔ جنوب کی طرف جاتے ہوئے اچانک وہ دائیں جانب مڑا۔ لگ بھگ دس میل کا چکر کاٹتے ہوئے وہ اسی جگہ آیا، جہاں دربائی کی کمانداری میں رسد حاصل کرنے کے لئے جو لشکر گیا ہے، اس نے وہاں پڑاؤ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کا سالار، دربائی کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اس کا یہ حملہ ایسا جان لیوا اور ہولناک تھا کہ دربائی کو اس نے شکست دی اور دربائی شکست اٹھانے کے بعد اور اپنے لشکر کا کافی نقصان کرانے کے بعد تھوڑی دیر تک واپس یہاں پہنچ جائے گا۔

اس کے بعد مسلمانوں کے اس سالار نے دم نہیں لیا۔ ایک دم جنوب کی طرف بڑھا اور جنوب سے اس نے بائیدو اور اس کے لشکر کو جا لیا۔ وہاں بھی گھمسان کا رن پڑا۔ شروع میں بائیدو حاوی ہوتا دکھائی دے رہا تھا لیکن انجام کار مسلمانوں کے اس سالار نے بائیدو کو بھی بدترین شکست دی اور بائیدو بھی اپنے لشکر کا نقصان اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لہٰذا آج شام تک بائیدو بھی اپنے شکست خوردہ لشکر کو لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ خاقان! یہی وہ خبریں تھیں جو ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہیں۔"

یہ تفصیل جاننے کے بعد ہلاکو خان کا چہرہ اُتر گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ گہری سوچوں

میں ڈوبا رہا، اس کے بعد پانچوں بیٹے اور بیوی بھی اُداس اور افسردہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ ہلاکو بولا اور آنے والے ان دونوں مخبروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مسلمانوں کے جس لشکر نے ہمارے تین لشکروں کو شکست دی ہے، اس کا کمانڈار کون تھا؟''

جواب میں مخبر بولا اور کہنے لگا۔

''خاقان! مسلمانوں کے اس لشکر کا سپہ سالار منصور بن احمد ہے۔ ہمارے تینوں لشکروں کو بدترین شکست دینے اور ہمارے ان گنت جنگجوؤں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ان کے پڑاؤ سے ملنے والے سامان کو لے کر منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق کی طرف چلا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ان دونوں جنگوں میں اس کے دونوں دست راست حسام الدین اور شرف الدین کردی بھی شامل تھے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لئے مخبر رکا، پھر ہلاکو خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''خاقان! آپ جانتے ہیں، جس وقت پہلی بار ہم بغداد پر وارد ہوئے تھے، ان دنوں بغداد کے لشکریوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤدار اور نائب سپہ سالار منصور بن احمد تھا، انہی دونوں سالاروں نے پہلے ہمیں شکست سے دوچار کیا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ فتح الدین داؤدار اور منصور بن احمد کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کے دوسرے سالاروں اور لشکریوں نے ہمارا تعاقب کیا اور ہم نے جنگ کے نتائج کو الٹ کر رکھ دیا۔ اس جنگ میں فتح الدین داؤدار تو مارا گیا تھا لیکن منصور بن احمد بہت سے لشکریوں اور بہترین ساتھیوں حسام الدین اور شرف الدین کردی کو لے کر کوہستانِ قپچاق کی طرف چلا گیا تھا۔ اب یہ منصور بن احمد زخمی سانپ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ چونکہ بغداد کے لشکریوں کا نائب سپہ سالار ہوا کرتا تھا۔ بغداد کی تباہی اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہے لہٰذا ہمیں نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع ضائع نہیں کرتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر رکا، پھر اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''خاقان! یہ منصور بن احمد اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ لشکر کے آگے رہتا ہے۔ حملہ آور ہونے میں بھی وہ اپنے لشکر کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے ماں باپ، بہن بھائی، پورا

خاندان بغداد میں چونکہ ہمارے ہاتھوں مارا گیا تھا، لہٰذا اس نے اپنی زندگی کا مقصد اور محور منگولوں کے قتل کو بنا لیا ہے۔ جہاں کہیں بھی اسے موقع ملتا ہے، وہ منگولوں کا قتل عام کر کے خوشی اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان نے دونوں مخبروں کو جا کر آرام کرنے کے لئے کہا۔ خیمے میں تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر دوقوزہ بولی اور ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''کیا مسلمانوں کا یہ بغداد سے بھاگا ہوا سالار منصور بن احمد اتنا ہی طاقتور اور پُرقوت ہو گیا ہے کہ ہمارے تین لشکروں کو اس نے بدترین شکست دی اور ان کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ کیا اس سے نمٹنے کے لئے ہم میں ہمت اور جواں مردی نہیں ہے؟''

دوقوزہ جب خاموش ہوئی، تب ہلاکو خان بولا اور کہنے لگا۔

''دو دن تک میرے بھائی منگو خان کی طرف سے کئی ہزار اور لشکری میرے لشکر میں شامل ہونے کے لئے پہنچ جائیں گے۔ جب وہ یہاں آ جائیں گے تو پھر میں حرکت میں آؤں گا، پورے لشکر کو لے کر کوہستانِ قپچاق کا رخ کروں گا اور منصور بن احمد جو اب فراتان قبائل کا سالار اور امیر ہے، اسے بتاؤں گا کہ اگر وہ ہمارے لشکریوں کو نقصان پہنچانے کے عمل میں مصروف رہا ہے تو اس کے نتیجے میں ہم اس کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی ہلاکو خان اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے پاس بیٹھے بیٹوں کو آنے کے لئے کہا تاکہ جب منگو خان کی طرف سے تازہ دم لشکر اس کے پاس پہنچ جائے تو پھر کوہستانِ قپچاق کا رخ کیا جائے۔ اس دوران اپنی تیاری کو آخری شکل دے دینی چاہئے۔ چنانچہ ہلاکو خان کے اشارے پر پانچوں بیٹے اٹھ کر ہلاکو خان کے ساتھ خیمے سے نکل گئے تھے۔

○○○○○

جو لشکر ہلاکو خان کے بھائی اور منگولوں کے خاقان، منگو خان نے ہلاکو خان کی مدد کے لئے بھیجا تھا، وہ بھی بڑا جرار لشکر تھا۔

جب وہ لشکر ہلاکو خان کے پاس پہنچ گیا تب ہلاکو خان نے پیش قدمی کی۔ کوہستانِ قپچاق کے عین سامنے جو کھلے اور وسیع میدان تھے، ان کے اندر جا کر اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

دراصل ہلاکو خان چاہتا تھا کہ پہلے فراتا تار قبائل کا ایک طرح سے گھیراؤ کیا جائے۔ انہیں کوہستانی سلسلوں سے نکلنے ہی نہ دیا جائے۔ وہ جب تنگ پڑ کے کوہستانی سلسلوں سے نکل کر کھلے میدان میں اس کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوں، تب انہیں ایسی ہولناک شکست دی جائے کہ ان میں سے کوئی بچنے نہ پائے۔

اپنی اسی منصوبہ بندی کے تحت ہلاکو خان نے کوہستانِ قپچاق کے سامنے کے میدانوں میں پڑاؤ کر لیا تھا۔ جب پڑاؤ قائم ہو گیا، تب اپنے سارے چھوٹے بڑے سالاروں کو ہلاکو خان نے اپنے خیمہ میں طلب کیا۔ جب سب اس کے پاس پہنچ گئے تب ہلاکو خان نے پہلے بڑے غور سے ان کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔

''جہاں تک میں فراتا تار قبائل کو سمجھ پایا ہوں، اگر ان کے اندر کام کرنے والے تین سالاروں کا خاتمہ کر دیا جائے تو ہم کوہستانی سلسلوں کے اندر گھس کر فراتا تار کا خاتمہ نہ بھی کریں، تب بھی آنے والے دور میں فراتا تار کے قبائل ہمارے لئے خطرے کا باعث نہیں بنیں گے۔ ان سالاروں میں سرفہرست منصور بن احمد ہے اور دوسرے اور تیسرے نمبر پر اس کے دو دست راست حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی ہیں۔ اگر ان تینوں کا خاتمہ کر دیا جائے تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں، فراتا تار ہمارے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں بنیں گے۔ ان کے اندر پھر دو بڑے سالار رہ جائیں گے ایک لوئی تاشی، دوسرا یانگ خان۔ یہ ماضی میں بھی فراتا تار قبائل کی کمانداری کرتے رہے ہیں لیکن ہمارے لئے کسی نقصان کا باعث نہیں بنے تھے۔ جب سے منصور بن احمد اپنے دو ساتھیوں اور اپنے ان گنت لشکریوں کے ساتھ فراتا تار قبائل میں شامل ہوا ہے تب سے ہمارے لشکریوں پر کبھی شب خون اور کبھی اچانک حملوں کی وجہ سے ہمیں نقصان پہنچایا گیا۔ خصوصیت کے ساتھ اس منصور بن احمد نے جو گزشتہ دنوں ہمارے لشکریوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتارا، وہ یقیناً ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔ اس نے اس سے پہلے ہمارے دو بہترین سالاروں توران [illegible]

زبان سونجاق کو بدترین شکست دی۔ ان دونوں کو گرفتار کر کے ان کی گردنیں کاٹ دیں۔ دونوں کا انتقام ہم نے منصور بن احمد سے لینا ہے۔ اس کے بعد اسی منصور بن احمد نے ہمارے سالاروں میں سے دربائی اور بائیدو کو بھی بدترین شکست دی۔ حالانکہ سب جانتے ہیں، بائیدو جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والا ہے اور کبھی اسے شکست سے کسی نے دوچار نہیں کیا۔ لیکن منصور بن احمد نے اس پر ذلت آمیز شکست طاری کر کے رکھ دی۔ ایسا ہی اس نے دربائی کے ساتھ کیا۔ یہ ہمارے دونوں سالار ناکام رہے اور اپنے لشکر کا نقصان اٹھا کر واپس آ گئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان جب خاموش ہوا، تب اس کے بڑے سالاروں میں سے ایک آچل بن قاچار جو بقول مؤرخین ہلاکو خان کے بہترین سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا، وہ بولا اور ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خاقان! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم اپنے اندر سے کسی بے مثل، کسی نایاب اور ناقابلِ شکست تیغ زن کا انتخاب کریں اور جب فراتا تار قبائل کوہستانی سلسلوں سے نکل کر ان کھلے میدانوں میں ہمارے سامنے آئیں تو ہمارا وہ تیغ زن لشکر سے نکل کر منصور بن احمد کا نام لے کر اسے انفرادی مقابلہ کے لئے للکارے۔ اور جب منصور بن احمد میدان میں اُترے تو اس سے انفرادی مقابلہ کر کے اس کا قصہ تمام کر کے رکھ دے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب آچل بن قاچار خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے ہلاکو خان کہنے لگا۔

''آچل بن قاچار! میں جانتا ہوں تُو میرے چوٹی کے سالاروں میں سے ایک ہے، جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ اس کے باوجود جو منصوبہ بندی تم نے پیش کی ہے، میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔''

ہلاکو رُکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آچل! یہ منصور بن احمد کبھی بغداد کی سلطنت کے لشکریوں کا نائب سالارِ اعلیٰ تھا۔ نائب اس لئے کہ وہ ابھی نوجوان تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والا ایک بے مثل، جہاں دیدہ اور تجربہ کار سالار فتح الدین داؤد تھا جو بغداد کی سلطنت کے لشکریوں کا

سالارِ اعلیٰ تھا۔ میں نے بغداد میں قید ہونے والے بہت سے مسلمان لشکریوں کو/سے سنا ہے کہ بغداد کی سلطنت میں منصور بن احمد سے بڑھ کر جنگ کا تجربہ رکھنے ... دشمن کو شکست سے دوچار کر دینے والا کوئی دوسرا سالار نہیں تھا۔ اگر اسے ... سلطنت کے لشکریوں کا نائب سپہ سالارِ اعلیٰ اس کی نوجوانی ہی میں بنا دیا گیا تو ... اس کے اندر کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔ وہ ایک بے مثال تیغ زن ہوگا۔ جنگ کی ... منصوبہ بندی کرنے کے علاوہ دشمن کو زیر کرنے کا ہنر بھی جانتا ہوگا۔ لہٰذا اگر ... کھلے میدانوں میں منصور بن احمد سے انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے اپنا کوئی ... تیغ زن اتارتے ہیں تو اتچل بن قاچار! میرا دل کہتا ہے، منصور بن احمد اس ... رہے گا اور اگر منصور بن احمد نے ہمارے اس سالار کو میدانِ جنگ میں موت ... گھاٹ اُتار دیا تو یاد رکھنا ہمارے لشکریوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ... فراتاتار کا مقابلہ کرنے سے جی چرائیں گے اور یہ عمل ہماری شکست کا باعث بن ... سکتا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان رکا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتا ... کہہ رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اپنے لشکر کے چند بہترین دستے علیحدہ کر کے انہیں صرف ... کام سونپا جائے کہ انہوں نے جنگ کے دوران صرف منصور بن احمد پر حملہ آور ہو کر ... کا سر کاٹنا ہے۔ دراصل ہمارے لشکر میں کچھ ایسے جوان ہیں جو منصور بن احمد کو اس ... چہرے سے پہچانتے ہیں۔ تاہم وہ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کو ... جانتے۔ لہٰذا جو دستے منصور بن احمد پر حملہ آور ہونے کے لئے مقرر کئے جائیں گے ... دستوں کی رہنمائی ہمارے وہی لشکری کریں گے جو منصور بن احمد کو اس کے چہرے ... پہچانتے ہیں۔ اور مجھے امید ہے، جب وہ دستے صرف منصور بن احمد پر حملہ آور ... کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے اور منصور بن احمد کا یقیناً قصہ پاک کر دیں گے ... جب منصور بن احمد ایک لاش کی صورت میں اپنے گھوڑے سے گرے گا تو ... فراتاتار کی شکست اور ہماری فتح کھل کر سامنے آ جائے گی۔"

ہلاکو خان کے سارے سالاروں نے اس کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔

نے وہ اجلاس ختم کر دیا تھا۔

ooooo

ہلاکو خان کو کوہستانِ قپچاق کے سامنے کھلے میدانوں میں قیام کئے دو دن ہو گئے تھے کہ برف باری شروع ہو گئی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں ہی نہیں، میدان بھی برف کی سفید چادر میں ڈھکنے لگے تھے۔

لوئی تاشی اس روز جب عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد حویلی میں داخل ہوا، تب کیتھرائن اور اس کی بیٹی تنکیر دونوں لوئی تاشی کے سامنے آئیں۔ پھر کیتھرائن بولی اور لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بابا! آپ ذرا اجازت دیں تو ہم دونوں بہنیں امیر کا کھانا لے جائیں؟"

اس پر لوئی تاشی نے بڑے غور سے پہلے کیتھرائن، پھر اپنی بیٹی تنکیر کی طرف دیکھا۔ پھر کسی قدر سخت آواز میں کہنے لگا۔

"کیتھرائن میری بچی! ایسا کرنے کے لئے تمہیں کسی سے اجازت لینے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ حالات، وقت اور ہم سب تمہیں امیر منصور بن احمد سے منسوب کر چکے ہیں۔ اب تم دونوں ایک دوسرے کی ذات کا حصہ ہو۔ بیٹی! اگر تم اور تنکیر، امیر کے لئے کھانا لے کر جاتی ہو تو یاد رکھنا، اس میں میری طمانیت، میری خوشی پنہاں ہے۔"

لوئی تاشی کا یہ جواب سن کر کیتھرائن اور تنکیر دونوں حرکت میں آئیں۔ دونوں مطبخ میں گئیں، پھر کھانے کے برتن لے کر باہر آئیں اور حویلی سے نکل گئی تھیں۔

دونوں جب منصور بن احمد کی رہائش گاہ پر آئیں تو دروازہ کھلا تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئیں۔ سامنے والے دونوں کمروں اور ان کے سامنے جو برآمدہ تھا، ان کے اندر چھوٹی چھوٹی مشعلیں جل رہی تھیں۔ تاہم دیوان خانہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ دونوں پہلے ایک کمرے میں داخل ہوئیں۔ منصور بن احمد وہاں نہیں تھا۔ دوسرے کمرے میں گئیں، وہاں بھی منصور نہیں تھا۔

یہ صورتِ حال کیتھرائن کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ آخر تنکیر کو مخاطب کر کے بولی۔

"تنکیر میری بہن! یہ امیر کہاں چلے گئے ہیں؟"

تنکیر خود بھی پریشان اور فکرمند ہوگئی تھی۔ فی الفور کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔

"کل امیر نے اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلوں کے باہر کھلے میدانوں میں ہلاکو خان سے ٹکرانے کے لئے بھی نکلنا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ امیر اس سلسلے میں بھائی حسام الدین اور شرف الدین سے مشورہ کرنے کے لئے چلے گئے ہوں۔"

کیتھرائن نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

"نہیں میری بہن! میرا دل نہیں مانتا۔ اگر وہ مشورہ کرنے گئے ہوتے تو بابا سے بھی اس سلسلہ میں مشورہ کرتے۔"

آخر کچھ سوچتے ہوئے دونوں باہر آئیں۔ اس کے بعد کیتھرائن کے پاؤں جیسے زمین میں جکڑ گئے تھے۔ اس نے دیکھا، قریب ہی جو کوہستانی سلسلے کی بلند چوٹی تھی، اس کے اوپر کوئی ہیولا سجدے کی حالت میں پڑا تھا۔ ہیولے کی طرف کچھ دیر تک کیتھرائن غور سے دیکھتی رہی، پھر تنکیر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"تنکیر میری بہن! خدا جھوٹ نہ بلوائے، وہ دیکھو سامنے والی چوٹی پر جو کوئی سجدہ میں گیا ہوا ہے، میرا دل کہتا ہے وہ امیر منصور بن احمد کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ آؤ، ادھر ہی چلتے ہیں۔"

برف باری جاری تھی۔ ہر شے سفید ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ سے ماحول خاصا روشن ہو گیا تھا۔ کوہستانی سلسلے کے اوپر جا کر کیتھرائن اور تنکیر دونوں نے پہچان لیا۔ وہ منصور بن احمد ہی تھا اور برف باری میں سجدے میں گر کر دعا مانگ رہا تھا۔ قریب ہی ایک خاصی بڑی چٹان تھی۔ اس پر بھی برف جم چکی تھی۔ چنانچہ کیتھرائن اور تنکیر دونوں اس چٹان کی اوٹ میں بیٹھ کر منصور بن احمد کے دعائیہ الفاظ سننے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ آخر ان کی سماعت میں منصور بن احمد کی آواز پڑی۔ سجدے میں گرے ہی گرے تیزی سے جاری برف باری میں وہ اپنی کپکپاتی اور روتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میرے اللہ! خوابوں، تعبیروں، پھول و شبنم، آرزو اور اُمید، بادل و برسات، حسرت و تمنا، زمزمہ و سُر میں تُو ہی ایک تعلق اور رابطہ قائم کرتا ہے۔ اے اللہ! میں ایک

آوارہ وطن، سنگین راتوں کا مسافر ہوں۔ میرے اللہ! ان منگولوں کے مقابلے میں مجھے فتح اور کامیابی عطا کرنا۔ میرے اللہ! ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اس لئے کہ تیرے علاوہ نہ کوئی مدد کرنے والا ہے، نہ مشکلات کا حل کرنے والا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر پہلے سے بھی زیادہ کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"اے دونوں جہاں کے مالک! انسانیت کو مقامِ شرف سے گرانے اور لفظوں سے ان کے معانی چھیننے والے منگول میری قوم کے لئے رگ و پے کی تلخیوں، دکھ کے خونی سایوں، آفات میں گرفتار کرتے آلام کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ میرے اللہ! تُو بڑا مہربان ہے، رحیم ہے۔ اپنے چاہنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ میرے اللہ! رسوائی کے اس کھیل میں مجھے ہمت دے کہ میں رعونت سے لبریز منگولوں کے ارادوں پر دکھ کے بے رک سیلاب کی طرح ضرب لگانے میں کامیاب رہوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے منصور بن احمد خاموش ہو گیا تھا اس لئے کہ اس کی ہچکیاں اور سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ صورتِ حال کم از کم کیتھرائن کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ کھانے کے برتن اس نے رکھ دیئے تھے۔ پھر دبی دبی آواز میں رونے لگی تھی۔

یہاں تک کہ منصور بن احمد کی آواز پھر ان دونوں کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میرے اللہ! تُو ہی دلوں کے آسمان پر ستاروں کی ہنسی سجاتا ہے۔ میرے اللہ! تُو ہی صداقتوں اور سطوتوں کے چمن، دیانتوں اور امانتوں کے دمن، سچائیوں اور شرافتوں کے دمن کھڑے کرتا ہے۔ میرے اللہ! تیرا نام ہی محبت کا اسم اعظم ہے۔ میرے مالک! میرے دل کی دھڑکنوں کی سرگوشیوں، میری منزل، میری اُمید کی نئی روشنی میں ہمیشہ تیرا ہی نام اپنی پوری صفات کے ساتھ گونجتا رہا ہے۔

اے اللہ! میں تیرا عاجز ذرّہ، بے توقیر اور ایک کچلا مسلا حقیر بندہ ہوں۔ اے اللہ! تیرے سامنے زندگی کے اُفق پر میری آخری اُمید، میرے سانسوں کی پونجی ہے۔ میرے اللہ! مسلمانوں کی سلامتی میری زندگی کا مقصد ہے۔ اے اللہ! منگول کرب کی کالی آندھیوں، آگ اُگلتے طوفانوں، بھنور بھنور موجوں کی طرح جگہ جگہ مسلمانوں کو اپنا ہدف

بنائے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! میری مدد فرما، مجھے ہمت دے، مجھے استطاعت عطا ک
میں رات کی تیرگی میں آندھیوں کو لپیٹ دینے والی سلگتی موت کی طمازت، دھواں د
شام کے الاؤ میں شعلوں کے لرزاں رنگوں کے بے محابا عذابوں کی طرح منگولوں پ
آور ہو کر ان کے سامنے اپنی قوم کے فرزندوں، بہن بھائیوں کا دفاع کر سکوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد کی آواز دب گئی تھی۔ صرف اس کی ہچکی
سنائی دینے لگی تھیں۔ اس صورتِ حال نے کیتھرائن کی حالت مزید خراب کر دی تھی
وہ کھل کر رونے لگی تھی۔

اس کے رونے کی آواز منصور بن احمد تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اس نے دعا ختم کر
چونک کر اٹھ کھڑا ہوا، اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی بھی نہ تھا۔ برف باری اسی طرح جاری
ہر شے سفید ہو چکی تھی۔ کیتھرائن اور تنکیر چونکہ چٹان کی اوٹ میں تھیں لہٰذا فی الفور
بن احمد کو دکھائی نہ دی تھیں۔ اسی دوران کیتھرائن اور تنکیر دونوں اٹھ کھڑی ہو
دونوں رو رہی تھیں۔

منصور بن احمد نے اپنے شانے پر رکھے ہوئے انگوچھے سے اپنی آنکھیں خشک
پھر کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم دونوں بہنیں یہاں کیا کر رہی ہو؟"

اس پر کیتھرائن روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

"میں اور تنکیر دونوں بابا سے اجازت لے کر آپ کے لئے کھانا لے کر آئی تھ
ہم نے آپ کو اپنی رہائش گاہ میں نہ دیکھا تو ہم جب واپس جانے لگیں تو اس کو
سلسلہ کے اوپر آپ مجھے دکھائی دیئے۔ لہٰذا ہم ادھر آ گئیں۔ اب آپ گھر چلیں
آپ نے منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں بھی اُترنا ہے۔ برف باری
ہے۔ کہیں آپ کو سردی نہ لگ جائے۔"

کیتھرائن کے ان الفاظ کا منصور بن احمد نے کوئی جواب نہ دیا، چپ چاپ کو
سلسلہ سے نیچے اُترنے لگا تھا۔ کیتھرائن اور تنکیر اُس کے پیچھے تھیں۔ منصور بن اح
رہائش گاہ میں داخل ہوا، سامنے والے کمرے میں گیا۔ اسی کمرے میں کیتھرائن ا
داخل ہوئیں۔ پھر کیتھرائن، منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"کھانا ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔ میں گرم کر کے لاتی ہوں۔"

مسکراتے ہوئے منصور بن احمد نے نفی میں گردن ہلائی پھر کہنے لگا۔

"گرم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایسا کھانا کھانے کا عادی ہوں۔ تمہیں
ان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

پھر کیتھرائن نے برتن منصور بن احمد کے سامنے رکھے۔ منصور نے کھانے کا جائزہ
پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کھانا کافی زیادہ ہے۔ تم دونوں بھی کھاؤ۔"

اس پر کیتھرائن بڑے پیار اور بڑی محبت میں منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے
گی۔

"یہ کھانا ہم دونوں بہنیں صرف آپ کے لئے لے کر آئی ہیں۔ ہم دونوں کھانا کھا
ہیں۔"

کیتھرائن کے ان الفاظ کے جواب میں منصور بن احمد کھانا کھانے لگا تھا اور کھانا
نے کے بعد کیتھرائن اور تنکیر دونوں برتن اٹھا کر واپس چلی گئی تھیں۔

اگلے روز منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ کوہساروں سے نکلا اور کوہستانِ قپچاق
سامنے جو کھلی وادیاں تھیں، وہاں اس نے ہلاکو خان کے بالکل سامنے اپنے لشکر کا
کر لیا تھا۔

ہلاکو خان نے پہلے منصور بن احمد کے لشکر کا جائزہ لیا۔ جب اس نے دیکھا، اس
مقابلہ پر آنے والا لشکر اس کے اپنے لشکر کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے تو وہ
حد خوش ہوا۔ اب اس نے یہ ٹھان لی تھی کہ فی الفور فراتا تار قبائل کے اس لشکر پر حملہ
ہو گا، اس کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ کوہستانِ قپچاق میں داخل ہو گا۔ وہاں جو
تار کے بچے کھچے قبائل ہیں، ان کا خاتمہ کر کے مزید پیش قدمی کرے گا، برقائی
پر حملہ آور ہو گا اور اسے بھی خون میں نہلا کر اپنے مستقبل کو ان علاقوں کی طرف
بے خطر بنا دے گا۔

ہلاکو خان کا لشکر واقعی بہت بڑا تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، منگولوں کے سر ہی
آتے تھے۔

دوسری طرف منصور بن احمد نے بھی شرف الدین کردی اور حسام الدین جو ترک
کے ساتھ ہلاکو خان کے لشکر کا جائزہ لیا۔ لشکر کو انہوں نے تقسیم نہیں کیا۔ تھوڑی دیر
منصور بن احمد، ہلاکو خان کے لشکر کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اپنے پہلو میں گھوڑوں پر
شرف الدین اور حسام الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! لشکر کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ لشکر ایک ساتھ رہے گا۔
خان بے حد خوش ہو رہا ہو گا کہ اس کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے ہمارے لشکر
حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ حملہ آور ہو کر ہمارا خاتمہ کر دے گا لیکن جنگ
شکست اور فتح کا فیصلہ تو میرے رب نے کرنا ہے۔ ادر دیکھتے ہیں، میرا رب کیا
کرتا ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ہلاکو خان اپنے
کو رات کی حشر سامانیوں میں نبضوں کو نحیف کرتے آتشِ پنہاں کے شراروں کی طر
حرکت میں لایا تھا۔ اس کے بعد منصور بن احمد کے لشکر پر اُداسی کے زرد لمحات کی
کرتے رگ رگ میں تلاطم بھرتے ذلت کے تند ریلوں، زندگی کے منشور میں نو
غمگین دلوں کے آنگنوں میں ہجر کے ماتم کرتے قہر مانیوں کے جلتے دھاروں کی طر
حملہ آور ہو گیا تھا۔

ہلاکو خان کے مقابلہ میں منصور بن احمد، حسام الدین اور شرف الدین نے بھی
بھری وارداتوں میں قضا کی تختیاں لکھتے پُر آشوب اندھیاؤ کی طرح اپنے کام کی ابتدا
اور وہ بھی ہلاکو خان کے لشکر پر سیل وقت کے تغیر میں بدی کے عناصر کو زیر کر دینے والے
تند و بلا خیز جھکڑوں، خوابیدہ تیرگی میں دل کے دروازوں پر موت کی دستک د
عذابِ مسلسل کے رقص اور خود سروں اور ستم پروروں کے لئے درد کے نشتر بن جا
والی نفرت کی اُڑتی گرد کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ ہلاکو خان
منصور بن احمد کا کام تمام کرنے کے لئے جو دستے مقرر کئے تھے، وہ بڑی تیزی
آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شاید منگولوں کی اس چال کی خبر منصور بن احمد
لشکریوں کو بھی ہو چکی ہوں گی لہٰذا کردوں اور ترکوں نے ایک طرح سے منصور بن

کے اردگرد ناقابل تسخیر حصار بنا لیا تھا۔ جبکہ کھلی آستینوں والے عرب فضاؤں کے اندر
اپنی سفید عباؤں کو لہراتے ہوئے ہلاکو خان کے ہر اس لشکری کو لہو میں ڈبونے لگے تھے،
جو منصور بن احمد کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔

اس طرح جنگ لمحہ بہ لمحہ ایک نئی جہت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ عرب، ہلاکو خان کے
ان دستوں کو جو منصور بن احمد پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے، انہیں ختم
کرتے جا رہے تھے۔ جبکہ کرد اور ترک ایک ایسا حلقہ منصور بن احمد کے گرد بنائے
ہوئے تھے کہ کسی کو وہاں پھٹکنے کی اجازت تک نہ تھی۔ دوسری طرف خود منصور بن احمد،
شرف الدین اور حسام الدین جس طرف بھی حملہ آور ہوئے، منگولوں کو چیرتے چلے
گئے تھے۔

جس وقت جنگ اپنے عروج پر آئی اور ہلاکو خان کا پورا لشکر جنگ کی بھٹی میں کود
پڑا، تب منصور بن احمد پر دباؤ بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے
تحت منصور بن احمد اپنے لشکر کو لے کر پیچھے ہٹنا شروع ہوا۔ منگولوں نے یہی سمجھا کہ
منصور بن احمد کی شکست کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لہٰذا کوہستانِ قپچاق میں اس کے پیچھے
پیچھے گھسنے کے لئے انہوں نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کر دی تھی۔ لیکن اس موقع
پر وہ انقلاب، وہ تبدیلی، وہ عذاب نمودار ہوا، جس کی اُمید منگول نہیں کرتے تھے۔ اس
لئے کہ ہلاکو خان کی پشت کی جانب سے کوہستانی سلسلوں کے اندر برقائی خان اپنے لشکر
کے ساتھ اس طرح نکلا جیسے پردیسی جزیروں، وہموں کے ہجوم اور اجنبی جنگل سے اُٹھتے
نارسائی کے دکھ نمودار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہلاکو خان کی پشت پر برقائی خان،
محرومیوں کی دلدلوں میں روحوں کو جھلسا دینے والے نا آسودگی کے کرب، فطرت کی بزمِ
ارتقا میں دلوں میں تلاطم بھر دینے والے غموں کے خونی بادلوں اور گراں باری کے آلام
کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جس وقت ہلاکو خان کے لشکر کی پشت کی طرف سے برقائی خان نمودار ہو کر حملہ آور
ہوا تھا، اسی وقت منصور بن احمد جو اپنے لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ پسپا ہو رہا تھا، اچانک
اس نے پینترا بدلا۔ پھر وہ انتہائی غضب ناکی کے جوش میں اس انداز میں منگولوں پر
حملہ آور ہوا کہ وہ منگول جو اس کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے، ان کی لاشوں کو اس

نے بساط کی طرح بچھا کر رکھ دیا تھا۔ اس طرح پشت کی جانب سے برقائی خان اور سامنے کی طرف سے منصور بن احمد حملہ آور ہوئے۔ تب رزم گاہ میں موت کے گیتوں کی بازگشت، جراحتوں کی درندگی، شور کرتی روگی صدائیں، آفات میں گرفتار کرتے آلام، خون میں ڈوبی اُمیدیں، نفرتوں کی اُڑتی گرد اپنا رنگ جمانے لگی تھیں۔

ہلاکو خان اور اس کے سالاروں نے دیکھا کہ ان کے لشکر کا نقصان زیادہ ہو رہا ہے، لہٰذا وہ پیچھے ہٹا، اپنے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا۔ جب اس نے ایسا کیا، تب برقائی خان اور منصور بن احمد نے جو پہلے سے اپنی منصوبہ بندی طے کر رکھی تھی، اس کے مطابق وہ رک گئے تھے۔

اپنے پڑاؤ میں پہنچ کر ہلاکو خان بڑے عجیب سے انداز میں میدانِ جنگ کے اس حصہ کو دیکھ رہا تھا، جہاں اس کے لشکریوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس موقع پر سارے سالار اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ہلاکو خان دکھ بھرے انداز میں بولا۔

"ان علاقوں میں دشمن کی قوت کا ہم نے غلط اندازہ لگایا ہے اور اس کی خبر ہمارے مخبروں نے بھی نہیں دی۔ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے فراتا تار کو تباہ کرنے کے لئے ان پر ضرب لگائیں گے، ان کا خاتمہ کرنے کے بعد کوہستانی سلسلے میں آگے بڑھتے ہوئے برقائی خان پر حملہ آور ہوں گے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ برقائی خان اور منصور بن احمد کے درمیان بڑے قریبی تعلقات ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے یہاں ہوا۔ پہلے منصور بن احمد ہم سے ٹکرانے کے لئے آیا، وہ ہمارے خلاف لڑا اور خوب لڑا۔ آج میں نے پہلی بار اسے اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ واقعی وہ اس قابل ہے کہ اسے بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اگر میرے پاس کوئی ایسا سالار ہوتا تو میں دشمن کی کسی طاقت اور قوت کو اپنے سامنے ٹکنے نہ دیتا۔ اور پھر انہوں نے پہلے سے منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ عین وقت پر برقائی خان اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور ہمارے نقصان کا باعث بن گیا۔ ان کے بہت کم لشکریوں کا نقصان ہوا ہے جب کہ میدان میں جو لاشیں پڑی ہیں، ان کی اکثریت ہمارے لشکریوں پر مشتمل ہے۔ ایسا نقصان ہمیں پہلے کہیں نہیں اٹھانا پڑا۔ اور اس کا انتقام ہم ایک روز ضرور

زر ہیں گے۔"

اس کے بعد ہلاکو خان نے وہ اجلاس ختم کر دیا۔ اجلاس ختم کرنے کے بعد وہ اپنی بیوی دوقوزہ کے خیمہ میں داخل ہوا۔ ہلاکو خان کے پانچوں بیٹے اس وقت اپنے زخمی لشکریوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ خیمے میں داخل ہونے کے بعد ہلاکو خان اُداس اُداس سا دوقوزہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، آخر دوقوزہ نے ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

"میں تو سمجھتی تھی کہ اس بار ہم دشمن کو بدترین شکست دیں گے۔ کوہستانِ قپچاق میں تاتار قبائل کا خاتمہ کرنے کے بعد برقائی خان پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ آنے والے دور میں برقائی خان کبھی ہم سے ٹکرانے کا نام نہیں لے گا۔ لیکن میرے لئے حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ ہمیں پسپائی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میں تو یہ طے کئے ہوئے تھی کہ جب تک میری بہن یسمر کا انتقام نہیں لیا جاتا اور یہ کہ فراتا تار قبائل سے آرمینیا کے حکمران، حیثون کی بیٹی کیتھرائن کو حاصل نہیں کیا جاتا، اس وقت تک ہم یہاں سے پلٹ کر نہیں جائیں گے۔ لیکن میں دیکھتی ہوں، حالات اُلٹی صورت اختیار کر گئے ہیں۔"

یہاں تک کہتے کہتے دوقوزہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ ہلاکو خان بولا اور کہنے لگا۔

"دوقوزہ! تمہارا کہنا درست ہے۔ لیکن ان حالات میں یہاں ہم زیادہ دیر قیام بھی نہیں کر سکتے۔ اگر برقائی خان اور فراتا تار قبائل نے کوہستانی سلسلوں سے اچانک نکل کر ہمارے ساتھ شب خون کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تو یہ کھیل ہمارے لئے مزید نقصان بن جائے گا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے، اب ہم خاقان منگو خان کے کہنے پر جنوب کی طرف رخ کریں گے اور یلغار کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔"

ہلاکو خان کے یہ الفاظ سن کر دوقوزہ تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبی رہی، پھر کہنے لگی۔

"جنوب کی طرف ہمیں یلغار ضرور کرنی چاہئے اور مصر کو بھی فتح کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ مصر کے لشکر نے اس سے پہلے فرانس کے بادشاہ لوئی کو بدترین شکست دی ہے

اور اسے اپنا قیدی بنا کر رکھا تھا۔ فرانسیسی خود تو اب مصر کی طاقت سے انتقام لینے کے
قابل نہیں رہے لہٰذا یہ کام ہمیں کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ وہ میرے مذہبی بھائی ہیں۔ ان کا
انتقام لینا اب ہمارے لئے ضروری ہوگیا ہے۔ لیکن اس موقع پر ایک بات میرے ذہن
میں ضرور کھٹکتی ہے۔"

"کون سی بات......؟" ہلاکو خان نے غور سے دوقوزہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ
لیا تھا۔

دوقوزہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگی۔

"دراصل مجھے یہ فکر لاحق ہے، اگر ہم نے اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف پیش
قدمی شروع کی تو جو علاقے اب تک ہم فتح کر چکے ہیں، ان کی حفاظت کا کیا بنے گا!
کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جنوب کی طرف بڑھیں جب کہ برقائی خان، فراتا تار قبائل اور
دوسری مسلمان قوتیں اچانک متحد ہو کر نمودار ہوں اور ان علاقوں پر یلغار کر دیں جو اب
تک ہم نے فتح کیے ہیں۔"

اس پر ہلاکو خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ بغداد کے اندر ہمارا ایک بہت بڑا لشکر ہے اور جنوب
کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے میں اپنے بڑے سالاروں میں سے مہرتائی
بائیدو کو بغداد کی طرف روانہ کر دوں گا۔ ایک تیسرے سالار توران اہلکان کو ایک خاصا
لشکر دے کر مقرر کروں گا تاکہ بغداد کے علاوہ جو دوسرے علاقے ہم نے فتح کیے ہیں
ان کی دیکھ بھال کا کام سرانجام دیتا رہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان رکا، پھر دوقوزہ کی تسلی اور تشفی کے لئے کہنے لگا۔

"دوقوزہ! جہاں تک برقائی خان کا تعلق ہے تو اس کے پاس ابھی نہ اتنی
طاقت ہے اور نہ اتنے تربیت یافتہ لشکری ہیں جن کے ساتھ وہ کوہستانی سلسلوں سے نکل
کر کھلے میدانوں میں ہم سے ٹکرائے۔ ہاں ہماری غیر موجودگی میں جو شخص ہمارے لئے
مصائب کھڑے کر سکتا ہے، وہ بغداد کا سابق نائب سالار منصور بن احمد ہے۔
جنوب کی طرف جانے سے پہلے میں اپنے سارے سالاروں کو احکامات جاری کر دوں گا
کہ میرے بعد ہر صورت میں اس منصور بن احمد کا سر کاٹ کر جنوب کی طرف روانہ کیا

جائے۔ سالاروں کو میں یہ بھی سمجھا دوں گا کہ اگر یہ منصور بن احمد، کوہستانِ قپچاق کے
سلسلوں میں چھپ کر خاموش بیٹھا رہے تو ہمارے لشکروں میں سے کوئی بھی اس کے
خلاف حرکت میں نہیں آئے گا جب تک میں جنوب کی مہم سے فارغ نہیں ہوتا۔ مصر کو
فتح کرنے کے بعد میں پلٹوں گا اور کوہستانِ قپچاق کے اندر نہ فراتا تار قبائل کو رہنے
دوں گا اور نہ ہی برقائی خان کو۔"

ہلاکو خان کی اس گفتگو سے دوقوزہ خوش اور مطمئن ہوگئی تھی۔

چنانچہ اس دن اپنے لشکریوں کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے
بعد اگلے روز ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھا تھا۔

○○○○○

ہلاکو خان نے جب تک کوہستانِ قپچاق کے سامنے کھلے میدانوں میں ناکامی کے
بعد پڑاؤ کیے رکھا، اس وقت تک برقائی خان نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ فرا تاتار قبائ
کے قریب ہی اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

دوسری طرف منصور بن احمد بھی اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ بالکل چوکر
تھا۔ جس روز ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے جنوب کی طرف پیش قدمی کر گیا
اسی روز لوئی تاشی اور یانگ خان دونوں برقائی خان کے پاس آئے۔ برقائی خان اس
وقت اپنے خیمے کے باہر اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ ایک چٹان پر بیٹھا ہلاکو کے متعلق
ہی گفتگو کر رہا تھا کہ لوئی تاشی اور یانگ خان آئے۔ تب بڑے پُرتپاک انداز م
برقائی خان اور اس کے ساتھیوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔

برقائی خان کے بیٹھنے کے بعد سب بیٹھ گئے۔ تب گفتگو کا آغاز لوئی تاشی نے کیا
برقائی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خاقان! میں اور میرا ساتھی یانگ خان ایک انتہائی اہم کام کے سلسلہ میں آ
ہیں۔''

لوئی تاشی کے ان الفاظ پر برقائی خان چونکا تھا۔ ''کیا تم کسی کی شکایت، کس
نالش لے کر آئے ہو؟''

اس پر لوئی تاشی مسکرایا اور بولا۔

''خاقان! ہمارا امیر اور سردار، منصور بن احمد ہے۔ اگر مجھے کسی سے شکایت یا

ئی تو میں منصور بن احمد کے پاس جاتا۔ آپ کے پاس میں ایک انتہائی ضروری اور
م کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔''

لوئی تاشی کے ان الفاظ پر برقائی خان کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا، کہنے لگا۔

''اچھا کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

لوئی تاشی نے ایک گہری نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھے یانگ خان پر ڈالی، پھر برقائی
ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''خاقان! میں چاہتا ہوں آپ نے چونکہ ہمارے اندر ہی قیام کر رکھا ہے، لہٰذا
ری اور یانگ خان کی خواہش ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے امیر منصور بن احمد کی
ادی کا اہتمام کر دیا جائے۔''

منصور بن احمد کا نام سن کر برقائی خان نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''لوئی تاشی! تھوڑی دیر پہلے منصور بن احمد، اس کے دونوں ساتھی شرف الدین اور
ام الدین مجھ سے مل کر گئے ہیں۔ یہاں قیام کے دوران یہ ان کی پانچویں ملاقات
ہے اور ان کی گفتگو سے بھی میں بڑا متاثر ہوا ہوں۔ کم از کم منصور بن احمد جیسے سالار
ت کم ملتے ہیں۔ میں نے اس جنگ میں اس کی کارگزاری پر بڑی گہری نظر رکھی تھی۔
صور بن احمد ان جوانوں میں سے ہے، جو وقت کے دھندلکوں اور آوازوں میں تحلیل
کر جبر و ظلم کی زنجیریں کاٹ دیتے ہیں۔ منصور بن احمد اپنی ذات میں طلسم کا ایک
فانِ تند، عذاب و کرب ہے۔ وہ ہست کو نیست میں تبدیل کر دینے والے شرر کا
ت خیز رقص ہے۔ جنگ میں اس کی کارگزاری بھی خوب تھی۔ میں نے دیکھا، جس
رح بے روک اندھیاؤ، کچی مٹی کے ٹیلوں کو لمحوں کے اندر بے شکل کر دیتے ہیں، اسی
رح جنگ کے دوران منصور بن احمد، ہلاکو خان کے لشکریوں کے لئے دل و جان کی
حت چھیننے والے عذاب لمحوں کی صورت اختیار کر گیا تھا اور انہیں ریت پر لکھے حروف
ی طرح مٹا دینے والے درد کا کراہتا طوفان ثابت ہوا تھا۔ منصور بن احمد ایک ایسا
ان ہے جس سے لشکریوں کی تربیت کا خوب کام لیا جا سکتا ہے۔ تم دونوں نے جو اسے
ہاں کا امیر اور سپہ سالار بنایا ہے تو میں سمجھتا ہوں یہ تم دونوں کا انتہائی دانش مندانہ
ملہ تھا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ اس کی شادی کا اہتمام کہاں کیا جا رہا ہے؟''

لوئی تاشی نے اس موقع پر ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔

”خاقان! آپ کو یاد ہوگا کہ دو مرتبہ میں نے آپ کے سامنے ہلاکو خان کی بڑی دوقوزہ کی چھوٹی بہن سیمر اور آرمینیا کے بادشاہ حیشون کی بیٹی کیتھرائن کا ذکر کیا تھا۔“

برقائی مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

”ہاں کیا تھا۔“

لوئی تاشی پھر بولا اور کہنے لگا۔

”ان دونوں نے یہاں آکر اسلام قبول کر لیا تھا۔ سیمر اُس معرکہ میں ماری گئی جو آرمینیا کا بادشاہ ہم پر حملہ آور ہوا تھا۔ کیتھرائن رہ گئی۔ اسے لینے کے لئے کچھ لوگ بھی آئے لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ شروع سے ہی امیر منصور بن احمد کو چاہنے لگی تھی۔ شروع میں منصور بن احمد نے کیتھرائن سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی تلوار سے شادی کر رکھی ہے۔ دراصل بغداد کے حالات اور بغداد کی تباہی سے وہ بڑا متاثر اور بد دل ہوا تھا اور ہلاکو خان سے انتقام لینے کے سوا کوئی اور بات وہ کرتا ہی نہیں تھا۔“

برقائی مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

”میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ اچھا میرے ساتھ آؤ۔ منصور بن احمد اور اس کے سارے ساتھی سالاروں کو بھی یہاں بلا لو۔“

لوئی تاشی نے فوراً ایک جوان کو منصور بن احمد کی طرف روانہ کر دیا۔

برقائی خان لوئی تاشی اور یانگ خان کے ساتھ خیمے میں داخل ہوا۔ برقائی کے ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ منصور بن احمد، حسام الدین، شرف الدین اور دوسرے سالار بھی وہاں پہنچ گئے۔ فراتا تار قبائل کے سرکردہ لوگوں کو بھی بلا لیا گیا۔ منصور بن احمد جب وہاں آیا تو برقائی خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ باقی لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ برقائی خان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھایا، پھر اپنا منہ منصور بن احمد کے کان کے قریب لے گیا اور بولا۔

”منصور! میرے عزیز بھائی! خوش قسمت ہو کہ آرمینیا کے بادشاہ حیشون کی بیٹی کیتھرائن تمہیں اپنے دل کی گہرائیوں سے پسند کرتی ہے۔ تم دونوں کی پوری داستان

لوئی تاشی ادھر آتے ہوئے تفصیل کے ساتھ مجھے بتا چکا ہے۔ کیتھرائن نام کی وہ لڑکی جس نے یہاں آنے کے بعد اسلام قبول کیا اور تمہیں چاہنے لگی، تمہیں زندگی بھر خوش آسودہ رکھے گی۔ دیکھو میرے بھائی! میں جانتا ہوں، بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں کی تباہی نے تمہیں بڑا متاثر کیا۔ لیکن اپنا گھر بھی آباد کرنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں تم ہلاکو خان سے مسلمانوں کی تباہی کا انتقام لینے کے درپے ہو اور ایسا دن خداوند قدوس نے چاہا تو ضرور آئے گا۔ لیکن اس وقت تمہاری اور کیتھرائن کی شادی کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور امید ہے، تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

اس پر منصور بن احمد مسکرا دیا کہنے لگا۔

”خاقان! آپ یہ فیصلہ کر رہے ہیں تو میں کیسے اعتراض کر سکتا ہوں؟“

منصور بن احمد کے ان الفاظ پر برقائی خان خوش ہو گیا تھا۔ باقی لوگ بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

اس کے بعد سارے لوگوں کی موجودگی میں منصور بن احمد کے نکاح کا اہتمام کر دیا گیا۔ اس وقت فراتا تار قبائل کے اندر خوشیوں کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جس جس بستی، جس جس گھر اور حویلی میں یہ خبر پہنچی، سب لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ سب کا کھانا لوئی تاشی کے ہاں تھا اور کھانے اور مغرب کی نماز کے بعد کیتھرائن، لوئی تاشی کی حویلی سے منصور بن احمد کی حویلی میں منتقل ہو گئی تھی۔

○○○○○

شادی کے چند روز بعد منصور بن احمد، ظہر کی نماز کے بعد اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا۔ اس وقت کیتھرائن صحن میں رسی پر جو اس نے اپنے اور منصور بن احمد کے کپڑے دھو کر لٹکائے تھے اور خشک ہو گئے تھے، اُتار رہی تھی۔ اب وہ منصور بن احمد کی مزاج شناس بن چکی تھی۔ منصور بن احمد کو اس طرح آتے دیکھ کر سارے کپڑے جلدی جلدی اتار کر اس کے پیچھے ہو لی۔ میاں بیوی سامنے والے کمرے میں داخل ہوئے۔ کیتھرائن نے کپڑے ایک طرف رکھ دیئے، پھر منصور بن احمد کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس کے شانے پر سر رکھا، پھر چاہت بھری آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں دیکھتی ہوں آپ کچھ پریشان اور بکھرے بکھرے ہیں۔ اور میں یہ بھی کہہ سکتی

ہوں کہ میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں آپ کے مزاج کو سمجھتی ہوں۔"

کیتھرائن کے یہ الفاظ سن کر ہلکا سا تبسم منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا
کہنے لگا۔

"میں دو دن تک یہاں سے کوچ کرنے والا ہوں۔ حسبِ سابق شرف ا
کردی اور حسام الدین جوکندار میرے ساتھ ہوں گے۔ اس سلسلے میں لوئی
علاوہ برقائی خان کے ساتھ بھی تفصیل کے ساتھ میری گفتگو ہو چکی ہے۔ اس ل
برقائی خان کے مخبروں نے اسے ہلاکو خان کے جنوب کی طرف پیش قدمی کی اطلا
دی تھی۔ اسی بنا پر برقائی خان اپنے چند دستوں کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اس کے
میری تفصیل سے گفتگو ہوئی تھی۔

جو خبریں برقائی خان کو اس کے مخبروں کے ذریعے ملی ہیں، وہ یہ ہیں کہ ا
ہاتھوں پسپائی پانے کے بعد ہلاکو خان، حلب شہر کا رخ کرے گا۔ اس کا ارادہ
حلب کو فتح کرنے کے بعد دمشق پر حملہ آور ہو اور دمشق کو فتح کرنے کے بعد
شہروں اور دیگر علاقوں پر حملہ آور ہو کر انہیں اپنی عملداری میں شامل کرنا شروع کر
ساتھ ہی یہ خبریں بھی برقائی خان کے پاس پہنچی ہیں کہ ہلاکو خان نے مراغہ شہر
دارالحکومت مقرر کیا ہے اور اپنی ساری عسکری طاقت اور قوت کا مرکز اسے بنایا
وہاں اپنا سارا ساز و سامان جمع کرنے کے ساتھ ساتھ وہیں سے اب وہ لشکریوں کو
سمتوں میں بھی روانہ کیا کرے گا۔ لیکن سب سے پہلے اس کا ہدف مصر ہے
دمشق اور حمص جیسے بڑے شہروں کو زیر کرنے کے بعد وہ جنوب کا رخ کرے گا۔

کیتھرائن! تم جانتی ہو، ہمارے پاس اتنا بڑا لشکر تو نہیں ہے کہ ہم خود میدا
ہلاکو خان کا مقابلہ کریں۔ برقائی خان کے پاس بھی اتنی طاقت نہیں ہے کہ
کوہستانی سلسلوں سے نکل کر ہلاکو خان سے ٹکرائے۔ اس لئے کہ ہلاکو خان
منگولوں کے خاقان اور اپنے بھائی منگو خان کی طرف سے منگولوں کے مرکزی شہر
سے کمک مل رہی ہے۔ جس کی بنا پر اس کے لشکر میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا جا
ان حالات میں ہم نے اس کے ساتھ ایک کھیل کھیلنا ہے۔ کبھی اس پر شب خون
گے، کبھی غفلت کی حالت میں اس پر حملہ آور ہو کر اس کو نقصان پہنچائیں گے۔

ہے میرے، شرف الدین اور حسام الدین کے جنوب کی طرف جانے کا اصل مقصد یہی
ہے کہ ہمارے ہاں سے کوچ کرنے کے بعد ہلاکو خان مسلمانوں کے جن شہروں کو فتح
کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، ان شہروں میں اُسے اُلجھا کے رکھا جائے اور جنوب کی طرف
نہ بڑھنے دیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کا مزید نقصان نہ ہو۔ اس لئے کہ مصر کے حکمران،
منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ابھی اپنی تیاری کے مراحل میں ہیں۔ اس میں کوئی
شک نہیں کہ اس سے پہلے انہوں نے فرانس کے بادشاہ کو بدترین شکست دی اور اسے
گرفتار کر لیا۔ لیکن ہلاکو خان کے لشکر کے مقابلہ میں فرانس کے بادشاہ لوئی کے لشکر کی
کوئی حیثیت نہ تھی۔ ہلاکو خان کے پاس ٹڈی دل جیسا لشکر ہے۔ اگر ایسا ہی لشکر کسی بھی
مسلمان حکمران کے پاس ہوتا تو یقیناً وہ ہلاکو خان سے بھی بہتر فتوحات کا سلسلہ قائم کر
سکتا تھا۔"

اتنا کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پیار بھری ایک نگاہ اس نے اپنے پہلو میں بیٹھی
کیتھرائن پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

"کیتھرائن! میرے بعد پریشان اور فکرمند نہ ہونا۔"

کیتھرائن گو اُداس اور افسردہ ہو چکی تھی، لیکن فوراً اس نے اپنے چہرے پر خوشگوار
تبسم پھیر لیا، پھر کہنے لگی۔

"میں نے اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا رکھی ہے، میں ایک مجاہد کی بیوی ہوں اور ہم
دونوں میاں بیوی اس وقت جہاد کی حالت میں ہیں۔ اس لئے کہ آپ عملی طور پر دشمن
کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ میں چونکہ آپ کی بیوی ہوں، آپ کی خدمت کرتی
ہوں لہٰذا آپ کی خدمت کے حوالے سے میں بھی اس جہاد میں شامل ہوں۔ آپ
بے فکر رہئے، میں پریشانی کا اظہار نہیں کروں گی۔ میں یہ تو مانتی ہوں کہ آپ کی جدائی
یقیناً میرے لئے شاق ہے لیکن جس مقصد کے لئے ہم دونوں میاں بیوی جدا ہوتے
ہیں، وہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔"

کیتھرائن کی اس گفتگو سے منصور بن احمد خوش ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

"کیتھرائن! تمہارے پاس نقدی بہت ہے۔ گھر میں سامان بھی کافی ہے۔"

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی طرف میٹھی

میٹھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کیتھرائن بول اٹھی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے بعد میں دو کاموں میں سے ایک کام کروں گی۔ اوّل یہ کہ گھر میں جتنا کھانے پینے کا سامان ہے، وہ میں لوئی تاشی کی حویلی میں منتقل کر دوں اور خود بھی وہاں رہ لوں۔ اور اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر میں اپنے گھر میں ہی رہوں گی، تنکیر اور بلذون دونوں بہن بھائی کو یہاں رکھ لیتی ہوں۔ اس طرح ان کی موجودگی میں میرا دل بھی لگا رہے گا اور ہمارا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔"

کیتھرائن کے خاموش ہونے پر منصور بولا اور کہنے لگا۔

"کیتھرائن! یہ سارا معاملہ تمہاری مرضی اور تمہاری آسانی پر مشتمل ہے۔ اگر تم لوئی تاشی کے ہاں رہنا چاہو اور اپنا سامان بھی وہاں منتقل کرنا چاہو تو میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ اور اگر تم اپنے ہی گھر میں رہنا چاہو اور اپنے ساتھ تنکیر اور بلذون کو رکھنا چاہو تو یہ بھی اچھا ہے۔ اگر تم کہو تو میں اس سلسلہ میں لوئی تاشی سے کہہ دوں گا۔ جو فیصلہ تم کرو گی، اس پر عمل کیا جائے گا۔"

منصور بن احمد کے ان الفاظ سے کیتھرائن خوش ہو گئی تھی پھر کہنے لگی۔

"میری اوّل خواہش یہی ہو گی کہ میں اپنے گھر میں رہوں۔ تنکیر اور بلذون کو اپنے پاس رکھ لوں۔"

اس پر منصور بن احمد کہنے لگا۔

"اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو پھر فکرمند نہ ہو۔ میں آج ہی اس سلسلہ میں لوئی تاشی سے بات کر لیتا ہوں۔ وہ تنکیر اور بلذون دونوں کو تمہارے پاس بھیج دے گا۔ جب میں شرف الدین کردی اور حسام الدین دو دن بعد یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

اس موقع پر کیتھرائن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، کہنے لگی۔

"آپ بیٹھیں۔ میں کھانا تیار کرتی ہوں۔ پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔"

منصور بن احمد نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا کیتھرائن اس کے پہلو سے اٹھ کر مطبخ کی طرف چلی گئی تھی۔

○○○○○

دو دن بعد منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار ایک لشکر لے

...ب کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

...ح سے لے کر شام تک وہ سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنی روانگی سے پہلے ... خان اور منصور بن احمد نے اس مہم کے لئے جو اپنے آگے مخبر بھیجے تھے، ان میں ... کچھ منصور بن احمد کے پاس آئے اور ان کی آمد پر منصور بن احمد، شرف الدین کردی ... حسام الدین جوکندار جو اپنے لشکر کے آگے آگے تھے، انہوں نے لشکر کو روک دیا۔ پھر ... نے والے مخبروں کو مخاطب کر کے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"میرے بھائیو! کیا تم کوئی کام کی خبر لے کر آئے ہو؟"

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"امیر! بہت اچھی بلکہ آپ کہہ سکتے ہیں بہت زیادہ کام کی خبر لے کر آئے ہیں۔ ... آپ جانتے ہیں کہ چند ماہ پہلے ہلاکو خان نے البیرہ شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ شہر کے ... اس نے اپنا ایک لشکر رکھا تھا اور اپنے ایک چھوٹے سالار کو البیرہ شہر پر حاکم مقرر کیا ... یہ منگول حاکم ہی نہیں، منگول لشکری بھی شہر کے اندر من مانی کرتے ہیں۔ کسی کی ... محفوظ نہیں، کسی کی جان، کسی کا مال تک محفوظ نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر آپ ... کام کی بسم اللہ البیرہ شہر سے کریں تو ہمارا خیال ہے، خداوند قدوس نے چاہا تو ... یابی ہمارے لئے در کھولے گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد گہری سوچوں ... کھو گیا تھا۔ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی غور سے اس کی طرف ... جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اسی مخبر نے بولتے ہوئے منصور بن احمد کو چونکا دیا، ... کہنے لگا۔

"امیر! البیرہ شہر میں منگولوں کا لشکر ہے، اس پر حملہ آور ہونے اور اپنی کامیابی کا در ... کے لئے ایک بہترین موقع بھی ہے۔"

... کے ان الفاظ پر منصور بن احمد چونکا تھا، کہنے لگا۔

"کیسا سنہری موقع؟"

... پھر بولا اور کہہ رہا تھا۔

"امیر! بات یہ ہے کہ البیرہ میں جو منگولوں کا حاکم ہے، اس کے کہنے پر ہفتہ میں

ایک دفعہ منگول البیرہ شہر سے باہر کارروائی کرتے ہیں۔ دراصل البیرہ کے منگول حاکم
نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھتا ہے اور دوسرے
حصہ کو ہر ہفتہ البیرہ شہر سے نکالتا ہے تا کہ وہ دور اور نزدیک مسلمانوں کی بستیوں پر حملہ
آور ہو کر اپنے لئے ضروریات کا سامان اور دوسری چیزیں حاصل کریں۔ اب پرسوں ان
کا ارادہ یہی لوٹ مار کرنے کا ہے اور اگر آپ......“

یہاں تک مخبر کہنے پایا تھا کہ منصور بن احمد بول اٹھا اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے
ہوئے کہنے لگا۔

”جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو، میں سمجھ گیا ہوں۔ تم میں سے آدھے اپنے کام کے لئے
پھیل جاؤ اور باقی آدھے البیرہ کی طرف ہماری رہنمائی کریں گے۔“

اس کے بعد منصور بن احمد نے پھر البیرہ شہر کی طرف بڑی تیزی اور برق رفتاری
سے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

البیرہ شہر سے لگ بھگ دس میل کے فاصلے پر منصور بن احمد نے اپنے لشکر کو روک
دیا اور اپنے مخبروں کو اپنے آگے بھیج دیا تا کہ وہ منگولوں سے متعلق تازہ ترین خبریں لا
کر آئیں۔ جب منگولوں کا آدھا لشکر شہر سے باہر نکلے، تب وہ اس کی اطلاع کریں۔
ساتھ ہی اس نے اپنے مخبروں کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ جب وہ شہر سے باہر نکلنے والے
منگول لشکر پر حملہ آور ہو تو وہ البیرہ شہر کے اندر جگہ جگہ یہ خبریں پھیلا دیں کہ جو منگول
البیرہ شہر کی نواحی بستیوں میں رسد کا سامان اکٹھا کرنے گئے تھے، ان پر مسلمانوں کے
ایک چھوٹے سے لشکر نے حملہ کر دیا ہے۔ یہ خبر جب البیرہ میں منگولوں کے حاکم کو ملے
گی تو یقیناً لشکر کا وہ حصہ جو اس نے شہر میں رکھا ہوگا، وہ بھی لے کر وہ نکلے گا اور اپنے
لشکر کے دوسرے حصے کو ہمارے ہاتھوں بچانے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ ایسا کرے
گا تو وقت کی آنکھ دیکھے گی کہ ہم منگولوں کا کیا حشر نشر کرتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی مخبر وہاں سے ہٹ گئے۔ جبکہ ایک مناسب جگہ منصور بن احمد نے
اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔ جب لشکر نے پڑاؤ قائم کر لیا، تب منصور بن احمد نے
شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ دونوں اس کے
پاس پہنچ گئے، تب تینوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد منصور بن احمد نے باری باری

ان دونوں ساتھیوں پر نگاہ ڈالی۔ پھر بڑی راز داری سے دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! جس مہم کی ہم ابتدا کرنے لگے ہیں، اگر اس میں ہم نے
کامیابی حاصل کی تو البیرہ شہر کو ہم منگولوں سے پاک صاف کر دیں گے اور مقامی لوگوں
میں سے کسی کو حاکم مقرر کر کے اپنی دوسری منزل پر نکل جائیں گے۔ طریقہ کار یہ ہوگا
میرا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارے پاس بڑا لشکر نہیں ہے۔ جس قدر
لشکر ہے، اس سے کام لینا ہے۔ ایک حصہ میرے پاس رہے گا، دوسرا حصہ تم دونوں بھائیوں
کے پاس ہوگا۔ ساتھ تم سے یہ بھی کہہ دوں کہ البیرہ کی اس مہم کو سر کرنے کے بعد ہم
نواحی مسلمان جنگجوؤں کو اپنے لشکر میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے رہیں گے اور جن
بستیوں میں منگولوں نے مظالم کئے ہیں، یقیناً وہاں کے لوگ ان کے خلاف اُٹھ کھڑے
ہوں گے اور ہمارا ساتھ دیں گے۔

اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا ہمارے لشکر کی تعداد بھی کافی ہو
جائے گی۔ اب موجودہ مہم سے نمٹنے کے لئے طریقہ کار یہ ہوگا، جب مخبر ہمیں اطلاع
دیں گے کہ منگولوں کا لشکر جو ان کا آدھا لشکر ہوگا، البیرہ شہر سے نکل کر نواحی مسلمان
بستیوں کی طرف جائے گا، تب میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اس کا رخ کروں گا اور
ان پر حملہ آور ہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اس لشکر کی بساط جلد سمیٹنے میں کامیاب ہو
جاؤں گا۔ اتنی دیر تک ہمارے مخبر البیرہ شہر میں یہ خبریں پھیلا دیں گے کہ منگولوں کا جو
لشکر البیرہ شہر سے نکل کر نواحی بستیوں کی طرف رسد اور ضرورت کا سامان حاصل کرنے
کے لئے گیا ہے، اس پر مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے لشکر نے حملہ کر دیا ہے۔

یہ خبریں سن کر یقیناً البیرہ کا منگول حاکم پریشان ہوگا اور لشکر کا جو حصہ اس کے پاس
ہوگا، اسے لے کر اپنے لشکر کے دوسرے حصہ کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت
تمہارا کام یہ ہوگا کہ البیرہ شہر کے مغرب میں گھات میں رہو اور البیرہ شہر تم لوگوں
نے بھی دیکھا ہوا ہے، میں نے بھی۔ مغرب میں کئی پھٹی زمینیں ہیں، جہاں گھات لگائی
جا سکتی ہے اور وہیں تم دونوں اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ رہو گے۔ جب البیرہ کا منگول
حاکم شہر کی طرف سے نکل کر میرا رخ کرے گا تو تم دونوں بھی اپنے لشکر کو لے کر اس

کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جانا۔ منگولوں کے حاکم کے پہنچنے تک مجھے امید ہے کہ میں
کے پہلے حصہ کا کام تمام کر چکا ہوں گا۔ اس کے بعد میں منگولوں کے اس حصے
ٹکراؤں گا جس کی کمانداری خود منگول سردار اور البیرہ کا حاکم کر رہا ہوگا۔ اتنی دیر
پشت کی طرف سے تم بھی پہنچ جاؤ گے۔ جب ہم منگولوں پر دو طرفہ حملہ کریں گے تو
اُمید ہے ان میں سے بہت کو اپنی جانیں بچانا مشکل ہو گا۔ ساتھ ہی اس موقع پر میں
بھی کہوں کہ جب تم دیکھو کہ منگول کٹ رہے ہیں، چاروں طرف ان کی لاشیں بکھری
ہیں اور البیرہ کا منگول حاکم شکست اٹھا کر بھاگنا چاہتا ہے تو پھر اسے بھاگنے دینا
اس کی آسانی کے لئے راستہ دے دینا۔ جب وہ بھاگے گا تو اس کے پیچھے پیچھے ہم
روانہ ہو جائیں گے۔ اور جب وہ شہر میں داخل ہو گا کہ محصور ہو کر مقابلہ کرے تو اس
پیچھے پیچھے ہم بھی شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ نہ صرف حاکم اور اس کے لشکریوں کا
خاتمہ کر دیں گے بلکہ البیرہ شہر کے اندر اگر منگولوں کا کوئی اور حفاظتی لشکر بھی ہوا یا
دستے ہوئے تو ان کا بھی کام تمام کر کے البیرہ پر مقامی سرکردہ لوگوں میں سے کسی
وہاں کا حاکم مقرر کر کے ہم اپنی دوسری منزل کا رخ کر جائیں گے۔"

شرف الدین کردی اور حسام الدین نے جب منصور بن احمد کی اس تجویز
منصوبہ بندی سے اتفاق کیا، تب تینوں اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ لشکریوں کے کھانے کا
اہتمام کیا جا سکے۔

○○○○○

منگولوں کا ایک لشکر البیرہ شہر سے نکلا تاکہ شہر کے گرد و نواح میں جو چھوٹی بڑی بستیاں ہیں ان پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے رسد اور دیگر ضروریات کا سامان حاصل کرے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ ایک طوفان ان کی گھات میں ہے۔

چنانچہ منگولوں کا وہ لشکر جب مسلمانوں کے بڑے قصبے کے قریب ہی تھا کہ ایک طرف سے دھواں دھواں گھٹاؤں اور برستے بادلوں سے اُٹھتی گھن گرج کی طرح ہولناک صداؤں میں تکبیریں بلند ہوئی تھیں۔ اس پر منگول سمجھ گئے اور جان گئے تھے کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر ان کے درپے ہے۔ لہٰذا وہ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اتنی دیر تک منصور بن احمد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تکبیریں بلند کرتا ہوا نمودار ہوا، پھر وہ منگولوں پر زیست کی خود فریبی کے اوہام میں درد و فرقت کے پیوند لگاتے دکھ کے خونی بگولوں، پاؤں سے لپٹ جانے والے اندیشوں کے سیل بے اماں، مرگ کے جوش مارتے بھنور، حوصلوں کے نئے شباب، ولولوں کے انوکھے باب کھولتے اعصابی عذاب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف منگول بھی منصور بن احمد کے لشکر پر موت کے فرغل پہناتے، نفرتوں کے اُمڈتے سیلاب، چہرے سے زندگی کا نقاب اتار کر پھینکنے والے بحر کے طوفانوں کی سی موت، خوابوں کی تعبیر بدل دینے والے خود سر ستم پرور جذبوں اور زندگی کی رگ رگ سے خون چوستے مرکب جہل کے فتور کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اسی دوران منصور بن احمد کے مخبروں نے البیرہ شہر کے اندر اور باہر یہ خبریں پھیلا

دی تھیں کہ منگولوں کا جو لشکر رسد کا سامان جمع کرنے کے لئے گیا ہے، اس پر مسلمانوں کا
ایک لشکر حملہ آور ہو گیا ہے۔

یہ خبر البیرہ شہر میں پھیل گئی۔ البیرہ شہر میں منگولوں کا جو حاکم اور سربراہ تھا، وہ
ایک دم حرکت میں آیا، البیرہ شہر میں جو اس کے پاس لشکر تھا، اسے لے کر وہ نکلا، تیزی
اور برق رفتاری کے ساتھ اس سمت بڑھا جہاں منصور بن احمد منگولوں کے لشکر پر حملہ آور
ہوا تھا۔

منگولوں کا جو سالار نیا لشکر لے کر البیرہ سے نکلا تھا تاکہ اپنے لشکر کی مدد کرے، وہ
ابھی پہلے لشکر کے قریب ہی پہنچا تھا اور ابھی تک اسے منصور بن احمد پر ضرب لگانے کا
موقع نہیں ملا تھا کہ پشت کی جانب سے آفت جاں، زندگی کے حصار توڑتے اندھیاؤ
اور آگ اُگلتی ہولناک ابتلاؤں کی طرف شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار
اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے اور پھر وہ نئے آنے والے منگولوں کے لشکر پر
اجل کی تختیوں پر محرومیوں کی داستانیں رقم کرتے کڑے قوسوں کے اندیشوں، دشت د
دمن میں موت کا جبر پھیلاتے نا اُمیدیوں کے خونی لمحوں، غم کی عقوبت گاہوں میں
آنسوؤں کے صحیفے لکھتے خوف ناک لمحوں کے ابال کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

منصور بن احمد نے پہلے ہی حملہ آور ہو کر منگولوں کے پہلے لشکر کی اکثریت کو موت
کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جس وقت البیرہ میں منگولوں کا سالار اور حاکم لشکر لے کر آیا، تب
وہ منگول جو اس سے پہلے منصور بن احمد سے ٹکرا رہے تھے، پھر انہیں منصور بن احمد کے
مقابلہ میں شکست دکھائی دے رہی تھی، وہ بڑے خوش ہوئے تھے۔ لیکن جب پشت کی
جانب سے شرف الدین کردی اور حسام الدین نے خوف ناک انداز میں حملہ آور ہوتے
ہوئے نئے آنے والے منگولوں کے لشکر کو اپنے ساتھ مصروف کر لیا تھا، تب منگولوں کا وہ
لشکر جو منصور بن احمد سے ٹکرا رہا تھا، بڑا پریشان ہوا۔ ان کی اس پریشانی سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے منصور بن احمد نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی جس کے نتیجے میں
وہ لشکر منصور بن احمد کے سامنے سے ہٹ کر اپنے نئے آنے والے لشکر کی طرف آ گیا
جس کی کمانداری البیرہ کا حاکم کر رہا تھا۔

اس کا فائدہ مسلمانوں کو ہوا، اس لئے جب منگولوں کے دونوں لشکر اکٹھے ہوئے

تب ایک طرف سے شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار پہلے ہی ان پر ضرب لگا
رہے تھے، تب دوسری سمت سے زوردار خونی انداز میں منصور بن احمد نے بڑے خوفناک
طریقے سے حملے شروع کر دیئے تھے۔

اس دو طرفہ حملہ کے باعث میدانِ جنگ میں دکھوں کے آسیب، بے بسی کی
سلوٹیں، دکھ کے بے انت سراب، ذلت کے فسوں اپنے رنگ جمانے لگے تھے۔ رزم گاہ
میں ارادوں کو ستم آلود، خواہشوں کو بریدہ، دلوں کے گلستانوں کو ویران اور روحوں پر
درماندگی طاری کرتی زرد ہزیمتیں، اُداسی کے فسوں اور مایوسی کے سیم وتھور ناچ اٹھے تھے۔

اس دو طرفہ حملہ کو منگول زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے۔ اتنی دیر تک ان کی بدقسمتی کہ
منصور بن احمد ان پر تیز حملے کرتے ہوئے ان کے اندر جا گھسا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے
نرم زمین میں لوہے کی سلاخ گھس جاتی ہے۔ اور آخر اپنے خاص دستوں کے ساتھ وہ
منگولوں کے لشکر کے وسطی حصہ تک پہنچا اور وہاں جو منگولوں کا سالار، البیرہ کا حاکم اپنے
لشکر کو للکار للکار کر ان کا حوصلہ بڑھا رہا تھا، منصور بن احمد اس پر حملہ آور ہوا۔ اپنے
دوسرے ہی وار میں اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

اپنے سالار اور اپنے حاکم کے مارے جانے کے بعد منگولوں کی حالت میدانِ
جنگ میں دکھوں کے شگوفوں، درد کی دھند، ریزہ ریزہ ملبوس، چیخ کر ٹوٹ جانے والی
شاخوں کو اُجاڑ، پتھریلے راستوں، بے حصول کاوشوں سے بھی ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔
لہٰذا زیادہ دیر تک وہ اس دباؤ اور مسلمان لشکریوں کے حملہ کی شدت برداشت نہ کر سکے
اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے چونکہ سارا معاملہ
پہلے سے طے کر رکھا تھا۔ لہٰذا جوں ہی منگول شکست اٹھا کر بھاگے، وہ بھی یکجا ہو کر بڑی
تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ ان کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

منگولوں کی بدقسمتی کہ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو ان کے پیچھے پیچھے ہی منصور
بن احمد اپنے پورے لشکر کے ساتھ داخل ہو گیا۔ ایک بار پھر منگولوں کا قتل عام شروع
ہوا اور اس طرح البیرہ شہر میں منگولوں کا خاتمہ کر کے ایک طرح سے ان کا صفایا کر دیا
گیا تھا۔

جب شہر کو منگولوں سے صاف کر دیا گیا، تب شہر کے لوگوں کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر منگولوں پر حملہ آور ہوا تھا اور لشکر کی کمانداری بغداد کا سابق نائب سپہ سالار کر رہا تھا۔ وہ بڑی عقیدت اور ارادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے منصور بن احمد کے اردگرد جمع ہو گئے اور مصافحہ کرنے کے بعد اس کا شکریہ بھی ادا کرنے لگے تھے۔ چنانچہ منصور بن احمد نے صرف چند روز البیرہ شہر میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران اس نے شہر کا نظم ونسق درست کیا اور اور البیرہ کے سرکردہ لوگوں میں سے ایک کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے وہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے نکل گیا تھا۔

مؤرخین وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ البیرہ شہر ہلاکو خان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا جس کا اسے بڑا دکھ اور صدمہ تھا۔ لہٰذا اس شہر کو حاصل کرنے کے لئے اسے دوبارہ اس شہر کی طرف توجہ دینا پڑی تھی۔

البیرہ میں منگولوں کا خاتمہ کرنے کے بعد منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی اپنے لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ حلب شہر کی طرف بڑھے تھے۔ اس لئے کہ برقائی خان کے اپنے مخبر یہ اطلاع دے چکے تھے کہ ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ کچھ جنوب کی طرف گیا ہے۔ تاہم اس نے دو بڑے لشکر ترتیب دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک البیرہ پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا ہے کیونکہ البیرہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور دوسرا لشکر اس نے حلب شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا ہے۔

انہی اطلاعات کو سامنے رکھتے ہوئے منصور بن احمد نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ حلب شہر کا رخ کیا تھا۔ منصور بن احمد کے حلب شہر پہنچنے سے پہلے ہی پہلے منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر حلب پہنچ چکا تھا۔ حلب شہر کا حاکم ان دنوں ایک شخص سعید بن لولو تھا۔ اس کے پاس کافی بڑا لشکر تھا لیکن سعید بن لولو کی بدقسمتی کہ وہ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بلند نہ رکھ سکا تھا۔ چنانچہ لشکر لے کر نکلا، شہر کے نواح میں بقول مؤرخین منگولوں سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس جنگ میں منگولوں کے مقابلے میں سعید بن لولو کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی بنا پر سعید بن لولو اپنے لشکر کے ساتھ حلب شہر میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے لگا تھا۔ منگولوں کے حملے کو روکنے لگا تھا۔

لب شہر، عالم اسلام کا بڑا اہم اور نامور شہر تھا۔ مقدسی جیسا مؤرخ لکھتا ہے، حلب
ت اچھا اور پُرلطف شہر ہے۔ اس کے باشندے مہذب، دولت مند اور عقل سلیم سے
ف ہیں۔ شہر خوب آباد ہے۔ اس کی میدانی زمینوں میں سنگین عمارتیں نمایاں طور پر
رہی ہیں۔ اس میں نہایت مستحکم اور مضبوط قلعہ موجود ہے جس میں پانی کا بہترین انتظام
گیا ہے۔ خزانہ شاہی بھی اسی قلعہ کے اندر رہتا ہے۔ بڑی مسجدیں شہر کے اندر واقع
اور اہل شہر دریا کا پانی پیتے ہیں۔ عموماً صاف اور شفاف رہتا ہے۔

مقدسی مزید لکھتا ہے کہ شہر کے سات دروازے ہیں۔ باب حمص، باب الرقہ، باب
رین، باب الیہود، باب العراق، باب دار البطیخ، باب انطاکیہ اور باب اربعین۔

مشہور مؤرخ اور سیاح ناصر خسرو، حلب شہر کے متعلق لکھتا ہے۔

"حلب خوش نما شہر ہے۔ اس کی فصیلیں بڑی بڑی ہیں جن کی بلندی لگ بھگ
ن فٹ ہے۔ اس کا مستحکم قلعہ کلیتاً چٹان کے اوپر بنا ہوا ہے جس کی وسعت بقول
خسرو، بلخ شہر کے قلعہ سے کم نہ ہوگی۔"

وہ لکھتا ہے کہ حلب کے سب مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اسی شہر
ہو کر تجارتی مال شام اور ایشیائے کوچک، دیار بکر، مصر اور عراق کے درمیان آتا جاتا
۔ درآمد برآمد پر محصول وصول کیا جاتا ہے۔

مؤرخ ادریسی، حلب شہر کے متعلق لکھتا ہے کہ حلب اپنے صوبہ کا صدر مقام ہے۔
ے بڑا خوب آباد شہر ہے۔ عراق، فارس اور خراسان کے راستے پر واقع ہے۔ اس کی
یں سنگ سفید کی ہیں اور قویلق نام کا دریا قریب ہی بہتا ہے مگر اس میں پانی کم ہوتا
۔ اسی سے زمین دوز نالیوں کے ذریعے شہر میں پانی پہنچایا جاتا ہے جو منڈی، گلی
ں اور مکانوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ لوگ اسی کو پیتے ہیں اور دوسرے کاموں
استعمال کرتے ہیں۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ حلب کے قلعہ میں عمدہ پانی کا ایک چشمہ
ہے۔

مشہور سیاح ابن جبیر بھی حلب گیا۔ اس نے اپنے سفر نامہ میں جو کیفیت حلب شہر
بیان کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

"اس شہر میں بزرگوں کے آثارِ باقیہ بہت ہیں اور یہاں کا مضبوط قلعہ مشہور ہے۔

یہ کبھی خاندانِ حمدانیوں کا شہر تھا جن کا دور ختم ہو چکا ہے۔"

پھر لکھتا ہے کہ شہر کے قلعہ کے اندر چشمہ ہے جس میں با افراط پانی آتا ہے جو حوضوں میں جمع ہوتا ہے جنہیں اسی غرض سے بنایا گیا ہے۔ ان حوضوں کے گرد دیوار ہے۔ شہر کے رخ قلعہ سے باہر گہری خندق کھودی گئی ہے جس سے زائد پانی جاتا ہے۔

قلعہ کی دیواریں بلند ہیں اور ان میں برج بنے ہوئے ہیں۔ سلطان کی قیام گاہ قلعہ ہے۔ شہر میں وسیع اور خوش نما منڈیا ہیں۔ ان پر چوبی چھتیں پڑی ہیں۔ سایہ کوچے جن میں قطار در قطار دکانیں بنی ہوئی ہیں، جامع مسجد کے ہر دروازے کے آگے دُور تک چلی گئی ہیں۔ اور خود جامع مسجد قابل دید ہے اور اس کا صحن کمال حُسن سے سنگ بستہ ہے۔ اس مسجد میں پچاس سے زیادہ در ہیں۔ صحن میں دو کنوئیں ہیں۔

حلب کا چوبی کام مشہور ہے۔ مسجد کی محراب پر قبلہ سے چھت تک آبنوس کے ٹکڑے جوڑ کر نقش بنائے گئے ہیں۔ ان سے محراب کی خوب صورتی دوبالا ہوگئی ہے۔ اسی طرح منبر کی خوشنمائی دیکھنے کے قابل ہے۔ مسجد کی مغربی سمت میں ایک مدرسہ اور اس کے ساتھ بہت اچھا باغ بنا ہوا ہے۔ اس کے مثل شہر میں اور بھی چار پانچ مدرسے اور ایک مارستان (شفاخانہ) ہے۔ شہر کے باہر مضافات میں بہت سے باغ اور سرائیں ہیں ایک چھوٹا سا دریا شہر کے سامنے جنوب کی طرف بہتا ہے جسے قویق کہتے ہیں۔

مؤرخ یاقوت اس شہر کے بارے میں لکھتا ہے کہ حلب دار الخلافہ ہے۔ اس کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ اس نام حلب کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں قیام کے زمانے میں حلب کے مقام پر اپنی گائے بکریوں کا دودھ کرتے تھے۔

ایک اور روایت ہے کہ بنی عمالقہ کی تین بیٹیوں کے نام حلب، حمص اور برزعہ ہر ایک نے اپنے اپنے نام پر ایک شہر بسایا۔

یہی یاقوت مزید لکھتا ہے کہ حلب کے قلعہ میں مقامِ ابراہیم خلیل اللہ ہے ایک صندوق کے اندر یحییٰ بن ذکریا علیہ السلام کے موئے ریش محفوظ ہیں جو بمطابق 1044ء میں ملے تھے۔

قلعہ کے جنوب میں شہر کا واحد قبرستان ہے۔ اس کے قریب وہ جگہ ہے جسے مقام ابراہیم خلیل اللہ کہتے ہیں اور مسلمان، یہودی اور نصاریٰ سب اس مقام کی یکساں عقیدت مندی کے ساتھ زیارت کو آتے ہیں۔ چونکہ مشہور ہے کہ اس کے نیچے کسی پیغمبر کی قبر ہے۔ حق یہ ہے کہ حلب ایک نہایت عمدہ شہر ہے۔ زراعت کے لئے سب دیہات کی زمینوں سے بہتر ہے۔ یہاں کپاس، تربوز، ککڑی، باجرہ، جوار، انگور، خوبانی، انجیر، جو اور سیب کی کاشت ہوتی ہے اور زمینوں کی آب پاشی کے لئے زیادہ تر بارش پر انحصار کیا جاتا ہے۔

یہی مؤرخ مزید لکھتا ہے کہ حلب کا قلعہ دیکھ کر آدمی عش عش کرنے لگتا ہے۔ یہ حسن و استحکام میں تیرھویں صدی عیسوی میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ شہر میدانی علاقے میں ہے لیکن بستی کے وسط میں پوری طرح مدور ایک پہاڑی بلند ہوتی چلی گئی ہے جس کے پہلو کو تراش دیا گیا ہے اور اس کی چوٹی کے اوپر قلعہ ہے۔ جس کی عمیق خندقیں اتنی گہری کھودی گئی ہیں کہ زمین کی سوتوں تک پہنچ گئی ہیں۔ قلعہ کے اندر ایک خزانۂ آب بنا ہوا ہے، جس میں مصفا پانی جمع رہتا ہے۔ اندر ہی ایک جامع مسجد، گھڑ دوڑ کا ایک میدان اور کافی وسیع باغ بنے ہوئے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے فرزند الملک الظاہر غازی نے شہر کو از سر نو بنایا اور خندق کھدوائی تھی۔

ابوالفدا جیسا مؤرخ اس شہر کے متعلق لکھتا ہے۔

"حلب نہایت قدیم شہر ہے۔ اس کا قلعہ بہت بلند اور محفوظ بنا ہوا ہے۔ یہاں مقام ابراہیم کی زیارت ہوتی ہے۔ بستی کے برابر قیوق دریا گزرتا ہے۔ پھر بھی حلب میں بہت کم باغ ہیں اور عراق سے سرحدی قلعوں کو جو سڑک جاتی ہے، حلب اس پر واقع ہے۔ قنسرین شہر سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

مشہور سیاح ابنِ بطوطہ بھی حلب گیا۔ وہ اسے وسیع اور شاندار شہر بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس میں دو کنوئیں ہیں جن میں قدرتی چشمہ سے پانی آتا ہے۔ قلعہ کے گرد دہری فصیل اور تین برج ہیں۔ یہاں کے اچھے مقامات میں مقام ابراہیم ہے۔ خود شہر کو بھی حلب ابراہیم کہتے ہیں یعنی ابراہیم کا تازہ دودھ۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ یہاں رہتے اور یہاں بھیڑ بکریوں کا دودھ غریبوں کو مفت دیتے تھے۔ ابنِ بطوطہ مزید لکھتا ہے کہ حلب کا

بازار بہت اچھا اور خوبصورتی میں بے نظیر ہے۔ یہ جامع مسجد کے چاروں طرف
ہے۔ دکانوں کی قطاروں کے بیچ میں جو راستے بنے ہوئے ہیں، وہ مسجد کے
دروازے کی طرف آتے ہیں۔ یہ مسجد دنیا کی بہترین مساجد میں شامل ہے۔ اس
صحن میں پانی کا حوض ہے، اردگرد نہایت نفیس تالاب بنا ہوا ہے۔ مسجد کا منبر آبنوس
عاج کی کاریگری کا ایک اعجاز ہے۔ حلب میں ایک مارستان (شفاخانہ) اور کئی بڑے
بڑے مدرسے ہیں اور شہر کے باہر وسیع میدان میں میوہ جات کے درخت، باغ اور
بوئے جاتے ہیں۔

ooooo

منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ ابھی حلب شہر سے لگ بھگ بیس پچیس میل
فاصلہ پر ہوگا کہ سامنے کی طرف سے دو گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہو
آئے تھے۔ قریب آ کر وہ رکے۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر منصور بن احمد، شم
الدین کردی اور حسام الدین جوکندار جو اپنے لشکر کے آگے تھے، ان کی طرف
ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک بولا اور منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
''خدا جھوٹ نہ بلوائے، اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ منصور بن احمد ہیں۔''
منصور نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب اس نے خوشی کا اظہار کیا، پھر کہنے لگا۔
''امیر! مجھے حلب کے حاکم سعید بن لولو نے بھیجا ہے۔ شاید آپ کو ابھی تک خبر
ہو، سعید بن لولو کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر حلب شہر کے اندر موجود تھا۔ لہٰذا وہ اس
میں تھا کہ اس لشکر کے ذریعے وہ منگولوں کو مار بھگائے گا۔ لیکن سعید بن لولو کو جنگ
کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔ اس کی بنا پر وہ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بلند رکھ سکا نہ ان
بہتر انداز میں منگولوں کے مقابلہ میں استعمال کر سکا۔ جس کی بنا پر اسے شکست کا سا
کرنا پڑا اور اس کے نتیجہ میں اب وہ شہر کے اندر محصور ہو چکا ہے اور منگول لشکر نے شہر
محاصرہ کر لیا ہے۔ اگر چند دن تک مزید محاصرہ جاری رہا تو سعید بن لولو، منگولوں کے
سامنے ہتھیار ڈال دے گا۔ اور چونکہ سعید بن لولو نے منگولوں سے ٹکرانے کی جرأت
ہے، لہٰذا شہر میں داخل ہو کر منگول کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس بنا پر سعید بن
نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ آپ حلب کی مدد کریں اور منگولوں پر حملہ آور ہو

تا کہ وہ حلب شہر کا محاصرہ ترک کر دیں۔''
یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد مسکراتے
ہوئے کہنے لگا۔
''اگر تم دونوں سعید بن لولو کا پیغام نہ بھی لے کر آتے، تب بھی میں تم پر انکشاف
کروں، میں اپنے لشکر کے ساتھ حلب ہی کی طرف جا رہا ہوں۔ پھر میں دیکھتا ہوں،
جن منگولوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے وہ کیسے پیچھے نہیں ہٹتے، کیسے شہر کا محاصرہ ترک
نہیں کرتے۔ میرے عزیز! میں اور میرے لشکری، البیرہ شہر کی طرف سے آ رہے ہیں۔
البیرہ شہر میں منگولوں کا جس قدر لشکر تھا، ان سب کا ہم نے قصہ پاک کر دیا ہے اور شہر
پر البیرہ ہی کے ایک سرکردہ شخص کو حاکم مقرر کر دیا ہے۔ خداوند قدوس نے چاہا تو حلب
میں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہوگا۔''
منصور بن احمد کی طرف سے یہ جواب سن کر سعید بن لولو کی طرف سے آنے والے
دونوں قاصد خوش ہو گئے تھے۔ لہٰذا مزید پیش قدمی جاری رہی۔ دس میل کا فاصلہ انہوں
نے مزید طے کیا ہوگا کہ منصور بن احمد کے پاس اس کے مخبر پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ
اطلاع دی کہ منگولوں کے لشکر کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو چکی ہے۔ وہ شہر کا محاصرہ
ترک کر کے ایک جگہ پڑاؤ کر چکے ہیں اور جم کر آپ سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر چکے
ہیں، وہ شہر سے ذرا پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ چونکہ انہیں خبر ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کا ایک
لشکر جس کی کمانداری منصور بن احمد کر رہے ہیں، ان کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ لہٰذا
وہ شہر سے ذرا فاصلہ پر اس لئے ہٹ گئے ہیں کہ جب آپ کے ساتھ ان کا ٹکراؤ شروع
ہو تو کہیں حلب کا حاکم سعید بن لولو اچانک شہر سے نکل کر ان کی پشت یا پہلو پر حملہ آور
ہو کر انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔''
یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد منصور بن احمد نے اپنے مخبروں کا شکریہ ادا کیا، پھر
سعید بن لولو، حاکم حلب کی طرف سے آنے والے ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کر کے
کہنے لگا۔
''تم فی الفور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد سعید بن لولو کو
میرا سلام کہنا۔ اسے کہنا کہ میں شہر کے باہر منگولوں سے ٹکراؤں گا۔ اس دوران وہ اپنے

لشکر کے ساتھ شہر کے اندر ہی محفوظ رہے۔"

منصور بن احمد کا یہ پیغام لے کر سعید بن لولو کے وہ دونوں قاصد وہاں سے روانہ ہوئے اور اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے حلب کا رخ کر رہے تھے۔

ان کے جانے کے بعد منصور بن احمد نے اپنے مخبروں کو مخاطب کیا۔

"منگولوں کے لشکر کی تعداد کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"امیر! تعداد کے لحاظ سے وہ ہم سے زیادہ ہیں۔"

ہلکی سی مسکراہٹ اس موقع پر منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔

"اگر زیادہ ہیں تو ہونے دیں۔ خداوند قدوس نے چاہا تو ہم نے ہر صورت میں حلب شہر کے نواح میں ان منگولوں کو دبا کر رکھنا ہے۔ اور جس قدر ممکن ہوا، ان کا ہم نے قتل عام کرنا ہے۔ اس لئے کہ ان قاتلوں سے اب مسلمانوں کے قتل کا انتقام لینا ہم پر فرض ہو چکا ہے۔"

○○○○○

نگولوں کے جس لشکر نے حلب شہر کا محاصرہ کیا تھا اور اب محاصرہ ترک کر کے ایک طرف انہوں نے لشکر کو استوار کیا تھا۔ اس لشکر کی کمانداری ہلاکو کا نامور ربائی کر رہا تھا۔ دربائی چونکہ منصور بن احمد کی عسکری مہارت سے واقف تھا لہٰذا شہر سے ایک طرف ہٹ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا تاکہ حلب کے اندر جو سعید کا لشکر ہے، اس پر نگاہ رکھی جا سکے۔

نصور بن احمد کی آمد سے پہلے جس وقت دربائی اپنے دیگر سالاروں کے ساتھ پڑاؤ اور لشکریوں کا جائزہ لے رہا تھا، تب ایک دراز قد، خوب تنومند منگول، دربائی ب آیا۔ اسے دیکھتے ہوئے دربائی رک گیا، غور سے آنے والے کی طرف دیکھنے آنے والا رکا اور پھر دربائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس پر عمل کیا "

ربائی نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"تمہارے پاس کیا تجویز ہے؟"

ں پر وہ منگول کہنے لگا۔

"آپ جانتے ہیں، خاقان ہلاکو، منصور بن احمد نام کے مسلمانوں کے سالار کے خلاف ہے۔ اس شخص نے منگولوں کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، کسی نے نہیں پہنچایا ہو کا کہنا پر آپ کو یاد ہوگا کہ ہلاکو خان نے ایک موقع پر کہا تھا، منگولوں میں سے جو

کوئی بھی اس منصور بن احمد کا سر کاٹے گا، اسے وہ انعام دوں گا جس کے متعلق دوسرا بھی نہیں سکتا۔ جب سے حلب شہر کا محاصرہ ترک کر کے ہم نے اپنے لشکر کو یہاں استوار کیا ہے، تب سے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کا سر کاٹوں گا۔ جنگ سے پہلے اسے انفرادی مقابلہ کے لئے للکاروں گا۔ پھر میں دیکھتا ہوں وہ کیسے میرے سامنے جھکنے اور شکست قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔"

دربائی پر چونکہ پہلے ہی منصور بن احمد کا رعب اور خوف طاری تھا، لہٰذا اس منگول کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز! اگر تُو ایسا کر گزرے تو خاقان جو تمہیں انعام دے گا، وہ تو دے گا ہی۔ اس کے علاوہ میں تمہیں بہت نوازوں گا۔ منصور بن احمد نے ماضی میں ہمیں بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے ہی نہیں ہمارے کئی دیگر سالاروں کو بھی اس نے شکست دے کر ہمیں ہلاکو کی نگاہوں میں گرانے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ خاصا کامیاب رہا ہے۔ اگر آج حلب شہر کے نواح میں ہم مسلمانوں کے اس سالار کی گردن کاٹنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو یاد رکھنا یہ ایک بہت بڑا معرکہ خیال کیا جائے گا۔ اور ہلاکو خان کی نگاہوں میں ہماری عزت پہلے کی نسبت دو چند ہو جائے گی۔"

چنانچہ دربائی نے اس منگول کو انفرادی مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ منصور بن احمد بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ اس کی آمد پر منگول صفیں درست کرنے لگے تھے لہٰذا منصور بن احمد نے بھی شرف الدین اور حسام الدین کے ساتھ مل کر صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ پھر تینوں اپنے لشکر کے سامنے آئے اور حسام الدین اور شرف الدین کو مخاطب کر کے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"میرے دونوں بھائیو! لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک حصہ کی کمان میرے پاس، دوسرے کی تم دونوں کے پاس ہو گی۔ بظاہر منگولوں کے لشکر کی تعداد ہم سے زیادہ ہے لیکن ہم نے ان کی عددی فوقیت کو نگاہ میں نہیں رکھنا۔ شروع ہی میں ایسے جان لیوا انداز اور ایسی شدت سے حملہ آور ہوں گے کہ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکال کر رکھ دیں گے۔"

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ وہی انفرادی مقابلہ کا ارادہ کرنے والا منگول، میدان میں اُترا اور پھر دونوں لشکریوں کے بیچ میں آ کر اس نے منصور بن احمد کا نام لے کر انفرادی مقابلے کے لئے للکارا تھا۔

اس موقع پر شرف الدین کردی فوراً حرکت میں آیا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"منصور! میرے بھائی! اس منگول کے ساتھ انفرادی مقابلہ کے لئے آپ نہیں، میں اُتروں گا۔ اس لئے کہ......"

شرف الدین کردی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ منصور بن احمد مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! یہ تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو؟ انفرادی مقابلے کے لئے وہ منگول للکار مجھے رہا ہے اور میں تمہیں بھیج دوں۔ یہ تو ناممکن ہے۔ تم دونوں بھائی لشکر پر نگاہ رکھو۔ انفرادی مقابلے کے لئے میں ہی اُتروں گا۔ خداوند قدوس نے چاہا تو اس منگول کو وہ سزا دوں گا جو دوسرے منگول زندگی بھر یاد رکھیں گے۔"

منصور بن احمد کی اس گفتگو سے شرف الدین اور حسام الدین دونوں مطمئن ہو گئے تھے۔ پھر منصور نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور انفرادی مقابلہ کے لئے میدان میں اُترا۔ جب وہ منگول کے سامنے گیا، تب منگول فخریہ انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیا تمہارا نام ہی منصور بن احمد ہے؟ کیا تم ہی کبھی بغداد کے لشکریوں کے نائب سالار اعلیٰ ہوا کرتے تھے۔ کیا تم نے ہی ماضی میں ہمیں کافی نقصان پہنچایا ہے؟ ہمارے دو سالاروں کے قاتل بھی کیا تم ہو؟ اور ہمارے ان گنت لشکریوں کو بھی موت کے منہ میں تم نے ہی دھکیلا ہے؟"

منصور بن احمد کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، کہنے لگا۔

"جو کچھ تم نے کہا ہے، یہ درست ہے۔ کہو تم مزید کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس پر منگول چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم سے اپنے لشکریوں اور اپنے سالاروں کے قتل کا انتقام لینے کے لئے میں میدان میں اُترا ہوں اور ارادہ کر چکا ہوں کہ اس میدان میں تیرے لبوں پر سلگاہٹ،

تیری نبض پر قدغن، تیرے سینے میں خونی انقلاب، تیرے دل میں اندھے پیچ و تاب اور تیری رگوں میں زہر بن کر اُترتا چلا جاؤں گا دیکھو! میں جان کو پگھلاتا ایک سوز ہوں۔ انفرادی مقابلہ میں تجھے دربدری کے ایسے آزار سے دوچار کروں گا کہ تُو اپنے چاروں طرف آگ اور خون کے سیلاب دیکھے گا۔ تیرا ہر جذبہ ماضی کی گونج بن جائے گا۔ ن مسلمانوں کے سالار! اب تک تُو خوابیدہ موت کے دروازوں پر دستک دیتا رہا ہے۔ اب اس میدان میں تجھے راستوں کو پامال کرتے آوارہ مزاج جھکڑوں کا سامنا کرنا ہوگا۔"

جب تک وہ منگول بولتا رہا، منصور بن احمد غور سے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا، تب کہنے لگا۔

"منگول! نہ میں تیرے مقابلے میں بچہ ہوں اور نہ ہی حرب و ضرب میں خام کار۔ ایک اور بات یاد رکھنا، میں کوئی کاہن یا راہب نہیں کہ نیاز اور میں کوئی معتکف نہیں کہ میرا استغراق تُو مجھ سے چھین لے گا۔ جب میری تلوار تجھ سے اپنا تعارف کرائے گی تو یاد رکھنا، تُو ہر حرفِ آشنائی اور لطف و دلربائی تک کو بھول جائے گا اور تیری حالت واہموں کے پاگل مسافر سے مختلف نہیں ہوگی۔ اب تو تُو مخالفت کے پیچ و تاب، بغاوتوں کے تلاطم اور اضطراب جیسی گفتگو کرتا ہے، قسم خدائے لم یزل کی، جو خشک صحراؤں میں پھولوں کے گلشن کھڑے کرتا ہے۔ قسم مجھے اس مالک کون و مکان کی، جو سمندر کی تہوں میں رزق مہیا کرتا ہے، ذرا مقابلہ شروع ہونے دے۔ میری تلوار تیری ہست کے گوشوں میں سلگتا سرخ لاوا بھر دے گی۔ تیرے ہونٹوں پر تشنگی کا پہرہ اور تیری آنکھوں میں خوف و ہراس جما کے رکھ دے گی۔ دیکھ اب باتیں نہ کریں، ایک دوسرے کو دھمکی نہ دیں۔ جس مقصد کے لئے ہم دونوں میدان میں اُترے ہیں، اس کی ابتدا کریں۔ اپنی تلوار سنبھال اور مجھ پر حملہ آور ہونے میں پہل کر۔ تاکہ بعد میں تجھے دکھ اور صدمہ نہ رہے کہ تجھے پہلے وار کرنے کا موقع نہ ملا۔ یاد رکھنا! میرے پاس وقت کم ہے اور میں نے اس مقابلہ کو مختصر کرنا ہے۔ اس لئے کہ اب تُو چند لمحوں کا مہمان ہے اور موت سے بغلگیر ہونے کے لئے مجھ پر حملہ آور ہو۔"

منصور بن احمد کے ان الفاظ کو منگول نے اپنے لئے بے عزتی اور توہین سمجھا تھا۔ لہٰ حرکت میں آیا اور وحشی صداؤں کی بازگشت، آتشیں دھاروں، خون سے کھولتے بھنور

شیطانی پھندوں، جہل کے طوفانوں، روح کی رسوائیوں کی طرح منصور بن احمد پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

منصور بن احمد بڑے سحر آفریں سکوں، اُٹھتی گرتی لہروں کے تموج کی طرح اس کے حملوں کو روکتا رہا۔ اس کے بعد وہ آگ کے کف آلود طوفانوں، غم انگیز تباہی، جرأت مندی کے چھلکتے لمحوں، برق کی آندھیوں کی طرح حرکت میں آیا۔ پہلے اس نے بازارِ حیات کی ویرانیوں میں رقص کرتے رعد و زلزلوں کی صداؤں کی طرح تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد وہ منگول پر عذاب رُتوں میں برق کے سائبانوں، تقدیر کا عذاب بنتی دھڑکتی آگ کے غضب، ہر نفس و ذی حیات کا قرار لوٹتے کہنہ بربادیوں کے جھکڑوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

منصور بن احمد پہلے منگول کے حملوں کو روکتے ہوئے صرف دفاع تک محدود رہا تھا اور جب اس نے اندازہ لگایا کہ منگول سے اس کے خلاف کچھ نہیں بن پڑا، تب اس نے دفاع کا لبادہ اُتار پھینکا اور جارحیت پر اُترا۔ اور اب اس نے منگول پر جان لیوا حملے شروع کر دیئے تھے۔

کچھ دیر تک ایک دوسرے پر خوف ناک انداز میں دونوں حملہ آور ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ منگول، منصور بن احمد کے حملوں کو مشکل سے روکنے لگا۔ اس لئے کہ منصور بن احمد نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کر دی تھی، جس کے باعث منگول اپنے آپ کو بچانے اور دفاع کرنے کی خاطر اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا تھا۔

اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے ہلکا سا تبسم منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر وہ اس منگول کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیسے بودے اور بزدل منگول ہو۔ نہ دفاع کرنا جانتے ہو، نہ جارحیت پر اتر کر اپنے مدمقابل کو نقصان پہنچانے کا ہنر جانتے ہو۔ میدان میں اُترنے کے بعد تو تم بڑھ بڑھ کر گفتگو کرتے تھے اور میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا، جب میری تلوار تمہیں اپنا ہدف بنانا شروع کرے گی تو تم اپنی دلیری اور ہر حرف کی آشنائی بھول جاؤ گے۔ تمہاری حالت میرے سامنے وہموں کے پاگل مسافر سے بھی بدتر ہوگی۔ اور تم دیکھتے ہو، وہ لمحہ آ گیا ہے۔ منگول! تمہارا دل، تمہارا ضمیر بھی بول رہا ہے، اب تم چند لمحوں کے مہمان ہو۔

اس موقع پر اگر تم نے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنے کی کوشش کی تو پیٹھ پر ایسا نیزہ ماروں گا کہ تمہارے جسم کے پار ہو جائے گا۔ لہٰذا اب جب کہ انفرادی مقابلہ کے لئے نکلے ہی ہو تو پھر جم کر مقابلہ کرو۔"

دونوں چونکہ گھوڑوں سے اُتر کر مقابلہ کر رہے تھے، لہٰذا تھوڑی دیر تو منگول نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اپنے حملوں میں کچھ تیزی پیدا کی۔ لیکن جلد ہی دم کشی کا شکار ہونا شروع ہو گیا، سانس پھولنے لگی۔ اس موقع پر چونکہ اس میں سست روی کے آثار نمودار ہو گئے تھے، لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منصور بن احمد نے ایک جست لگائی، پھر اپنی تلوار جب اس نے گرائی تو اس کی تلوار منگول کو کاٹتی ہوئی گزر گئی تھی اور وہ لاش کی صورت میں زمین پر گر گیا تھا۔

منگولوں کا سالار دربائی اس وقت اپنے لشکر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دوسرے سالار تھے۔ جب انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے نکلنے والا منگول، منصور بن احمد کے سامنے اپنی جان ہار بیٹھا، تب دربائی دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"ہمارا آدمی بڑی اُمیدیں اور بڑے دعوے لے کر گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کا سر کاٹے گا۔ لیکن میں پہلے ہی اس کے الفاظ پر مشکوک تھا۔ میں جانتا ہوں، یہ منصور بن احمد کبھی بغداد کے لشکریوں کا نائب سپہ سالار تھا، یہ عمر کا بھی اتنا بڑا نہیں ہے۔ اگر اس عمر میں اسے کسی نے بغداد کے لشکروں کا نائب سالارِ اعلیٰ بنایا تھا تو اس میں کوئی خوبی، کوئی ہنر ہو گا جس کی بنا پر اسے اتنے بڑے منصب پر فائز کیا گیا تھا۔ اور یہ منصب اب دونوں لشکروں کے درمیان بول بھی پڑا ہے اور کتنی آسانی کے ساتھ مسلمانوں کے اس سالار منصور بن احمد نے ہمارے عمدہ، بہترین تیغ زن کو اپنے سامنے ڈھیر کر دیا ہے۔ میرے خیال میں اپنے لشکریوں کو جذباتی تشنگی اور احساس کی کمتری سے بچانے کے لئے ہمیں فوراً حملہ آور ہو جانا چاہئے۔"

سارے منگول سرداروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا دربائی حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ پھر وہ کوہساروں میں جھاڑ دیتی ہولناک برفانی آندھیوں، آخر شب کے سناٹوں میں دشت کو کوڑے لگاتے طوفانی ریگزاروں، جہانِ حرف و صوت اور گرمیٔ نبضِ حیات کو روندتے اور روح اور جسم کا قرار چھینتے موسموں کے گردباد کی طرح

آور ہو گیا تھا۔

جواب میں منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی بھی اپنے لشکر ستم کو مسمار کرتے سمندر کے تلاطم، جبر و الم کی علامتوں اور ان کے بت توڑتے انہیں جذبوں کی طرح حرکت میں لائے۔ پھر وہ بھی منگولوں پر وقت کی رواں بن میں کپڑے پھاڑتے اندھیاؤ، اپنے راستے میں آنے والی پیوستہ چٹانوں تک کو بہنے والے سمندر کے جلال، وقت کے بے کراں بحر سے اُٹھتے بے روک و اٹل طوفانوں اور ظلمتوں سے برسر پیکار ہوتے قضا کے اندھے جھکڑوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ اس طرح حلب شہر کے نواح میں رزم گاہ کے اندر ورائے گمان و قیاس، اَن گنت آسیب ناچ اُٹھے تھے۔ صدیوں کے گہرے سناٹوں میں کرب کی شدید لہروں کا سماں برپا ہو گیا تھا۔ سینۂ آفاق پر زیست کے ماہ و سال خون آلود کرتے دکھ گراں بار طوفانوں نے اپنے رنگ جمانا شروع کر دیئے تھے۔

تھوڑی دیر تک مزید جنگ کے بعد منگولوں کو پتہ چلنا شروع ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا دباؤ ان پر بڑھتا جا رہا ہے۔ ان کا سپہ سالارِ اعلیٰ دربائی بھی اس دباؤ کو محسوس کر چکا تھا۔ لیکن ایک بار اس نے اس دباؤ کو کم کرنے کے لئے آخری کوشش کی۔ اپنے لشکریوں کو اس نے للکارا اور پوری قوت اور پوری شدت کے ساتھ حملہ آور ہونے کی انہیں ترغیب دی۔

منگولوں نے ایسا کیا بھی لیکن دوسری طرف منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین نے ان ہی کے انداز میں جوابی کارروائی کی تھی جس کی بنا پر مسلمان لشکریوں نے منگولوں کے ان تیز حملوں کو بھی روک دیا اور جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ کچھ اس طرح ان پر حاوی ہونا شروع ہو گئے کہ انہوں نے اپنے سامنے مرنے والے منگولوں کی لاشیں بچھانی شروع کر دی تھی۔ یہ صورتِ حال نہ صرف منگولوں کے سالار دربائی بلکہ عام لشکریوں کے لئے بھی بڑی حوصلہ شکن تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف سے مسلمانوں کا سالارِ اعلیٰ منصور بن احمد ان پر ضربیں لگا رہا ہے۔ جبکہ دوسری طرف سے اس کے دونوں ساتھی اور دست راست شرف الدین اور حسام الدین زوردار انداز میں حملہ آور ہوتے ان کے لشکر کی تعداد کو کم کرتے جا رہے تھے۔ یہ صورتِ حال یقیناً ان

کے لئے حوصلہ شکن اور ان کو کچل دینے کے مترادف تھی۔ اس صورتِ حال کو
منگولوں کا سالار دربائی بھی لگا چکا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ لحہ بہ لحہ مسلمانوں کا
ان پر بڑھتا جا رہا ہے تو شکست قبول کرتے ہوئے وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

منصور بن احمد بھی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور لبوں کی مسکراہٹیں، نظر
کی بصارتیں چھینتی موت کی تلخ اذیتوں، دل کی گہرائیوں میں اُتر کر شہرتوں کے کبر
پاش پاش کر دینے والی بھڑک اُٹھنے والی تلخیوں اور زوال و انحطاط سے لیس دکھ
ہولناک طوفانوں کی طرح بھاگتے منگولوں کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔

اس تعاقب کے دوران بھی کافی منگولوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ آخر منگولوں
کا سالار دربائی اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر حمص شہر کی طرف بھاگا جہاں ان کا
خاصا بڑا لشکر پہلے ہی مقیم تھا۔

تعاقب ترک کر کے منصور بن احمد واپس حلب شہر کے نواح میں آیا تو حلب شہر
سرکردہ جن میں حلب شہر کا قاضی بھی تھا، وہ منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور
الدین جوکندار کے پاس آ کر منگولوں کے خلاف ان کی اس شاندار کامیابی پر مبارک
دینے لگے تھے۔

اس موقع پر حلب کا قاضی، منصور بن احمد کے قریب آیا اور دکھ بھرے انداز
اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ نے منگولوں کے خلاف جو یہ معرکہ سر کیا ہے، اس کی قدر، اس کی منز
ہمارے دلوں میں جب تک ہم زندہ ہیں، قائم و دائم رہے گی۔ آپ نے جس جرأ
مندی اور دلیری سے ان پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست دی اور انہیں کاٹا، اس کی مثال
دنوں میں بہت کم ملتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد حلب کا قاضی تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوا، پھر
بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”حلب شہر کے لوگوں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر آپ کی طرف بھیجا ہے
ان سب کی طرف سے آپ سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ حلب شہر کے لوگوں کی
آنکھیں اور نا آسودہ ارمان اس بات کے متمنی ہیں کہ گہری ہوتی رات کی خاموشیاں

زہرے خوابیدہ لمحوں میں مسلمانوں پر قافلہ در قافلہ اور کارواں در کارواں نزول کرتے
کے سامنے حلب کا کوئی ایسا حاکم مقرر کیا جائے جو منگولوں کی محرومیوں اور
بربادیوں کی طرح سسکتی زہریلی ہواؤں جیسی مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کے سامنے
کا دفاع اور ان کا تحفظ کر سکے۔ جہاں تک حلب کے حاکم سعید بن لولو کا تعلق ہے
وہ یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ حلب کے نواح میں جو اسے بدترین شکست کا سامنا
کرنا پڑا اور شہر کے لوگوں نے ملامت کی، وہ حلب کی حاکمیت سے پہلے ہی دست بردار
ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہم سب کی آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنی طرف سے اپنے کسی
جہاں دیدہ اور جرأت مند سالار کو یہاں کا حاکم مقرر کریں جو شہر کے اندر نئے
لشکری بھرتی کر کے ان کی تربیت کا کام بھی سرانجام دے اور منگولوں کے سامنے شہر کی
حفاظت کا کام بھی سینہ سپر ہو کر ادا کر سکے۔“

حلب کا قاضی جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد کچھ دیر تک گہری سوچوں میں
ڈوبا رہا، پھر اس نے باری باری ایک گہری نگاہ شرف الدین کردی اور حسام الدین
جوکندار پر ڈالی اور ان دونوں کو مخاطب کر کے بولا۔

”میرے عزیز بھائیو! میں زیادہ دن یہاں حلب شہر کے نواح میں قیام نہیں کروں
گا۔ تم جانتے ہو، جیسا کہ ہمارے مخبر اطلاع دے چکے ہیں، منگولوں کا ایک خاصا بڑا لشکر
حمص شہر کے نواح میں ہے، انہوں نے حمص شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ شہر کے لوگ بڑی
جرأت اور مشکل سے ان کے سامنے اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے ایک قاصد کو
ان کی طرف بھیجا ہے اور اپنی طرف سے انہیں یہ پیغام دیا ہے کہ چند دن منگولوں کو کسی
طرح روکے رکھو۔ حلب کی اس مہم سے نمٹنے کے بعد میں حمص کا رخ کروں گا۔ میرے
عزیز بھائیو! حلب کے قاضی نے جو کچھ کہا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے۔ سعید بن لولو،
اب شہر کا دفاع نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ اگر تم دونوں بھائی اس
سے اتفاق کرو تو پھر......“

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ احتجاج کرتے
ہوئے حسام الدین جوکندار بول اٹھا۔

”ابن احمد! ہمارے بھائی! یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں؟ آپ ہمارے امیر

کیتھرائن ایک روز اپنی رہائش گاہ میں بلذون اور تنکیر دونوں بہن بھائی
ساتھ بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔
دستک کی آواز سن کر بلذون اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیتھرائن کی طرف دیـ
ہوئے کہنے لگا۔

''میری بہن! میں دیکھتا ہوں، دستک دینے والا کون ہے۔''

اس کے ساتھ ہی بلذون اُٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف گیا۔

بلذون نے جب ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا تو دروازے پر اس کا باپ لوئی تاشی ا
ماں مدلان دونوں کھڑے تھے۔ دونوں میاں بیوی مکان میں داخل ہوئے۔ سیدھا ا
گئے جہاں تنکیر اور کیتھرائن بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس موقع پر لوئی تاشی کے ہاتھ میں ج
خرجین تھی۔ پہلے وہ آگے بڑھ کر کیتھرائن کے سامنے بیٹھ گیا۔ تنکیر بھی کیترائن کے سا
پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے دوسرے پہلو میں مدلان ہو بیٹھی۔ جب کہ بلذو
اپنے باپ کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ پھر وہ چرمی خرجین جو لوئی تاشی نے اپنے ہاتھ میں پکڑ
ہوئی تھی وہ اس نے کیتھرائن کی گود میں رکھی اور اسے مخاطب کر کے بولا۔

''بیٹی! امیر منصور بن احمد کی طرف سے کچھ دستے آج ہی یہاں پہنچے ہیں۔ ان
جگہ کل تازہ دستے ان کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے یہاں سے روانہ ہوں گے۔
لوگ آئے ہیں، ان کے ہاتھ امیر بن منصور نے تمہارے لئے کچھ سامان بھیجا ہے۔ یہ
یہ سنبھالو۔''

کیتھرائن نے خرجین لے لی۔ پھر اس نے جب اس کا منہ کھولا تو اس میں سے تی

چھوٹی تھیلیاں نکلیں۔ کچھ دیر تک ان تھیلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ مسکراتی رہی۔ پھر
ایک تھیلی اس نے اپنے پاس رکھی، دوسری اس نے تنکیر اور تیسری بلذون کی گود میں
رکھ دی تھی۔ اس کے ایسا کرنے پر لوئی تاشی نے چونک کر کیتھرائن کی طرف دیکھا، پھر
کہنے لگا۔

''بیٹی! یہ کیا کر رہی ہو؟ یہ امیر نے تمہارے لئے سامان بھیجا ہے، تم ان دونوں بہن
بھائی میں بانٹ رہی ہو۔''

جواب میں کیتھرائن مسکرائی اور کہنے لگی۔

''یہ سارا سامان میرا نہیں ہے۔ جو تھیلیاں میں نے تنکیر اور بلذون کے حوالے کی
ہیں ان پر ان کا نام لکھا ہے اور ان میں ان ہی کا سامان ہے۔ میری تھیلی پر میرا نام لکھا
ہے اور یہی میں رکھوں گی۔''

جھپٹنے کے انداز میں لوئی تاشی نے ہاتھ آگے بڑھا کر تنکیر اور بلذون کی جب
تھیلیاں لے کر دیکھیں تو واقعی ان پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اس پر لوئی تاشی بولا
اور کہنے لگا۔

''اچھا ذرا ان تھیلیوں کو کھولو تو سہی۔ میں بھی دیکھوں ان میں کیا ہے۔''

جب انہوں نے تھیلیاں کھول کر دیکھیں تو ان میں نقدی کے علاوہ کچھ دوسرا قیمتی
سامان بھی تھا۔ یہ سامان لینے کے بعد تنکیر اور بلذون بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے
تھے۔ پھر تنکیر بولی اور کہنے لگی۔

''آخر امیر ہمارے بھائی ہیں اور انہوں نے اپنے بھائی بہن کو بھلایا نہیں ہے۔''

اس موقع پر مدلان بولی اور کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بیٹی! اب تم تینوں اُٹھو، میرے ساتھ چلو۔ آج کھانا وہاں اکٹھے کھائیں گے۔
کیتھرائن! تمہاری شب بسری بھی وہیں ہوگی۔''

کیتھرائن مان گئی۔ پھر وہ سب منصور بن احمد کی حویلی سے نکل گئے اور لوئی تاشی کی
رہائش گاہ کا رخ کر رہے تھے۔

○○○○○

بڑی تیزی اور برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا منصور بن احمد، شرف الدین کردی کے

بیان کرتے ہیں۔

○○○○○

ہلاکو خان جو مصر کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا، جنوب کی طرف جانے کے بارے
کافی مطمئن تھا۔ ایک روز وہ اپنے پڑاؤ میں اپنے پانچوں بیٹوں اباقا خان، ترائی
خان، تکودار، منگو تیمور اور یشمو کے علاوہ سارے سالاروں کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع
گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے کچھ مخبر اس کے پاس پہنچے۔ جب ہلاکو کو ان کے آنے
اطلاع کی گئی تو ہلاکو نے فوراً انہیں اپنے پاس طلب کر لیا۔ جب انہیں اس کے سامنے
پیش کیا گیا تو ہلاکو خان نے پہلے سر سے پاؤں تک ان کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔

"لگتا ہے، تم اچھی خبر لے کر نہیں آئے ہو۔"

ہلاکو خان کے اس استفسار کے جواب میں ان مخبروں میں سے ایک بولا اور کہنے
لگا۔ "خاقان! آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم واقعی بری خبریں لے کر آئے ہیں
فراتا تار قبائل کا سالار اور سردار منصور بن احمد بڑی تیزی سے نہ صرف اپنی طاقت
قوت کو بڑھا رہا ہے بلکہ ان علاقوں کو بھی اس نے اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا
جو علاقے ہم نے اس سے پہلے فتح کئے تھے۔

وہ پہلے ایک لشکر کے ساتھ حلب شہر کے سامنے نمودار ہوا۔ حالانکہ اس سے پہلے حلب
شہر کے حکمران کو ہمارے لشکر نے شکست دے دی تھی اور ہمارا لشکر قریب تھا کہ حلب
قبضہ کر لیتا لیکن اچانک منصور بن احمد نمودار ہوا۔ اس کا ٹکراؤ حلب شہر سے باہر ہمارے
لشکر سے ہوا جس میں اس نے ہمارے لشکر کو شکست دی۔ حلب شہر میں وہ داخل ہوا
وہاں اپنے سالار حسام الدین جوکندار کو حاکم اور والی مقرر کیا ہے۔ ایسا اس نے اہلِ
کی استدعا پر کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا، ہمارے لشکر
طرف بڑھا جس نے حمص کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسے بھی اس نے شکست دی اور حمص
فتح کرنے کے بعد اس وقت وہ حمص شہر میں قیام کئے ہوئے ہے۔"

مخبر جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان کا سب سے بڑا سالار قط بوغا بولا اور ہلاکو کو
کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"خاقان! مسلمانوں کا یہ سالار، جس کا نام منصور بن احمد ہے، اس سے پہلے ہمارے

سے لشکروں کو نقصان پہنچا چکا ہے۔ یہ ہمارے لئے زحمت اور ایک تکلیف دہ
عذاب بنتا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جنوب کی طرف بڑھتے جائیں اور شمال میں جو
علاقے فتح کئے ہیں، ان پر قبضہ کرتے ہوئے پشت کی جانب سے ہمارے لئے ان گنت
خطرات کھڑے کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھئے گا، سامنے کی طرف اہلِ مصر اور جنوب
کی طرف سے یہ بڑھتی ہوئی قوت جب ایک ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں گے تو ہمیں اگر یہ
ہلا نہ سکے تو ناقابلِ تلافی نقصان ضرور پہنچا سکتے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد قط بوغا رکا، دم لیا پھر وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہہ
رہا تھا۔ "خاقان! اس منصور بن احمد نے چونکہ اس وقت حمص شہر میں قیام کر رکھا ہے۔
لہٰذا ہمیں فی الفور حرکت میں آنا چاہئے۔ حمص شہر کا محاصرہ کر کے اور شہر کو فتح کر کے اس
کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ اگر منصور بن احمد کو ایک بار ہم ٹھکانے لگا دیتے ہیں تو یاد رکھئے،
شمال کی طرف سے ہمارے لئے کوئی بڑا خطرہ نہیں اٹھے گا۔ اس لئے کہ فراتا تار کا سالار
اس سے پہلے لوئی تاشی اور نائب سالار یانگ خان تھا اور برقائی خان کی طرح ان میں
اتنی طاقت اور قوت نہیں تھی کہ کوہستانی سلسلوں سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کریں۔ یہ
منصور بن احمد ہی ہے جو فراتا تار کے لشکر کو لے کر کوہستانی سلسلوں سے نکلا اور اس نے
فراتا تار قبائل کو ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں ایک طرح سے نقصان پہنچانے کا عادی کر دیا
ہے۔ لہٰذا اس کا خاتمہ انتہائی ضروری ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد قط بوغا جب خاموش ہوا تب ہلاکو بولا اور کہنے لگا۔

"قط بوغا! تمہاری کچھ باتیں درست ہیں لیکن کچھ سے میں اتفاق نہیں کرتا۔ ہمیں
حمص شہر کا محاصرہ نہیں کرنا چاہئے۔ تم جانتے ہو، یہ منصور بن احمد انتہا درجہ کا تیز اور
منصوبہ بندی میں بڑا ماہر ہے۔ سانپ کی طرح نمودار ہوتا ہے، ڈسنے کے بعد پتہ نہیں
چلتا کہ وہ کدھر گیا ہے۔ لومڑی کی طرح عیار ہے۔ بظاہر کچھ کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن
ذہن کے اندر اپنے ارادوں کو تبدیل کر کے ایسی ضرب لگاتا ہے کہ اپنی کامیابی کو یقینی بنا
لیتا ہے۔

اگر ان حالات میں ہم آگے بڑھ کر حمص شہر کا محاصرہ کرتے ہیں اور اسے گرفتار
کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یاد رکھنا اس وقت وہ اکیلا نہیں ہے۔ پہلی بات یہ کہ اس

جس روز حسام الدین جوکندار، حمص پہنچا اس کے دوسرے دن حمص شہر میں منصور بن احمد نے اپنے سالاروں کا اجلاس طلب کرلیا تھا۔

حسام الدین اور شرف الدین کے علاوہ وہ سالار بھی شامل ہوئے جو پہلے سے حمص کے اندر موجود لشکر کی کمانداری کر رہے تھے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے، تب کچھ سوچتے ہوئے منصور بن احمد نے گفتگو کا آغاز کیا اور سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جس طرح ہمارے مخبروں نے ہمیں اطلاع دی ہے، اس کے مطابق دو ایک روز تک منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر حمص شہر پہنچ جائے گا۔ ایسا ہی ایک لشکر حلب کی طرف بھی جائے گا۔ اس کے علاوہ ان علاقوں میں پہلے سے جو منگول لشکری، ہلاکو خان کے سالار بائیدو اور اس کے ساتھیوں کی کمانداری میں کام کر رہے ہیں، وہ بھی اس لشکر میں شامل ہوں گے۔ ان کا ارادہ ہے، حمص اور حلب پر مکمل طور پر قبضہ کرلیا جائے۔ جبکہ ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم انہیں ان دونوں شہروں پر قبضہ نہیں کرنے دیں گے۔“

اتنا کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر گفتگو کو مزید آگے بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

”جو منصوبہ بندی میں نے کی ہے، اس کی تفصیل آپ لوگوں سے کہتا ہوں۔ لشکر جس قدر اس وقت حمص شہر میں موجود ہے، اس کے چار حصے کئے جائیں گے۔ جو لشکر اس سے پہلے میرے، شرف الدین اور حسام الدین کے تحت کام کرتا رہا ہے، اس کے تین حصے کئے جائیں گے۔ ایک میرے پاس، دوسرا شرف الدین اور تیسرا حسام الدین کے پاس رہے گا۔ لشکر کا چوتھا حصہ وہ ہوگا جو پہلے سے حمص شہر کی حفاظت کا کام سرانجام دے رہا ہوگا۔

حمص کے اس سے پہلے لشکر کو شہر کی فصیل پر متعین کر دیا جائے گا۔ میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شہر سے نکل کر پڑاؤ کروں گا۔ ظاہر ہے منگولوں کا لشکر یہاں پہنچے گا اور مجھے مقابلہ کرنے کے لئے تیار پائے گا تو وہ ایک طرح سے ہماری ہنسی اُڑائیں گے۔ اس لئے کہ ان کے مقابلہ میں میرے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ لیکن بعد میں ہم نے ان پر ثابت کرنا ہے کہ فتح اور کامرانی ہم نے ہی ان سے لینی ہے۔ ہوگا یوں کہ پہلے میں شہر سے باہر منگولوں سے ٹکراؤں گا۔ پھر میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹوں گا اور میرا یہ پیچھے ہٹنا شہر کے جنوبی اور مشرقی دروازے کے درمیان ہوگا۔ جو لشکر پہلے سے حمص شہر کی حفاظت پر مامور تھا، اس کا زیادہ حصہ جنوبی اور مشرقی دروازوں کے درمیان متعین کیا جائے گا اور سارے لوگ تیروں سے لیس ہوں گے۔

جب میں پیچھے ہٹوں گا تو ہمارے اور منگولوں کے درمیان سرخ رنگ کی جھنڈیاں نمایاں ہوں گی۔ جھنڈیاں میرے لشکری اٹھائے ہوں گے۔ فصیل کے اوپر جو حمص شہر کا محافظ لشکر کام کر رہا ہوگا، وہ ان جھنڈیوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ان جھنڈیوں کے آگے منگولوں پر تیز اور جان لیوا تیراندازی کریں گے۔ ان کی اس تیراندازی سے منگولوں کے اندر ایک کھلبلی مچ جائے گی۔

اس کے بعد حسام الدین اور شرف الدین کے کام کی ابتدا ہوگی۔ حسام الدین، شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے جب کہ شرف الدین شہر پناہ کے جنوبی دروازے سے اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکلیں گے اور ایک طرف سے منگولوں پر شرف الدین اور دوسری طرف سے حسام الدین حملہ آور ہو جائے گا۔ جب ایسا ہوگا تو شہر کی فصیل پر کام کرنے والا حمص کا حفاظتی لشکر تیراندازی بند کر دے گا۔ اس لئے کہ میں بھی پیش قدمی شروع کروں گا اور اپنی پوری جانفشانی سے منگولوں پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ اس طرح جب منگولوں پر سامنے، دائیں اور بائیں تین اطراف سے حملے شروع ہوں گے تو ان کے مقدر میں ناکامی، اور فوزمندی و کامرانی ہمارے حصے میں آئے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب حسام الدین جوکندار بڑی فکرمندی میں منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”اس موقع پر میرے کچھ

تکبیریں بلند کرتے ہوئے وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ منگولوں پر جان لیوا حملے کرنے لگا تھا۔

اس طرح حمص کے نواح میں رنج و غم کے کھلیان پامال کرنے والے طوفانی ہواؤں کی آہ و زاری، عناصر کے نالہ و ماتم، روحوں کی ویرانیاں اور ذلت کے آزار، درد و کرب کے پیغام اور موت کے گرم تندلاوے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اسی کرب خیز ماحول میں ایک اور تبدیلی اور انقلاب رونما ہوا اور وہ حسام الدین کردی تھا۔ اچانک وہ بھی شہر پناہ کے جنوبی دروازے سے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور پھر وہ اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو بے وقعت و بے نصیب، بے ثمر و بے توقیر کرتے مرگ و زیست کے خونی تماشوں، آنکھوں میں بے رحم خواہشوں کے نقوش کھڑے کرتی قیامت کی آندھیوں، سوچوں میں حقائق کا اثر، ذہن سے تصورات کی دھنک اُڑا دینے والے نادیدہ گرسنگی کے طوفانوں اور عذابوں کے آشوب کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

کچھ دیر تک ہولناک رن پڑا۔ منگولوں پر تین اطراف سے جان لیوا حملے شروع ہوئے۔ تب زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ منگولوں نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کے لشکر کے مقابلے میں ان کی اپنی حالت سوچوں اور وسوسوں کے جزیروں، اندھیروں میں ڈوبے بخت، وقت کی تصویر کے نامکمل خدوخال، ریت پر پڑی خالی سیپوں، ویران حسرتوں کے لمحوں اور احساسات کی وحشت ناکی کی سی ہونا شروع ہوگئی ہے۔ کچھ دیر تک مزید انہوں نے قسمت آزمائی کی۔ جب دیکھا کہ اب شکست ان کا مقدر بنتی جا رہی ہے، تب وہ شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

منصور بن احمد اور حسام الدین جوکندار نے جسموں کے منشور سے گزر جانے والی شعاعوں، گرم موسموں کی برہنہ یلغار، گردشِ لیل و نہار میں روز و شب کے ہنگاموں اور تقدیر کے ترکش کے تیروں اور صحرا سے اُٹھتی خوفناک آندھیوں کی طرح ان کا تعاقب شروع کیا، ان کی تعداد مزید کم کی۔ اس طرح وہ منگولوں کا لشکر دوبارہ مسلمانوں کا سامنا کرنے کے قابل نہ رہا۔ جدھر سے آیا تھا، ادھر ہی بھاگ گیا۔

منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ حمص آیا۔ حمص کا نظم و نسق اس نے دو دن میں

... کے بعد لشکر لے کر نکلا اور آندھی اور طوفان کی طرح اس نے حلب شہر کا
... کیا، اس کے بعد ...
... کیا تھا۔

مؤرخین کے مطابق جو لشکر حلب میں آ گیا تھا، اسے بھی منصور بن احمد نے بدترین ... دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ان کا خاصا نقصان بھی کیا تھا اور وہاں بھی ... طرف سے ایک حاکم مقرر کیا۔ اس طرح حمص اور حلب دونوں شہروں کو محفوظ کرنے ... بعد وہاں مقامی لشکریوں کے ایک بڑے سالار کو حاکم کرنے کے بعد منصور بن احمد ... لشکر کو لے کر واپس کوہستانِ قبچاق کی طرف چلا گیا تھا تاکہ اس کے لشکری جو گزشتہ ... سے لگاتار جنگوں میں حصہ لے رہے تھے، واپس جا کر انہیں چند روز اپنے گھروں میں قیام کرنے کے علاوہ آرام کرنے کا موقع بھی مل جائے۔

منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار اپنے لشکر کو لے کر کوہستانِ قبچاق میں داخل ہوئے تو فراتا تار قبائل نے ہی نہیں، خود برقائی خان اور اس کے بہت سے لشکریوں نے شاندار انداز میں ایک فاتح کی حیثیت سے منصور بن احمد اور اس کے سالاروں اور لشکریوں کا استقبال کیا تھا۔

اس طرح منصور بن احمد نے منگولوں کی کمر پر کڑی ضرب لگانے اور انہیں جان لیوا نقصان پہنچانے کے بعد اپنے لشکر کو چند یوم تک ستانے اور آرام کرنے کی خاطر اپنے گھروں میں قیام کا موقع دے دیا تھا۔

○○○○○

منصور بن احمد اور کیتھرائن دونوں میاں بیوی ایک روز رات کا کھانا کھانے کے بعد اکٹھے بیٹھے تھے۔ کیتھرائن چپ چپ، اُداس اور افسردہ تھی۔ اس موقع پر منصور بن احمد کچھ دیر تک غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اسے مخاطب کیا۔

"کیتھرائن! میری غیر موجودگی میں کیا یہاں قیام کے دوران تمہیں تکلیف دہ حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟"

منصور بن احمد کے اس سوال پر کیتھرائن چونک پڑی تھی، اپنے آپ کو سنبھالا، غور سے کچھ دیر اس نے منصور بن احمد کی طرف دیکھا پھر دکھ بھرے انداز میں وہ منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

"مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں۔ میں یہاں بہت خوش ہوں اور اپنے آپ کو بہت خوش قسمت خیال کرتی ہوں۔ لیکن میں کبھی کبھی یہاں قیام کے دوران یہ سوچتی ہوں کہ تاریخ عالم کا یہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک زمانے میں مسلمانوں نے نہایت سرعت سے ترقی کی، اپنے کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر اس طرح منقش کیا کہ دوسری قومیں ان کی عظمت و برتری کے سامنے سر اطاعت خم کر دینے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ اب وہی مسلمان ہیں جن پر فلاکت و ادبار ہے۔ ان کا شیرازۂ ملی پراگندہ ہے۔ اب ان کی محفلوں میں علم و فن کے مذاکرے بہت کم ہوتے ہیں۔ دماغ قوت و ابداع و اختراع سے محروم اور ہاتھ سیاسی طاقت اور قوت کی عنان سنبھالنے سے نا آشنا ہیں۔ جب کہ مردم شماری کے لحاظ سے اتنے مسلمان پہلے کبھی نہیں تھے جتنے اب ہیں۔ ساتھ ہی علم،

ایمان و ایقان، روحانیت کے لحاظ سے اتنے پست اور زبوں حال کبھی نہ تھے جتنے اب ہیں۔"

کیتھرائن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر خود منصور بن احمد بھی اُداس ہو گیا تھا۔ آخر اس نے کچھ سوچا، اس کے بعد کیتھرائن کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیتھرائن! تمہاری سوچیں، تمہارے اندازے، تمہاری فکر بالکل درست ہے۔ کیتھرائن! تاریخ اسلام کا ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چند سالوں بعد ہی مسلمانوں نے جزیرۂ عرب سے نکل کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلنا شروع کیا تو سخت ترین عداوتوں اور حوصلہ شکن حالات کے باوجود اس قدر آگے بڑھتے رہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے مشرق میں سندھ اور چینی ترکستان تک اور مغرب میں اندلس تک اپنی حکومت اور مملکت کی حدود وسیع کر لیں۔ ان ملکوں میں سیاسی طاقت اور قوت ہی حاصل نہیں کی بلکہ اسلام کی قرآنی تعلیمات اور اسلامی تمدن اور تہذیب کی ناقابل رد دلکشی میں ایسا رنگ جمایا کہ بعض ملکوں کو چھوڑ کر تمام مفتوحہ ممالک خالص اسلامی ملک بن گئے۔

پھر علوم و فنون، ایجادات و اختراعات، تہذیب نفس اور نظام اخلاق کی تدوین میں مسلمانوں نے اپنی ذہنی اور دماغی عظمت و برتری اور مافوق العادت عملی جدوجہد کا ایسا عمدہ ثبوت پیش کیا کہ بڑے سے بڑے معاند اور دشمن مؤرخین ان کو جھٹلانے کی جسارت نہ کر سکتے۔ لیکن اب حالات بالکل دگرگوں ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ان پر ادبار و انحطاط کا تسلط ہے۔ علم و عمل کے ہر میدان میں یہ سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ کہیں جہالت اور نادانی کا دور دورہ ہے، کسی جگہ دوسری اقوام عالم کی تقلید کا سودا ہے۔ کہیں انفرادیت بہرحال اس قدر مضمحل ہو چکی ہے کہ آج کل کے مسلمانوں کو بحیثیت قوم پہلے زمانے کے مسلمانوں کا جانشین یا ان کے منصب و عظمت کا وارث کہنا اپنی ہنسی آپ اُڑانے کے مترادف ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر دکھ بھرے انداز میں کیتھرائن بولی اور پوچھا۔

"آخر اس کی وجہ اور سبب کیا ہے؟"

منصور بن احمد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیتھرائن! اس انقلابِ عظیم کو دیکھ کر فلسفۂ تاریخ کے طالب علم کو قدرتی طور پر ان اسباب کا کھوج لگانے کی جستجو ہوتی ہے جن کی بنا پر مسلمانوں کی ماہیت یکسر منقلب ہو کر رہ گئی۔ ان اسباب کو بیان کرنا اتنا آسان نہیں۔ ان عوامل کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے جو مسلمانوں کی عظیم الشان ترقی کا باعث بنے اور انہوں نے یکجا ہو کر ان کو دنیا کی سب سے بڑی اور صالح ترین قوم بنا دیا ان عوامل کو جاننے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مختلف اندرونی اور بیرونی اثرات کے ماتحت ان عوامل میں کس طرح اضمحلال پیدا ہو رہا ہے اور آخر کار کئی صدیاں گزرنے کے بعد جب یہ تدریجی ضعف اور کمزوری تقریباً اپنے آخری نقطہ تک پہنچ گیا تو اس کا نتیجہ وہ نکلا جو ہم سب کے سامنے ہے۔ اور جس کا دردانگیز نظارہ ہر حساس مسلمان کی آنکھوں کو پیہم دعوتِ خوں نابہ فشانی اور ہر دردمند دل کو مسلسل اذنِ فغاں سنجی اور ماتم سرائی دے رہا ہے۔ مسلمانوں کی اس بدحالی کو چند الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک لمبا سفر ہے، ایک لمبی داستان ہے۔ میں بیان کروں تو تم تھک جاؤ گی۔“

منصور بن احمد کے ان الفاظ پر کیتھرائن چونکی، پھر کہنے لگی۔

”میں نہ تھکوں گی، نہ اُکتاؤں گی۔ میں آپ سے بہت کچھ سننا چاہتی ہوں اور آپ سے بہت کچھ جاننے کے بعد اُمید ہے، مجھے کسی قدر اطمینانِ قلب حاصل ہو گا۔“

کیتھرائن کے خاموش ہونے پر ایک بار پھر منصور بن احمد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

”کیتھرائن! گو یہ معاملہ بڑا تفصیل طلب ہے۔ لیکن چونکہ تم سننے کی خواہش مند ہو لہٰذا میں کچھ تفصیل کے ساتھ تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ کیتھرائن! انسان کے اندر دو اہم قوتیں ہیں۔ ایک سوچنے اور غور کرنے کی قوت، جس کو قوتِ نظری کہتے ہیں۔ یہ قوت اشیائے عالم کی حقیقت دریافت کرتی ہے اور ان کی ہیئت و حقیقت کا کھوج لگاتی ہے۔ پھر مختلف اعمال و افعال کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کرتی ہے کہ کون سا عمل اچھا ہے اور اس لائق ہے کہ اختیار کیا جائے اور کون سا عمل برا ہے اور کس

بنا پر قابلِ ترک ہے۔

اس قوتِ نظری کے اس فیصلہ کے بعد دوسری قوت یعنی قوتِ عملی کو تحریک ہوتی ہے۔ وہ قوتِ نظری کے فیصلہ کے مطابق کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی تحریک کرتی ہے۔ دونوں قوتوں کا تعلق انسان کے نفس سے ہے۔ ایک کو مبداء ادراک، دوسری کو مبداء تحریک کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں قوتوں کے ماتحت مختلف قوتیں ہیں جو اپنے اپنے دائرۂ اثر و عمل میں کام کرتی ہیں۔ تمام فلسفۂ اخلاق کی بنیاد ان ہی دونوں قوتوں کے حرکات سے بحث کرنے پر قائم ہے۔ ان ہی دونوں قوتوں کی بے اعتدالی سے جب یہ افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو رذائل اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور جب ان میں اعتدال پایا جاتا ہے تو ان سے فضائل اخلاق کا ظہور بھی ہوتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، کچھ سوچا، پھر غور سے اپنی بیوی کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیتھرائن! فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں جس چیز کو حکمت کہتے ہیں، ان ہی دو قوتوں کا نام ہے اور یہ حکمت ہے جو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی اساس و بنیاد ہے۔ اس بنا پر زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی، بہرحال اس کی کامیابی اور ترقی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ شخصی و انفرادی یا قومی و اجتماعی قوتِ نظری اور قوتِ عملی دونوں تندرست ہوں، افراط و تفریط سے الگ ہوں اور اعتدال پر قائم رہ کر کسی چیز کو احسن یا قبیح سمجھنے، کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں وہی رویہ اختیار کرے جو صحیح معنوں میں ایک تندرست اور معتدل قوت کو اختیار کرنا چاہیئے۔

جس طرح ہر ایک انسان میں ایک قوتِ نظری اور ایک قوتِ عملی ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح قوم کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے پوری قوم کی ایک قوتِ نظری ہوتی ہے، جس کے آئینہ میں وہ اشیائے عالم کے حُسن و قبح کو دیکھتی ہے اور جانتی ہے۔ اور اس طرح ایک ہی اس پوری قوم کی قوتِ عملی ہوتی ہے۔ اس کے باعث قوم کے تمام افراد متحد و متفق ہو کر کوئی کام کرتے ہیں۔ اس وقت ان افراد کے عقائد اور اعمال میں ایک ہم آہنگی، یکسانیت اور استواری پائی جاتی ہے۔

ان سب کا مرکزِ نگاہ ایک ہوتا ہے۔ ایک مقصد، ایک ہی جذبے کے تحت تمام

حرکات ہوتی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اس قوم کے مزاج میں فتور نہیں آیا، اس کے دماغ اور اس کے اعضاء و جوارح سارے تندرست ہیں تو اس قوم کا ہر اقدام مستحسن اور ہر عمل نیک ہوگا اور یہ قوم دنیا کے تمام انسانوں کے لئے رحمت اور برکت کا سرچشمہ ہوگی اور یہ قوم جس کسی سمت کا رخ کرے گی، باطل اور شر و فساد کی تمام ظلمتیں خود بخود چھٹتی چلی جائیں گی۔ حق اور صداقت کے آفتاب کی شعاعیں لحہ بہ لحہ وسعت پذیر ہوتی رہیں گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، کیتھرائن کا جائزہ لیا جو بڑی حیرت اور غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ منصور بن احمد نے گفتگو کا سلسلہ پھر شروع کیا اور کہنے لگا۔

"کیتھرائن! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اور اب تک جو کچھ میں نے کہا ہے، اس کا مدعا یہ ہے کہ اگر ہم اسلام کی تعلیم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تمام اسلامی تعلیمات اصولی اور اساسی طور پر دو چیزوں سے متعلق ہیں۔ ایک انسانی عقیدہ اور دوسری انسانی عمل اور کردار۔

عقیدہ کا تعلق قوتِ نظری سے ہے اور عمل و کردار کا تعلق قوتِ عمل سے ہے۔

بہرحال اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے ان دو قوتوں کی حدود، عمل اور ان کے فرائض و واجبات کا تعین کر کے انسان کے ہاتھ میں ایک ایسا دستور محکم دے دیا۔ جس کی روشنی میں بالکل صاف طریقے سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قوتِ نظری سے کس چیز کے متعلق احسن ہونے اور کس کی نسبت قبیح ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اسی نسبت سے قوتِ عملی کو مرغوبات اور مکروہات کی دنیا میں عمل کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ اسلام کا دستورِ اساسی یعنی قرآنِ مقدس اوّل سے آخر تک ان ہی امور کی تشریح اور توضیح، ان ہی حدود کے بیان کی تفسیر پر مشتمل ہے اور اس بنا پر یہ کہنا بے مبالغہ ہوگا کہ اسلام کا منشاء انسان کی قوتِ نظری اور قوتِ عملی کو کامل اور مکمل کر کے اسے حکمتِ بالغہ کا درس دینا اور اس طرح اس کو حقیقی طور پر اشرف المخلوقات بنانا ہے اسی بنا پر خداوند قدوس نے کتابِ مقدس یعنی قرآن میں بتایا ہے۔

(ترجمہ) "بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے، جب ان کے درمیان میں ایک رسول بھیجا، وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے

ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔"

غرض یہ کہ قرآن ایک ایسا دستور العمل اور نظامِ اخلاق و عقائد ہے کہ اگر قوتِ نظری اور قوتِ عملی دونوں کی حرکت اس دستور کی روشنی میں ہوگی تو ان قوتوں کے مالک میں حکمت پیدا ہو جائے گی۔ جس طرح اگر شخصِ واحد اپنے تمام عقائد اور اعمال کی بنیاد اس پر رکھ لے تو اس کی زندگی کامیاب ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح جو قوم قرآن کو عقیدہ اور عمل دونوں میں اپنا اسوہ بنائے گی، وہ بلاشبہ دنیا میں سب سے زیادہ صالح اور کامیاب ترین قوم ہوگی اور اسے حق ہوگا کہ سب سے بلند اور ارفع ہو کر رہے۔

جہاں تک اسلامی عقائد اور اعمال کا تعلق ہے، جن کو مسلمانوں کے عروج اور ترقی میں دخل ہے تو یہ ایسا عقیدہ ہے جو انسانی قوتِ نظری اور قوتِ عملی کو کامل بنانے کے سلسلے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور مسلمانوں کے قومی کردار پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور یہ عقیدہ توحید کا ہے۔ توحید کا تعلق قوتِ نظری سے ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلامی عقائد کی اساس و بنیاد اسی عقیدہ پر قائم ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد یہ ہے کہ انسان خداوند قدوس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق اور اس کے اختیارات میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ وہ دل سے اس بات کا یقین رکھے کہ تمام نفع اور ضرر کا مالک صرف خدا ہے اور ہم اس کی مخلوق ہیں۔ ہم سب صرف اس کی اطاعت و عبادت کریں گے، کسی اور چیز کے سامنے پیشانی نہیں جھکائیں گے۔ ہمارا رزق، موت اور زندگی، عزت و ذلت، کامرانی اور ناکامی، دولت اور غربت سب کا ملنا محض خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ کوئی شخص خواہ اپنے زمانے کا کتنا ہی بڑا حکمران ہو، ان چیزوں میں کسی کا ذرا بھی مالک اور مختار نہیں ہے۔ اس بنا پر ہمیں صرف خدا ہی سے ڈرنا چاہئے، اسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں اور جو کچھ مانگنا ہو اسی سے ہی طلب کرنا چاہئے۔ اس یقین کے ساتھ دل سے اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہئے کہ سب انسان برابر ہیں۔ کوئی کسی کا حاکم اور کوئی کسی کا محکوم نہیں۔ کسی شخص کو دوسرے پر آمرانہ چیرہ دستی حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے قانون کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی قانون بنا کر اللہ کے بندگان پر لازم کرے۔

البتہ نظامِ زندگی کو چلانے کے لئے صلاحیت و استطاعت کے مطابق تقسیم عمل کی

ضرورت ہو گی۔ اس بنا پر کوئی امیر ہو گا، کوئی غریب اور کوئی قاضی ہو گا اور کوئی مفتی ہو گا اور کوئی صناع اور تاجر لیکن ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زیادتی، فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہو گی۔ مرتبہ انسانیت میں سب برابر ہوں گے۔

چنانچہ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام بھلائیاں اور حقیقی فلاح و بہبود انہی خوش نصیب انسانوں کے لئے ہے جو اپنی ہستی کو خدا کے وجود ابدی اور سرمدی میں فنا کر کے اپنی ذاتی خواہش یا جذبہ رکھتے ہی نہیں، ان کی محبت، عداوت، فقیری، درویشی، امارت و ثروت اور اہل عالم سے مختلف باہمی تعلقات یہ سب خدا کے لئے ہیں اور اس کے حکم کے تحت اسی کی بندگی بجا لانے کے لئے ہیں

چنانچہ عقیدۂ توحید کو اپنانے' کے بعد جو قوم اس عقیدہ کو دل و دماغ میں جاگزیں رکھے اور نہ صرف زبان سے اس کا اقرار کرے بلکہ اس عقیدہ کی ایسی حقیقی کیفیت اس کے دل میں مرتب ہو کہ لاکھ منفی دلائل کے باوصف اس میں ذرا برابر تذبذب پیدا نہ ہو سکے تو ایسی قوم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دستور پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اسی عقیدہ کا اثر تھا کہ دورِ اول کے مسلمان اپنے وجود کی انفرادیت کو یکسر بھلا کر اپنے آپ کو خدا کے وجود کا ایک پرتو سمجھتے تھے اور گویا ان کے منہ سے صرف وحدت کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

اس بنا پر دورِ اول کے مسلمانوں کی نگاہ بلند تھی۔ ان کے حوصلے اعلیٰ، ہمت ناقابل شکست و زوال تھی۔ ان کا ایمان تھا کہ ہمارا جینا مرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا سب خدا کے لئے ہے۔ ہمارا مقصدِ زندگی خدا کے احکامات کی بجا آوری اور اس کے اوامر و نواہی کی دنیا میں تبلیغ و اشاعت ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کا کوئی مصرف نہیں ہے۔

اس قوی تصور اور ایمان محکم کی وجہ سے ایک طرف وہ دنیا کی بڑی سے بڑی شہنشاہیت اور دنیاوی جاہ و حشم سے ذرا برابر مرعوب نہیں ہوتے تھے، دوسری جانب چونکہ ان کے عزائم مستحکم اور ایک مرکز لاہوتی سے وابستہ ہو جانے کی بنا پر ان کے ارادے پہاڑ کی طرح مضبوط اور اٹل تھے اسی لئے ان کے واسطے کوئی مانع نہیں تھا۔ یہ وہ راز ہے جو ان کے دل میں پوشیدہ تھا۔ اس نے مکمل مختلف اخلاقی شکل میں ظاہر ہو کر ان سے حیرت انگیز کارنامے ظہور پذیر کرائے جو قوتِ ارادی کی عجوبہ کاریوں سے

ہیں۔ انہیں اس بات کو باور کرانے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے کہ ایک قوم عالم کے مبدأ فیض سے اپنا رشتہ استوار کر کے دنیا میں کیسے کیسے عجیب و غریب کارنامے سرانجام دے سکتی ہے۔

چنانچہ قرآن مقدس ہمیں واضح طور پر یہ رہنمائی دیتا ہے کہ کون سے کام ہمارے کرنے کے ہیں اور کن کاموں سے ہم نے دور رہنا ہے۔ چنانچہ ان عوامل کو اپنانے کے بعد کسی شخص یا کسی قوم کے خلاف نفرت کے جذبات نہ ہوں گے۔ ایسی جماعت حق کی علمبردار، باطل کے لئے آہنی دیوار، ایک تیز تلوار ثابت ہو گی۔ اس کی نظر میں امیر غریب، شاہ و گدا، گورے کالے، عربی عجمی سب برابر اور یکساں ہوں گے۔ ذاتی خصومت شخصی بغض اور عناد کے باعث اس جماعت کا کسی شخص یا کسی قوم سے کوئی لگاؤ نہ ہو گا۔ ملک گیری اور ملوکیت پرستی کا اس جماعت کے وہم و گمان میں بھی گزر نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اس جماعت کو خدا پر بھروسہ ہو گا۔ اس لئے جس کام کا عزم کر کے اٹھے گی، اسے مخالفت و مقاومتِ شدید کے باوجود پورا کر کے رہے گی۔ اس جماعتِ ذیشان کا ہر فرد صاحب علم و نشان، ایک گدائے گوشہ نشین کی طرح متواضع، منکسر اور فروتن ہو گا اور وہ اپنی دولت اور امارت کو عطیۂ خداوندی سمجھ کر خلق اللہ کی خدمت کے لئے وقف کر دے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر کہنے لگا۔

"کیتھرائن! اب تک جو کچھ میں نے کہا ہے، اس میں کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کی شہادت تاریخ کے صفحات میں پڑھی جا سکتی ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے بہادر اور شیر افگن، رستم سہراب پیدا ہوئے مگر بتاؤ! کیا کسی قوم میں کوئی بہادر علیؓ جیسا بھی پیدا ہوا جس نے اپنے سخت ترین دشمن جاں کافر کو اس پر قابو پانے کے بعد محض اس لئے چھوڑ دیا کہ اس نے ان کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ اگر اب وہ اسے قتل کرتے تو اس میں ذاتی انتقام کا شائبہ پیدا ہو جاتا۔

دنیا میں بڑے بڑے عادل، انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ گزرے ہیں مگر کیا کوئی قوم عمرؓ فاروق جیسا بھی حکمران پیش کر سکتی ہے جو پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر اور فرشِ خاک پر بیٹھ کر عرب و ایران کی قسمتوں کے فیصلے کرتا تھا اور جسے بیوہ اور غریب

عورتوں کے چولہے میں آگ جلانے اور کھانا پکانے میں دریغ نہیں ہوتا تھا۔

قوم اور وطن کے لئے عظیم الشان قربانیاں دینے والوں کی کمی نہیں لیکن انسانی جدوجہد کی پوری تاریخ بھی خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی ہے؟ فتنہ پردازوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا، یہاں تک کہ ایک شخص آپ کے مکان میں داخل ہو کر آپ کو قتل بھی کر دینا چاہتا تھا مگر صاحب خلافت و امارت ہونے کے باوصف آپ لوگوں کے مقابلے میں کسی ایک شخص کو بھی تلوار اٹھانے کی اجازت محض اس لئے نہیں دیتے تھے کہ کہیں فتنہ کے دروازے کا کھلنا آپ ہی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

ان خلفاء میں انتہائی شجاعت و دلیری کے ساتھ ایک تواضع، فروتنی اور خدا ترسی سیاسی طاقت اور قوت کے باوجود معمولی درجہ کے انسانوں کے ساتھ بالکل مساویانہ بلکہ خادمانہ برتاؤ، شدت وصولت کے ساتھ رحم دلی اور فقیری اور مفلسی کے ساتھ کامل استغنا اور اطمینان نفس و کمال دولت کے ہوتے ہوئے حیرت انگیز بے نفسی اور بے غرضی قبائلی عصبیت کی مسموم آب و ہوا میں پرورش پانے کے باوجود اسلام قبول کرتے ہی ان میں ایسا انقلاب پیدا ہو جاتا کہ اسلام قبول کر کے جو ان کا بھائی بن جاتا ہے، اس کے لئے وہ سب کچھ قربان کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ہو جاتے تھے۔

ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اوصاف کمالات خلافت راشدہ کے عہد میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ اس بنا پر عہدِ نبویؐ کو مستثنیٰ کر کے پوری تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ روشن اور عظیم الشان زمانہ یہی ہے۔ اس زمانے کا نظام حکومت حقیقی معنوں میں کسی بھی حکومت کی نسبت بہترین کہلایا جا سکتا ہے۔

خلفاء راشدین نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ظاہری نمود و شان کا انہیں شوق نہ تھا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت سے پہلے کسی لڑکی کی بکری کا دودھ دوھیا کرتے تھے۔ آپ خلیفہ ہوئے تو لڑکی بولی۔ اب ہمارا دودھ کون دوہا کرے گا؟ ابوبکرؓ نے سن کر فرمایا۔

''خلافتِ مجھ کو خدمت خلق سے تو باز نہیں رکھ سکتی۔ میں ہی دوھیا کروں گا۔''

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جس سادگی سے زندگی بسر کی، جس سادگی سے وہ رہتے تھے، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ شان یہ تھی کہ آپ کے لشکر نے ایران کی ساسانی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے سامنے آپ کا نام آتا تو بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ امیر معاویہؓ اور خالدؓ جیسے سالاروں سے باز پرس ہوتی تھی تو کیا مجال کہ ان میں سے کسی کی پیشانی پر ناراضگی اور عدولِ حکم کی ایک شکن بھی پڑ سکے۔ لیکن اس شانِ جبروت اور سطوت کے باوجود سادگی کا یہ عالم تھا کہ لباس پر پیوند لگا ہوتا تھا، سر پر پھٹا پرانا عمامہ اور پاؤں میں بہت ہی معمولی جوتا ہوا کرتا تھا۔

سفر میں جلیل القدر خلیفہ کو خیمہ کی ضرورت نہیں تھی۔ چلتے چلتے جہاں نیند آتی وہیں کسی درخت کے سایہ میں پڑ کر سو رہتے۔ مکان میں دربان کا اہتمام نہیں تھا۔ جو شخص جس وقت چاہے بے تکلف آ کر مل سکتا تھا اور اپنی ضروریات بیان کر سکتا تھا۔ پھر خلافت کی ذمہ داری کا احساس اس قدر شدید تھا کہ خود غریبوں، بے کسوں کی خبر گیری کرتے تھے اور ضرورت ہوتی تو ان کے گھروں کا کام بھی کر آتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے باوصف انہیں گھر کا کام کرنے اور بازار سے سودا سلف لانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا۔

انصاف کا یہ عالم تھا جب فاروقِ اعظمؓ کے بیٹے نے شراب پی تو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے ان کو کوڑے مارے جس کے صدمے سے وہ قضا کر گئے۔ چنانچہ ابنِ مظعونؓ جو حضرت عمرؓ کے سالے اور بڑے رتبے کے صحابی تھے، جب اس جرم میں ماخوذ ہوئے تو اعلانیہ ان کو اسّی درے لگوائے۔ گورنر مصر، حضرت عمروؓ بن العاص کے متعلق جب ایک قبطی نے آ کر ظلم و زیادتی کی شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے فوراً ان کو مصر سے طلب فرما کر سزا دی۔

انتہا یہ کہ اگر خلیفہ خود بھی کسی معاملے میں مدعی ہوتا تو وہ عام لوگوں کی طرح عدالت میں حاضر ہو کر اپنا مطالبہ پیش کرتا تھا اور قاضی خلیفہ کی شخصیت کو نظر انداز کر کے وہی فیصلہ کرتا تھا جو اسے از روئے شریعت دوسرے لوگوں کے حق میں کرنا چاہئے تھا۔

چنانچہ فاروقِ اعظمؓ جو بڑے جاہ و جلال کے خلیفہ تھے، ایک مرتبہ ابی بن کعبؓ سے آپ کا تنازع ہو گیا۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ

اس سلسلے میں ان کے پاس گئے تو وہ تعظیماً کھڑے ہو گئے، اپنی جگہ خالی کر دی۔ حضرت
عمرؓ نے فرمایا۔

"یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمے میں کی۔"

یہ کہہ کر آپ اپنے فریق کے برابر جا کر بیٹھ گئے۔

اس کے علاوہ یہی خلفاء اس بے غرضی اور خلوص کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔
ان خلفاء راشدین نے بیت المال کے ایک ایک پیسے کی حفاظت کی اور اس کے صرف
میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ وہ اس کو حقیقتاً قوم کی امانت سمجھتے تھے اور اس بنا پر اس
کوئی پیسہ اپنی ذات یا اپنے خاندان کے کسی فرد کے آرام و آسائش پر خرچ کرنے کو حرا
سمجھتے تھے۔

جو خلفاء بیت المال سے اپنی معاشی ضروریات کے لئے لیتے تھے، وہ صرف ا
قدر کہ اس سے زندگی کی ابتدائی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ایک مر
بیمار ہوئے۔ دوا میں شہد تجویز کیا گیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا۔ لوگوں نے کہا، ا
میں سے لے لیجئے۔ مگر آپ نے مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اسے لینا گوارا نہ کیا
چنانچہ آپ نے مسجد نبوی میں تشریف لا کر مسلمانوں سے شہد کے استعمال کی باقا
اجازت لی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، سوچا، دم لیا، اس کے بعد غور سے ا
بیوی کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیتھرائن! یہی وہ خوبیاں تھیں جو دورِ اوّل کے مسلمانوں میں تھیں۔ ان کی
خوبیاں، ان کی کامیابی اور ان کی کامرانیوں کا باعث بنتی رہیں۔ انہوں نے وحدانیہ
اور توحید کے جذبے کو اپنے جسم کا ایک جزو بنا لیا تھا جس کی بنا پر ان کے اندر ایک
جذبہ پیدا ہوا جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب اور کسی بھی خطے میں پیش نہیں کی جا سکتی
لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم نے ان کے اعمال اور ان کے کارناموں کو ایک طرف رکھ
اور ان کی بے نفسی اور بے غرضی کو پس پشت ڈال کر اپنی غرض اور اپنے نفس کے بندے
بن کر رہ گئے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد تھوڑی دیر کے لئے رکا، کچھ سوچا، پھر کیتھرا

ئن کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ کہہ رہا تھا۔

"کیتھرائن! اسلامی عقائد اور اعمال کی اصل روح کو معلوم کر لینے کے بعد یہ بات
بڑی سمجھ میں آجاتی ہے کہ جو جماعت ان پر کاربند اور عمل پیرا ہو گی، اسے بے شبہ دنیا
کی سب سے مہذب، شائستہ اور اخلاقِ صالح کا مالک ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہی وہ
جماعت ہو گی جس کے دل میں کسی شخص یا کسی قوم کے خلاف ذاتی نفرت و عناد کے
جذبات نہیں ہوں گے۔ یہ جماعت حق کی علمبردار اور باطل کے لئے آہنی دیوار اور تیز
تلوار ہو گی اس کی نظر میں امیر غریب، شاہ و گدا، گورے کالے، عربی عجمی سب برابر ہوں
گے۔ ذاتی فضیلت، شخصی بغض و عناد کے باعث اس جماعت کا کسی شخص یا قوم سے کوئی
بگاڑ نہ ہو گا۔

دوسری طرف اسی جماعت کو خدا پر بھروسہ ہو گا اور اس لئے جس کام کا عزم کر کے
اٹھے گی، اسے مخالفت اور عنادِ شدید کے باوجود پورا کر کے رہے گی۔ جو ان میں فقیر اور
مفلس ہوں گے، ان کے ہاتھ اگرچہ خالی ہوں گے، ان کے گھروں میں شاید کھانے کو
بھی نہ ہو لیکن ان کی آنکھوں میں بے غرضی کا نور چمکتا ہو گا۔ ان کی پیشانیوں سے
قناعت اور صبر کا اطمینان برستا نظر آئے گا۔

قلتِ مال بلکہ فقدانِ مال کے باوجود ان کے اندر ایک اعلیٰ پائے کا جذبہ ہو گا۔ جاہ
و جلال عظیم ان کی شکل و صورت سے آشکارا ہو گا۔ یہ خدا کے ہوں گے اور خدا ان کا ہو
گا۔ جدھر یہ رخ کریں گے، اقبال اور ظفر مندی ان کے قدم چومے گی۔ ان کو
ہتھیاروں کی بھی ایسی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ جس طرف نگاہ اٹھائیں گے،
قوم و جماعتوں کی تقدیروں کو پلٹ کر رکھ دیں گے۔ یہ جس زمین پر اپنے گھوڑے
دوڑائیں گے، زمین اپنے خزانے اُگل کر ان کی کنجیاں ان کے ہاتھوں میں دیدے گی۔
یہ صرف خشکی اور زمین پر نہیں بلکہ سمندروں کی طوفانی موجوں میں بھی حق کا علم
سرفراز اور سربلند کرنے کے لئے کود پڑیں گے۔ متلاطم موجیں ان کے عزائم کو نہ روک
سکیں گی۔ اور پھر ہمارے خلفائے راشدین کی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک مثال
ہے۔ خلفائے راشدین جس طرح زہد و قناعت، سادگی اور بے غرضی اور بے نفسی کی
زندگی بسر کرتے تھے، اسی طرح وہ اس بات کی بھی شدید نگرانی کرتے تھے کہ عمال اور

دوسرے عہدیدارانِ حکومت بھی اسی طور طریقہ پر زندگی بسر کریں۔

اوّل تو ان لوگوں کا انتخاب بھی بڑی احتیاط سے ہوتا تھا۔ پھر انتخاب کے بعد ہر ایک سے عہد و پیمان لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑا نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، حاجت مندوں کے لئے اس کا دروازہ کھلا رہے گا۔

ہر عامل کی آمدنی اور اس کے اخراجات وغیرہ کی بڑی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ چنانچہ اگر کسی عامل کا سامان یا اخراجات اس کی آمدنی سے زیادہ معلوم ہوتے تھے تو فوراً اس سے احتساب ہوتا تھا۔

فاروقِ اعظمؓ نے اپنے دور میں جو عمال مقرر کئے، روانگی کے وقت ان سے کھانے پینے اور لباس کے متعلق عہد لیتے تھے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ عمدہ کھانا کھانا اور باریک لباس پہننا حضرت عمرؓ کے نزدیک ناجائز یا حرام تھا۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں جفاکشی کی عادت رہے کہ ان کی زندگی سپاہیانہ ہو اور سب کا طرزِ معاشرت یکساں نظر آئے۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت عمرؓ کو سفید روٹی یعنی میدے کی روٹی پیش کی گئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا سب مسلمان یہی کھاتے ہیں؟ جواب نفی میں ملا تو آپ نے فرمایا۔ تو بس اب ہم بھی اسے نہیں کھائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد کچھ اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہا۔ اُس کی اس حالت کو کیتھرائن نے بھانپ لیا تھا۔ اپنی جگہ سے اُٹھی، کسی ردِعمل کا اظہار کرنا چاہتی تھی کہ منصور بن احمد دُکھ بھری آواز میں پھر بول اٹھا۔

''اسلام کے اوّلین دور میں جو مسلمان جماعت پیدا ہوئی، وہ چونکہ فکری اور نظری اعتبار سے عقیدۂ توحید پر ایمانِ صادق اور راست رکھتی تھی اور پھر عملی لحاظ سے اس کے تمام کاموں میں عبادات، معمولات میں اخلاق، عادات میں ارتقاء کی روح کارفرما تھی، اسی بنا پر وہ جماعت دنیا کی سب سے زیادہ صالح جماعت تھی اور بقائے صلح کے قانون فطری کے مطابق اس جماعت ہی کو حق تھا کہ وہ سب پر فائق اور برتر ہو کر رہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد پھر رک گیا۔ چہرے پر اُداسی اور فکرمندی ... منصور بن احمد کی پ... مزید گہری ہو گئی۔ اس پر کیتھرائن نے معاملے کو

...ئی، اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے بڑی چاہت اور محبت سے بولی۔

''میں جانتی ہوں، آپ یہ حالات سناتے ہوئے اُداس اور افسردہ ہو گئے ہیں۔ ...اٹھیں، آرام کریں۔ میں بستر درست کرتی ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی کیتھرائن پیچھے ہٹی۔ پھر وہ بستر درست کرنے لگی تھی۔

○○○○○

ہلاکو خان جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ فلسطین کے شمال ...پہنچ گیا تھا۔ یہاں اس نے ایک روز پڑاؤ کر رکھا تھا کہ اس کے کچھ مخبر پڑاؤ میں ...ل ہوئے۔

ہلاکو خان کو جب ان کی آمد کی اطلاع دی گئی، تب ہلاکو خان نے فوراً انہیں طلب کر ...وہ تعداد میں تین تھے۔ جب انہیں ہلاکو کے خیمے میں اس کے سامنے پیش کیا گیا تو ...وقت کسی اہم معاملہ پر غور کے لئے ہلاکو کے پانچوں بیٹے اور سارے سالار بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہلاکو نے کچھ دیر تک آنے والے ان تینوں مخبروں کا جائزہ ...پھر کہنے لگا۔

''اگر تمہارے پاس کوئی خبر ہے جو تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو تو کہو۔ ساتھ ہی مجھ پر یہ ...انکشاف کرو کہ تم کس سمت کی خبریں رکھتے ہو؟''

جواب میں ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

''ہم شمالی علاقوں کی طرف سے آئے ہیں اور وہاں ہمیں کافی نقصان کا سامنا کرنا ...اہے۔''

یہ الفاظ سن کر ہلاکو خان چونکا تھا۔ اس کے بیٹے اور سارے سالار بھی کبھی ہلاکو خان کبھی آنے والے مخبروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہلاکو خان کے کہنے پر ...یہ مخبر بولا اور تفصیل بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

''خاقان! مسلمانوں کا وہی سالار جو اس سے پہلے کسی دور میں بغداد کے لشکریوں ...کا سالار ہوا کرتا تھا اور جس کا نام منصور بن احمد ہے، ہمارے نقصان کا لگاتار ...باعث بنتا جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں، حلب اور حمص دونوں شہروں پر ہمارا قبضہ ہو چکا ...اور وہاں ہمارے خاصے لشکر تھے۔ اس منصور بن احمد نے پہلے اپنے لشکر کے ساتھ

حلب کا رخ کیا۔ وہاں جو ہمارا لشکر تھا، اسے اس نے شکست دی، اکثریت کو موت
گھاٹ اتار دیا اور حلب شہر پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔ حلب شہر میں حلب کے لوگوں
کے کہنے پر اس نے وہاں اپنے سالار حسام الدین جوکندار کو حاکم مقرر کیا اور باقی
لے کر وہ بڑی برق رفتاری سے حمص کی طرف بڑھا تھا۔

حمص میں جو ہمارا لشکر تھا، اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ حمص کے نواح میں ا
منگول نے منصور بن احمد کو انفرادی مقابلہ کے لئے للکارا لیکن ہمارے اس ساتھی
بدقسمتی، وہ منصور بن احمد کے ہاتھوں انفرادی مقابلہ میں مارا گیا۔ اور جب اجتماعی
ہوئی تو منصور بن احمد نے ہمارے اس لشکر کو بھی بدترین شکست دی اور اسے مار بھ
اس کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس طرح اس نے حمص پر بھی قبضہ
تھا۔ اس کے بعد جب یہاں سے آپ کے حکم پر مزید لشکر حمص اور حلب کی طرف ر
ہوئے تو منصور بن احمد نے عجیب چال چلی۔ حلب شہر میں جو پہلے سے محافظ لشکر تھا
نے اسے حلب میں رہنے دیا اور جو دستے اس نے اپنے سالار حسام الدین جوکند
کمانداری میں دیئے تھے، انہیں حمص میں بلا لیا۔ اس طرح اس کا ساتھی حسام الدین
حلب پہنچ گیا۔ وہاں ہمارے نئے لشکر سے ان کا مقابلہ ہوا۔ ہماری بدقسمتی اور مسلم
کے اس سالار کی خوش بختی کہ اسے بھی اس نے بدترین شکست دی۔ وہ لشکر بھی اب
ہی شکست اٹھا کر آپ کے پاس پہنچنے والا ہے۔ منصور بن احمد نے وہاں اپنا ایک
مقرر کیا، اس کے بعد وہ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے حلب کی طرف بڑھا۔ اس
حلب شہر کا ہمارے ایک نئے لشکر نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسے بھی اس منصور بن احمد
شکست دی اور اسے نقصان پہنچا کر بھگا دیا۔ وہاں بھی اس نے حلب کے لوگوں
سے ایک کو حاکم مقرر کیا، اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ واپس کوہستانی قبچا
طرف جا چکا ہے۔"

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد ہلاکو نے اپنے مخبروں کو جا کر آرام کرنے کے
کہا۔ کچھ دیر وہ گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر اپنے سارے سالاروں کا جائزہ
کہنے لگا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ منصور بن احمد جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا ہے۔ اپ

بھی جانتا ہے اور اپنے مخالفتوں کو شکست دینے کے ہنر سے بھی واقف ہے۔ جہاں
تک میرا خیال ہے، اب تک ہمارے سالاروں کو ایک ایک یا دو بار شکست سے دوچار کر
چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، خلیفۂ بغداد کی یہ بڑی گہری نظر اور اُس کا بہترین انتخاب تھا کہ
اُس نے اس منصور بن احمد جیسے نوجوان کو اپنے لشکریوں کا نائب سالار مقرر کیا۔ میں
سمجھتا ہوں، خلیفۂ بغداد کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ فتح الدین جو مارا جا چکا ہے، وہ اگر
زندہ ہوتا تو میرا خیال ہے کہ وہ بھی اس منصور بن احمد کی طرح ہمارے لئے نقصان کا
باعث بنتا۔

آج میں تم سب لوگوں کے سامنے نیلے جاودانی آسمان کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس
منصور بن احمد کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ اس لئے کہ اس نے اب تک ہمیں ناقابل
تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے لشکری جو اس سے پہلے فتح اور کامیابی
کے عادی تھے، ان کے اندر حوصلہ شکنی پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے تین
لشکروں کو لگاتار شکست دے کر ان کے لئے ناقابل تسخیر ہونے کے جذبہ کو چکنا چور اور
کرچی کرچی کر کے رکھ دیا ہے۔"

اس موقع پر ہلاکو خان کا سالار مہرتاق بولا اور ہلاکو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"خاقان! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم یہاں سے شمال کی طرف پلٹیں اور جہاں کہیں بھی
یہ منصور بن احمد ہے، وہاں تابڑ توڑ حملے کرتے ہوئے اسے گرفتار کریں اور ہر صورت
میں اس کی گردن کاٹیں۔ اس طرح آپ کی وہ قسم بھی پوری ہو جائے گی جو آپ نے
ابھی اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی کھائی ہے اور شمال کا علاقہ بھی ہمارے لئے محفوظ
ہو جائے گا۔"

ہلاکو نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"مہرتاق! میں جانتا ہوں تم ایک عمدہ سالار ہو۔ میرے بیٹوں کے اتالیق بھی رہے
ہو، لیکن تمہاری یہ تجویز قابل عمل نہیں۔ اب ہم جنوب کی طرف آ چکے ہیں۔ واپس شمال
کی طرف پلٹ کر جائیں گے تو جنوب کی طاقتیں اپنے آپ کو مزید پُرقوت بنا لیں گی۔
تم جانتے ہو، جس وقت خاقان منگو خان نے مجھے لشکر دے کر ان علاقوں کی طرف بھیجا
تو اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں مسلمانوں کے خلاف مصر تک یلغار کرتا

چلا جاؤں۔ اگر میں یہاں سے پلٹ کر پھر شمال کی طرف رخ کرتا ہوں تو یاد رکھنا مجھے
خدشہ ہے کہ شمال کی دو بڑی قوتیں برقائی خان اور منصور بن احمد مجھے اپنے ساتھ ایک
لمبے عرصے کے لئے جنگ میں مصروف کرلیں گی جس کے نتیجے میں مصر کے حکمرانوں کو
اپنی طاقت اور قوت بڑھانے کا موقع مل جائے گا۔ اور پھر وہ وقت بھی آجائے گا کہ مصر
کے لشکری جنوب سے نکلیں گے، ہمارے لئے وہ مصیبت کھڑی کریں گے جسے ہم ٹال
نہیں سکیں گے۔

یاد رکھو! شام کا علاقہ ہمارا اصل مقصد نہیں ہے۔ یا تم یوں کہہ سکتے ہو کہ مسلمانوں
کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ہمیں ایرانیوں نے دعوت دی تھی۔ گویا میں کہہ سکتا
ہوں کہ مسلمانوں کے خلاف ایرانی ہمارے ساتھ ہیں۔ ان میں جوینی خاندان بھی شامل
ہے۔ اس میں نصیر الدین طوسی بھی شامل ہے اور بہت سے لوگ بھی ہیں۔ اور پھر تم لوگ
جانتے ہو، بغداد کا وزیر ابنِ علقمی بار بار ہمیں مسلمانوں کی خلافت پر حملہ آور ہو کر اس کا
خاتمہ کرنے کے لئے پیغام بھیجتا رہا ہے، ہمیں مختلف ترغیبات دیتا رہا ہے۔ اس بنا پر
ہمارے لئے ایران کی سرزمین محفوظ اور نفع بخش ہے اور ان سارے عوامل کو سامنے رکھتے
ہوئے میں نے ایرانی شہر مراغہ کو اپنا مرکزِ حکومت بنایا ہے۔ شام کے علاقے میں اس
وقت زیادہ تر عرب اور ترک ہیں یاد رکھنا یہ عرب اور ترک بلا کے جنگجو ہیں۔ یہ جو منصور
بن احمد ہمارے مختلف لشکروں کو شکست سے دوچار کرتا آرہا ہے تو اس کی کمانداری میں
لڑنے والے بھی عرب، ترک اور کرد ہیں۔ ان میں کوئی ایرانی نہیں اور یہ تینوں قومیں
یعنی عرب، کرد، ترک اپنی جان پر کھیلتے ہوئے ہمارے خلاف حرکت میں آتے ہیں اور
اپنی کامیابی اور کامرانی کو یقینی بنا جاتے ہیں۔

میرے ساتھیو! سنو، یہاں سے ہم جنوب کی طرف پیش قدمی کریں گے اور ہمارا
ایسا کرنا ہی ہمارے لئے سود مند اور بہتر ہے۔ پہلے ہم مصر کے حکمرانوں کی طرف اپنے
قاصد بھجوائیں گے تاکہ وہ لڑے بغیر ہمارے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا
کرتے ہیں تو ان کی بہتری ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر مصر کی سرزمینوں پر حملہ آور
ہو کر ہم تباہی اور بربادی کا وہ کھیل کھیلیں گے کہ اس سے پہلے مصریوں نے نہ دیکھا ہو
گا۔ مصری شاید فرانس کے بادشاہ لوئی کو شکست دینے کے بعد کسی فریب اور دھوکے کے

ہو گئے ہیں کہ وہ ہر دشمن کو مار بھگانے کی ہمت اور جرأت رکھتے ہیں۔ لیکن جب ہم
برسرِ پیکار ہوں گے تو وہ اپنی ساری جرأت مندی اور دلیری کو بھول جائیں گے۔ چنانچہ
مصر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے حالات اپنے ہاتھ میں کر کے ہم پلٹیں گے اور شمال
کی طرف بے خطر ہو کر برقائی خان اور منصور بن احمد کے خلاف ایسی ضرب لگائیں گے کہ
آنے والے دور میں ان کے سامنے دو ہی راستے ہوں گے۔ یا تو ہمیشہ کے لئے ہمارے
مطیع اور فرماں بردار بن کر رہیں یا ہمارے ہاتھوں اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہو
جائیں۔ ہمیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مزید لشکر شمال کی طرف
بھجوائیں گے جو نہ صرف حلب، حمص اور دمشق بلکہ دوسرے شہروں پر بھی اپنی گرفت
مضبوط اور مستحکم رکھیں گے۔"

اس کے بعد ہلاکو اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سارے سالاروں کو اپنے ساتھ آنے
کے لئے کہا تاکہ جس لشکر نے مصر کی طرف پیش قدمی کرنی تھی، اسے علیحدہ رکھا جائے
اور جو دستے عرضِ شام پر اپنی گرفت کو برقرار رکھنے کے لئے بھیجے جانے تھے، انہیں علیحدہ
کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ہلاکو اپنے سارے سالاروں اور بیٹوں کے ساتھ اپنے
خیمے سے نکل گیا تھا۔

OOOOO

دوسری طرف مصر میں ان دنوں مملوکوں کی حکومت تھی۔ وہ چنگیز خان کے دور میں کوہستانِ قپچاق سے نکل کر ہجرت کرتے ہوئے مصر کی طرف گئے تھے۔ اس وقت سقوطِ بغداد کے وقت مصر کی حالت یہ تھی کہ اس پر پندرہ سالہ ملک منصور حکمران تھا۔ اہلِ مصر منگولوں کی ستم گری کی خبریں مدت سے سن رہے تھے لیکن دوسرے ملکوں کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے ان میں حرکت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ شاید اس لئے کہ وہ منگولوں کے طوفان کو مصر سے دور اور اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔ یا اس لئے کہ وہ اپنے اندر منگولوں سے ٹکر لینے کی قوت ہی نہ پاتے تھے۔

لیکن آخر کار ان کا یہ جمود ٹوٹ گیا۔ بغداد کی تباہی اور خلیفہ کے قتل کی خبر ان پر بجلی بن کر گری۔ جب منگولوں کے مفتوحہ علاقوں سے مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے پناہ لینے کے لئے مصر میں داخل ہونا شروع ہوئے تو اہلِ مصر میں سخت ہیجان برپا ہو گیا۔ جب وہ ہجرت کرنے والوں کی زبان سے منگولوں کے ظلم و ستم کے واقعات سنتے تو ان کا خون کھول اٹھتا تھا۔ اور اب وہ شدت سے محسوس کرنے لگے تھے کہ خطرہ ان کے قریب آ پہنچا ہے۔ اگر وہ ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوئے تو ان کا وہی حشر ہو گا، جو اہلِ بغداد کا اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

اسی دہشت اور ہیجان کی فضا میں مملوکوں کے ایک سالار سیف الدین قطوزی، جسے تاریخ کے اوراق میں قطز بھی کہتے ہیں، اس نے علماء اور عمائدین سلطنت کو جمع کیا اور ان سے کہا۔

"یہ بڑا نازک وقت ہے۔ اب منگولوں نے مرکزِ خلافت کو برباد کر ڈالا ہے اور خلیفہ کو شہید کر دیا ہے اور کوئی تعجب نہیں ہے کہ وہ مصر کا رخ کریں۔ ہمارا بادشاہ ابھی بچہ ہے۔ وہ دن بھر غلاموں کے ساتھ کبوتر اڑانے کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت ہمیں کسی ایسے حکمران کی ضرورت ہے، جو صاحب سیف ہو اور صاحب تدبیر بھی۔"

تمام علماء اور امراء نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا۔

"ہم آپ سے بڑھ کر اور کسی کو مسندِ حکومت کے لائق نہیں سمجھتے۔"

چنانچہ پندرہ سالہ منصور کو معزول کرنے کے بعد سب نے قطوزی یعنی قطز کے ہاتھ پر بیعت کی اور شوال 657 ہجری بمطابق 1269ء میں اسے مصر کا حکمران بنایا اور تخت نشین ہونے کے بعد اس نے الملک المظفر کا لقب اختیار کیا۔

الملک المظفر کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ اس کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد منگول، شام کو پامال کرتے ہوئے فلسطین میں نمودار ہوئے لیکن ارضِ فلسطین ان کی منزلِ مقصود نہیں تھی۔ اب تو وہ مصر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ فلسطین اور مصر کے درمیان ریگستان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہی تو حائل تھا۔ ان کو یقین تھا کہ اس ذرا سے ٹکڑے کو پار کرنے کے بعد فرعونوں کی سرزمین ان کے قدموں کے نیچے ہو گی اور دریائے نیل میں ان کی کشتیاں چلیں گی۔ بحیرہ روم کے نیلے پانی کے کنارے ان کے لئے عشرت کدے تعمیر ہوں گے۔

مصر کا حکمران بننے کے بعد ملک المظفر نے ایک ایسے شخص کو مصر کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا، جس کا نام بیبرس تھا اور جو تاریخ کے اوراق میں ایک نایاب، بے مثل اور بے نظیر انسان تھا۔

بیبرس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں مؤرخین کے بیانات میں خاص اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم مختلف اوقات کی روشنی میں اس کی ابتدائی زندگی کا جو خاکہ سامنے آتا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ بیبرس 619ھ میں دشتِ قپچاق اور وسط ایشیا میں پیدا ہوا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کی ولادت سے کئی سال پہلے بلخ، بخارا اور سمرقند کے مسلمان بزرگوں کی تبلیغی مساعی کی بدولت دشتِ قپچاق میں اسلام پھیل چکا تھا۔ بیبرس ایک

مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا اور اس کا نام محمود رکھا گیا۔

ایک تیسرا گروہ کچھ اس طرح لکھتا ہے کہ اس کے باپ کا نام یا لقب جقجق تھا جو خوارزم شاہی سلطنت میں ایک معزز عہدہ پر فائز تھا۔ بدقسمتی سے حکمرانِ وقت کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اس کو پابند سلاسل کر دیا۔ اس طرح یہ خوش حال خاندان گردشِ زمانہ کا شکار ہو گیا۔

دشتِ قپچاق اور اس سے ملحقہ علاقوں کو منگولوں نے پامال کیا تو وہاں کے بے شمار بچوں اور نوجوانوں کو پکڑ کر اپنے ہمراہ لے گئے اور ان کو بردہ فروشی کی مختلف منڈیوں میں فروخت کر دیا۔

کم سن محمود بیبرس بھی دارو گیر میں غلام بن کر دمشق کی منڈیوں میں بیس ہزار دینار سرخ کے عوض فروخت کیا گیا۔ محمود کو جس شخص نے خریدا وہ ایک مصری امیر تھا جس کا نام علی ابن الورفہ تھا۔ علی ابن الورفہ ایک دوسرے امیر کا مقروض تھا، اس کے قرض کے عوض محمود یعنی بیبرس کو اس نے اپنے قرض خواہ کو دے دیا۔ بعض روایتوں میں بیبرس کے پہلے آقا کا نام امیر علاؤ الدین ایدکن بندقدار تھا۔

اس دوسرے مصری امیر کی بیوی نے محمود کو اپنے چھوٹے بیٹے کی خدمت پر مامور کر دیا۔ ایک دن محمود سے کوئی لغزش ہو گئی۔ اس کی مالکہ نے اسے بری طرح پیٹا۔ اس موقع پر امیر کی بہن فاطمہ نامی بھی موجود تھی۔ اس کو محمود پر بڑا رحم آیا اور اس نے بھاوج سے کہا۔

''اگر تم اس غلام کے کام سے خوش نہیں ہو تو اس کو میرے سپرد کر دو۔''

وہ رضامند ہو گئی اور فاطمہ، محمود کو اپنے ساتھ دمشق لے گئی، جہاں اس کا گھر تھا۔

فاطمہ کا ایک فرزند جس کا نام بیبرس تھا، فوت ہو گیا تھا۔ حسنِ اتفاق سے محمود کی شکل و صورت مرنے والے لڑکے سے بہت ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ فاطمہ اس کو بیبرس کہہ کر پکارتی اور اس سے مادرانہ شفقت کے ساتھ پیش آتی۔ خدا کی قدرت کہ محمود نے تاریخ میں بیبرس کے نام ہی سے شہرت پائی۔

فاطمہ کا ایک بھائی الملک صالح نجم الدین ایوب کے دربار میں ایک معزز عہدہ دار تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنی بہن سے ملنے دمشق آیا تو وہاں اس نے بیبرس کو دیکھا اور اس کے

حالات سنے اور لڑکے کے اطوار سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے فاطمہ سے مانگ لیا، اپنے ساتھ قاہرہ لے گیا اور اس نے بیبرس کو مصر کے حکمران الملک الصالح کے حوالے کر دیا۔

مشہور مؤرخ ''کے حتی'' نے تاریخ لبنان میں لکھا ہے کہ بیبرس 800 درہم میں دمشق کی منڈی میں فروخت ہوا لیکن خریدار نے یہ کہہ کر سودا فسخ کر دیا کہ اس کی آنکھوں میں کوئی سقم ہے۔ بہر حال، مصر کے حکمران الملک صالح نے اسے خرید لیا۔

دراصل مصر کے حکمران ملک صالح نے مملوکوں کی بڑی کثیر تعداد کو خریدا تھا اور ان کی تعلیم و تربیت کے لئے خاص انتظامات کئے تھے۔ بیبرس نے بھی ملک صالح کی سرپرستی میں کتابی علوم، عربی فنون میں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کی اور اس کے بعد حسب دستور فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اپنی غیر معمولی جسمانی قوت اور وجاہت کی بدولت وہ جلد لشکر کے ایک حصے کا افسر بن گیا تھا۔ اس نے ابھی تک کوئی خاص شہرت حاصل نہ کی تھی۔

اتفاق سے اسی زمانے میں ساتویں صلیبی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے دوران منصورہ کا فیصلہ کن معرکہ فرانس کے بادشاہ لوئی کے ساتھ پیش آیا جس میں نوجوان بیبرس نے حیرت انگیز عسکری صلاحیت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور دفعتہً شہرت اور ناموری کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے کئی اور لڑائیوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور چند سال کے اندر اندر نہ صرف لشکر بلکہ ملکی سیاست میں بھی اس کو ایک مقتدر شخصیت خیال کیا جانے لگا۔

مصر کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ بننے کے بعد اسی رکن الدین بیبرس نے مصر کے مختلف علاقوں اور شہروں سے عمدہ تیغ زن اور جنگجو اپنے پاس جمع کرنے کے ساتھ ساتھ تیز رفتار قاصد صحرائے عرب کے بدوؤں کی طرف روانہ کئے۔ وہ جانتا تھا، ترک جہاں منگولوں کے طریقۂ واردات، ان کی جنگجویانہ عادات اور ان کے لڑنے کے انداز سے خوب واقف ہیں، ان کے جارحانہ حملے کا جواب دے سکتے ہیں، وہاں صحرائے عرب کے بدو جو تکالیف اٹھانے میں بڑے صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں، وہ بڑی جانفشانی کے ساتھ دفاعِ اسلام کی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ چنانچہ تیز رفتار قاصد رکن الدین بیبرس نے ان کی طرف بھجوائے اور انہیں منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑی محبت اور چاہت میں مصر آنے کی دعوت دی۔

صحرائے عرب کے بدو پہلے ہی منگولوں سے تنگ اور نالاں بیٹھے ہوئے تھے۔ بغداد کی تباہی و بربادی، پھر عراق کے مختلف شہروں کی شکست و ریخت نے انہیں منگولوں کے خلاف پہلے ہی سیخ پا کر رکھا تھا۔ لہٰذا رکن الدین بیبرس کی پکار پر صحرائے عرب کی کھلی آستینوں والے بدو جوق در جوق قاہرہ آ کر مصر کے لشکر میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

آخر وہ وقت آن پہنچا جس کا عالم اسلام کو عمومیت کے ساتھ اور اہل مصر کو خصوصیت کے ساتھ دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اور وہ یہ کہ ہلاکو خان نے اپنے لشکر کے کچھ حصے شمال کی طرف بھیجے۔ اس وقت تک منصور بن احمد، کوہستانِ قپچاق کی طرف جا چکا تھا اور جو لشکر ہلاکو خان نے شمال کی طرف بھیجے، انہیں اس نے حکم جاری کیا کہ بغداد کے سابق نائب سپہ سالار نے جو جو علاقے ان کی غیر موجودگی میں فتح کیے ہیں، ان پر قبضہ کر لیا جائے اور خود ہلاکو نے مصر پر حملہ آور ہو کر مصر کو فتح کرنے کا پکا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

چنانچہ 658ھ میں منگولوں کا ایک وفد ہلاکو خان نے مصر کی طرف روانہ کیا۔ یہ وفد سفارتی لبادے اوڑھے قاہرہ میں داخل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب منگولوں کے ستائے ہوئے پناہ گیر قاہرہ کے گلی کوچوں میں پناہ لئے ہوئے تھے اور اپنی مظلومیت اور منگولوں کی قوت اور بربریت کی کہانیاں دہرایا کرتے تھے۔

منگول سفیروں کے اچانک مصر میں داخل ہونے سے قاہرہ میں خوف اور غیض و غضب کی ملی جلی فضا پیدا ہوئی تھی۔ منگولوں کے یہ سفیر مصر کے نئے حکمران الملک المظفر کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اب مصر کا سلطان تھا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس وقت منگولوں کے سفیر قاہرہ میں داخل ہوئے تو مصر کے لشکریوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ رکن الدین بیبرس نے کچھ چاق و چوبند دستے روانہ کیے جنہوں نے ان منگول سفیروں کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور برہنہ تلواروں کے سائے میں مصر کے شاہی دربار میں لے گئے۔ یہ سفیر بقول مؤرخین خوب اکڑ کر چل رہے تھے۔ ان کا رویہ بڑا گستاخانہ تھا۔ انہوں نے آدابِ شاہی ملحوظِ خاطر رکھے بغیر ہلاکو خان کا پیغام سلطان ملک الظاہر کے سامنے پھینک دیا اور پھر وہ شعلے برساتی آنکھوں کے ساتھ مصر کے سلطان کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگے تھے۔

ہلاکو خان نے اپنے اس پیغام میں لکھا تھا۔

"یہ فرمان اس کا ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے۔ اپنی شہر پناہیں منہدم کر دو اور ت قبول کر لو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہیں امن و چین سے زندہ رہنے دیا جائے گا۔ اگر تم نے یہ بات نہ مانی تو پھر تم کو جو کچھ پیش آئے گا، وہ بلند و بالا جاودانی آسمان سوا کوئی نہیں جانتا۔"

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہاں تک ان منگولوں کے مذہب کا تعلق تھا تو وہ ارواح ت تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کائنات کی ہر شے ایک روح رکھتی ہے۔ نیک اور بد روحوں کو انسانوں کی زندگی میں بڑی حد تک تصرف حاصل ہے۔ جاودانی بلند و بالا آسمان کی روح سب سے بڑی اور طاقتور ہے۔

بہرحال مصر کے سلطان الملک الظاہر نے ہلاکو خان کا پیغام پڑھا تو اس کی پیشانی پر ل پڑ گئے۔ تاہم اس نے نہایت تحمل اور صبر سے کام لیا اور منگولوں کے سفیروں سے کہا۔

"ہم نے ہلاکو کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ وہ مصر کو اپنے حال پر چھوڑ دے اور ہمارے امن و امان میں خلل نہ ڈالے۔"

مصر کے سلطان کے یہ الفاظ سن کر منگولوں کے سفیروں کی حالت بدل گئی۔ ان کے چہرے غصے میں سرخ ہو گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک چلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا وہی حشر ہو جو بغداد کے مغلوب خلیفہ کا ہو چکا ہے؟ اچھی طرح سمجھ لو، ہمارے آقا کی قوت لامحدود ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس سے ٹکرا نہیں سکتی۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم جیسے خودسر حکمرانوں اور ان کی رعیت سے کیا سلوک کرنا چاہئے۔"

اس موقع پر مصر کے سلطان نے منگول سفیروں کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنی روش سے باز جائیں مگر ان کا لب و لہجہ ترش سے ترش ہوتا چلا گیا۔ حقیقت میں ان کا رویہ سفارتی آداب کے قطعی منافی تھا۔

مصر کے سلطان الملک المظفر نے منگولوں کی ان بدتمیزیوں کو کافی حد تک برداشت کیا۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے سامنے بیٹھے عمائدین اور بڑے سالاروں کی رائے طلب کی۔ کہتے ہیں اس موقع پر بڑے سالاروں میں سے رکن الدین بیبرس، طرنطائی، سیف الدین، حسام الدین کے علاوہ دوسرے بہت سے

سالار اور امراء بیٹھے ہوئے تھے۔

اس دور میں مصر کے سلطان الملک المظفر کی خوش قسمتی کہ رکن الدین بیبرس کے علاوہ اسے بہترین سالار حاصل تھے جو بد سے بدترین حالات میں بھی اپنی فتح کامیابی کو یقینی بنانا جانتے تھے۔ ان سالاروں میں سرفہرست طرنطائی، سیف الدین، حسام الدین اور کچھ دیگر تھے۔

بہرحال مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر کچھ عمائدین مصر نے یہ رائے دی کہ منگولوں کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لینی چاہیئے۔

یہ الفاظ سن کر مصر کے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ رکن الدین بیبرس بھڑک اٹھا۔ اپنی جگہ پر سے اٹھا اور دربار میں بیٹھے مصر کے امراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں، ان منگولوں کے عہد و پیمان پر ہم کو اعتبار نہیں ہے۔ پھر یہ بھی سوچو کہ مصر مسلمانوں کی آخری اُمید گاہ ہے اور اس کی حفاظت کے لئے منگولوں کے خلاف سر پر کفن باندھ کر لڑنا ہوگا۔"

رکن الدین بیبرس کے ان الفاظ کے جواب میں جو سفیر اس سے پہلے مصر کے سلطان المظفر سے گفتگو کر رہا تھا۔ گھورنے کے انداز میں رکن الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تمہارے اندازِ گفتگو سے لگتا ہے، تم مصری لشکروں کے سپہ سالار ہو۔ کیا تم میں اتنی طاقت اور قوت، جرأت اور ہمت ہے کہ ہمارا مقابلہ کر سکو؟"

اس منگول کے ان الفاظ پر رکن الدین بیبرس غصے میں کھول اٹھا تھا۔ لہٰذا قہرمانی میں دھاڑتی آواز میں وہ اس منگول کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سنو مشیت خداوندی کا مذاق اُڑانے والو! اب تک تم ستم کی آگ، خون کی کا کھیل کھیلتے اور قتل عام کرتے رہے ہو۔ اب تک تم ان مسلمانوں پر حملہ آور رہے ہو جو خود امن سے زندگی بسر کر رہے تھے اور جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ تم روحوں کو جسموں سے جدا کرتے رہے ہو۔ ہم سے ٹکراؤ گے تو یاد رکھنا ہم تو تمہارے ذہنی رشتے منقطع کر کے موت کی لئے قضا کے حصار تنگ کر دیں گے۔ تمہارے چارسُو پھیلاتے چلے جائیں گے۔ سنو منگولو! اب تک تم نے اپنی بربریت

سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر کسی کے باپ کا دل، کسی کی ماں کا خون، کسی کی قسمت، کسی کی بہن کی آبرو چھینی۔

سنو غرض کے بندو! ہم اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے چکے ہیں۔ یاد رکھنا ہم اپنی معصوم سہاگنوں، عظیم ماؤں کی مسکراہٹوں، بے ضرر بچوں کی گنگناہٹوں، ان گنت دلوں کے خوش رنگ چراغوں کے محافظ ہیں۔ وہ رب جو باپ کو وفا عطا کرتا ہے، ماں کی ممتا سے آراستہ کرتا ہے، اس کی ربوبیت، اس کی تقدیس کی قسم! ہم تم جیسے سرکشوں دشمنوں کے خلاف گرجتی دھاڑتی آندھیوں، صدیوں کے فاصلوں کو سمیٹتی قضا بن کر سامنے آئیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رُکا پھر پہلے سے بھی زیادہ غصے اور دھاڑتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"منگولو! تم نہ ختم ہونے والی بدی کے گہن ہو۔ واپس جا کر ہلاکو سے کہنا، اب وقت آگیا ہے، ہم تمہارے قیاس اور گمان، تمہاری تاب و تاش میں خاموشیوں کے گریبان چاک کرتے بے قرار طوفانوں کی طرح داخل ہوں گے۔ تمہاری اور تمہارے لشکر کی حالت بوسیدہ کفن کی ویرانیوں، قبرستانوں کی چپ اور بے ربط کوشش کی طرح بے کار بنا کر رکھیں گے۔

منگولو! مسلمانوں کے خلاف تم نے جو طوفان کھڑے کرنے تھے، کر چکے۔ اب ہم تیار ہیں۔ ہمارے اندر یکجہتی ہے، اتفاق ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم تمہیں اپنی جوابی کارروائی سے دھواں دھواں اور دھول بنا کر اُڑا دیں۔"

رکن الدین ایسے غضب ناک انداز میں بولا تھا کہ لمحہ بھر کے لئے اپنی آتشیں عناد اور لاعلاج تعصب کو بھول کر منگول پیلے ہو کر رہ گئے تھے۔ تاہم وہی منگول جو اس سے پہلے مخاطب ہو رہا تھا، کہنے لگا۔

"تم نے جو کچھ کہا ہے، اسے ہم سب جھاگ کی مانند اُڑا کر رکھ دیں گے۔"

اس منگول کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ رکن الدین اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر لے گیا۔ اس موقع پر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے قریب بیٹھے دوسرے ساتھی سالار طرنطائی، سیف الدین اور حسام الدین کے ہاتھ بھی اپنی

تلواروں کے دستے پر جا چکے تھے۔ رکن الدین بیبرس دوبارہ گرجتے ہوئے منگول سفیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب تمہارے جھاگ بنا کر اُڑانے کے دن گزر گئے۔ تمہاری انا کی مستی میں جو یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ تم نا قابل تسخیر ہو تو تمہارے اس جذبے کو بھی میری قوم کے ایک فرزند نے دھو کر رکھ دیا تھا۔ تمہارے ذہن کے قرطاس پر ایک ایسا نام اُبھرتا جو ہے تمہارے لئے خوف اور دہشت کا باعث ہے۔ اور وہ نام منصور بن احمد کا ہے۔ میری قوم کا وہ فرزند جس طرح تمہارے خلاف اب تک حرکت میں آ چکا ہے، اس کی ساری روداد، اس کی ساری تفصیل ہمارے مخبروں کے ذریعے ہم تک پہنچتی رہی ہے۔ بغداد کا وہ سابق نائب سالار جس نے اپنے سپہ سالار فتح الدین داؤد کے ساتھ مل کر تمہارے خاقان ہلاکو کو بغداد کے نواح میں بدترین شکست دی تھی، اس کے کچھ سالار اس موقع پر اس کی بات نہ مانتے ہوئے تمہارا تعاقب کر بیٹھے اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو قسم خداوند قدوس کی، میری قوم کے وہ بہترین اور عمدہ سالار، ہلاکو کا تعاقب کرتے اور اس کے مرکزی شہر تک اس کی پیٹھ پر ضربیں لگاتے ہوئے اس کے لشکر کی تعداد کم کر دیتے۔

تم کس وحشت اور کس عذاب کی بات کرتے ہو؟ کیا اب تک منصور بن احمد تمہارے لئے سنسناتا تیر، کوندتی شمشیر، بدترین تقدیر اور اپنی قوم کی توقیر ثابت نہیں ہوا؟ کیا اس نے تمہارے خلاف سیاہ بختی کے سائے پھیلا کر تمہارے وحشی جذبوں کو اپنی منزل کی گرد میں اُڑا کر نہیں رکھ دیا؟ میری قوم کا وہ علم بردار، ہمارا مہربان بھائی ہر محاذ پر تمہارے لئے کاٹ دینے والی تلوار اور آہنی دیوار ثابت نہیں ہوا؟ وہ موجوں کے بیچ د تاب اور طوفانوں کا شباب بن کر لگاتار کئی بار تمہارے لشکروں پر چوٹ لگاتا رہا۔

سنو منگولو! منصور بن احمد اور اس کے ساتھی سالاروں کے ہاتھوں کئی بار ناکامیوں کا سامنا کر کے تم اپنی توقیر گنوا چکے ہو۔ اپنی فتح مندی کی تاثیر کھو چکے ہو۔ میری قوم کا وہ عمدہ فرزند، میری قوم کا وہ نایاب مجاہد اُڑا مارنے والی ہواؤں کی طرح تم پر حملہ آور ہوتا رہا اور تمہاری حالت بار بار وہ بیچ صحرا میں تشنہ لب مسافر جیسی کرتا رہا۔ اس کی عقوبت کے سمندر، کرب جان کے آزار جیسی جرأت، آگ و آتش کے اندھیاؤ اور کھولے صحرائی

بزدلوں جیسی دلیری، گرتی برق کی برہنہ یلغار اور جنگ کے لئے بجتے طبل جیسی حرب و ضرب میں اس کی ہنرمندی کو سلام پیش کرتا ہوں۔ کیا تمہارے ذہن میں منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور سیف الدین کردی کا نام نہیں اُبھرتا جنہوں نے بار بار تمہاری چشم نظر کو شکستہ، تمہارے بدنوں کو زخم زخم، تمہارے تشخص کو برباد کیا۔ تمہارے سامنے تمہاری حسرتوں کے انبار، تمہاری زندگی کی محرومیوں کے ڈھیر لگائے اور بار بار تمہاری حالت زنگ کھائے لوہے اور دیمک لگی لکڑی جیسی بنا کر رکھی۔ سنو منگولو! تباہی کی جو فصل تم نے اب تک بوئی ہے، اب دشت و صحرا کی ویرانیوں میں اس کی درد بھری تعبیریں تمہارے سامنے آئیں گی۔ نامراد قسمت کی بدبختیاں تمہارا تعاقب کریں گی۔ تمہارے لئے اب مسلمانوں کی سرزمینوں میں تلخیوں کا سورج اور نفس کی بے کلی کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین بیبرس رکا تھا۔ اس کے بعد وہ سمندر کی لہروں کی طرح بولتا چلا گیا اور منگول سفیروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"خبردار! ہمارے سامنے اپنی کسی جرأت مندی، اپنے نا قابلِ تسخیر ہونے کی بات مت کرنا۔ کیا منصور بن احمد تمہیں میافارقین شہر کے نواح میں بدترین نقصان سے دوچار نہیں کر چکا، اور تم لوگوں کو اس نے اربل شہر پر قبضہ نہیں کرنے دیا۔ تمہارے ہلاکو خان نے جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ کر کے اسے اپنی گرفت میں لینا چاہا۔ کیا منصور بن احمد اور اس کے ساتھی سالاروں اور لشکریوں نے تمہاری اس جنگی ذہنیت کو ناکام نہیں کر دیا؟ اور کیا وہی منصور بن احمد حلب اور حمص شہر میں تمہارے لشکریوں پر عذاب بن کر طاری نہیں ہوا اور دونوں شہروں پر اس نے قبضہ نہیں کر لیا تھا؟ پھر تم ہمیں اپنی کس شانت اور قوت کے بھرتے پر دھمکیاں دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ ہمیں تمہاری اطاعت قبول کر لینی چاہئے۔ منگولو! اب وقت آ رہا ہے کہ تمہیں ہماری اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

اس موقع پر منگول سفیر عجیب سے انداز میں رکن الدین بیبرس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ رکن الدین پھر بول پڑا۔

"تم اس وقت ہمارے سلطان کے سامنے کھڑے ہو۔ تم نے اب مزید کوئی بکواس

کرنے کی کوشش کی تو تم سب کی زبانیں گدی سے کھینچ لی جائیں گی۔"

رکن الدین بیبرس کی اس گفتگو سے سلطان کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ چنانچہ کچھ دیر تک ایسی ہی صورتِ حال رہی، پھر اس نے سارے منگول سفیروں کے سر قلم کرنے کا حکم اپنی کھولتی آواز میں دے دیا تھا۔ یہ بڑا جرأت مندانہ فیصلہ تھا اور شاید مصر کے سلطان نے رکن الدین بیبرس کی اس گفتگو سے شہہ پا کر ان سارے منگولوں کے سر قلم کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

چنانچہ سلطان کا حکم پاتے ہی لشکری سفیروں پر جھپٹ پڑے اور آناً فاناً انہیں خاک و خون میں لوٹا کر رکھ دیا۔ اور پھر چند ساعتوں بعد اہلِ قاہرہ نے دیکھا کہ منگول سفیروں کی لاشیں شہر کی اہم گزرگاہوں پر لٹکا دی گئی تھیں۔

اس طرح گویا مصر کے سلطان نے منگول سفیروں کو قتل کر کے ہلاکو کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا تھا۔ اب اہلِ مصر کے لئے ایک ہی راستہ تھا۔ لڑ کر فتح حاصل کریں یا اپنی جان قربان کر دیں۔ اس کے لئے علاوہ مصریوں کے لئے یہ بات بھی بڑی حوصلہ افزا تھی کہ منگولوں سے نبرد آزما ہونے کا بیڑہ منصورہ کے مردِ میدان امیر رکن الدین بیبرس نے اُٹھا لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ بانکا سپاہی اور نڈر سالار ہے اور منگولوں کی قوت اور طاقت کے افسانے سن کر وہ قہقہے لگایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا۔

"وقت آنے پر ہم ان مغرور وحشی منگولوں کو بتا دیں گے کہ صرف وہی لڑنا نہیں جانتے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کا پنجہ بھی مروڑ سکتے ہیں۔"

منگول سفیروں کی لاشیں اسی کے حکم سے قاہرہ کے اہم مقامات پر لٹکا دی گئی تھیں۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ منگول سفیروں کی آمد سے قاہرہ کے شہریوں پر جو دہشت طاری ہوئی تھی، وہ دور ہو جائے۔ اس موقع پر مصر کے سلطان نے رکن الدین کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ منگولوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تو حلب اور اس کے گرد و نواح کے سارے علاقے کی ولایت اس کو دے دی جائے گی۔

چنانچہ رکن الدین بیبرس نے جہاد کی تیاری کرنے میں دن رات ایک کر دیے۔ اس نے قاہرہ کے ہر تندرست اور بالغ فرد کے لئے عسکری خدمت لازم قرار دے دی۔ بقول مؤرخین یہ حکم دے دیا کہ جو شخص کسی معقول عذر کے بغیر لشکر میں بھرتی ہونے

ز کرے گا، اس کو کوڑے لگائے جائیں گے۔

اہلِ قاہرہ کے علاوہ رکن الدین بیبرس نے اپنے لشکر میں پناہ گزین ترکمانوں، ب بدوؤں اور انتہائی جنوبی مصر کے حورہ قبائل کی کثیر تعداد کو بھی بھرتی کر لیا تھا۔ ب کے یہ بدو اور حورہ قبائل بڑے نڈر اور اعلیٰ درجے کے جنگجو تھے۔ ان کی شجاعت پر ان میں بھروسہ اور اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

ان دو قوتوں کے علاوہ لشکر کا تیسرا فعال عنصر وہ تھا، جس کی تربیت مملوک دستوں ی کی تھی۔ ان مملوکوں کو کئی سال تک اعلیٰ درجے کی عسکری تربیت دی گئی تھی۔ اب وہ رب و ضرب میں کمال درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔

یہ لوگ دشتِ قپچاق کے رہنے والے تھے۔ منگول ان کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ ل یہی وہ لوگ تھے جو منگولوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے تھے اور کے پنجے میں پنجہ ڈال کر لڑ سکتے تھے۔

بہر حال ان عربوں اور حوریوں کو اپنے پاس جمع کرنے کے بعد رکن الدین بیبرس منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنی تیاریوں کو زی شکل دینا شروع کر دی تھی۔

OOOOO

فجر کی اذان سے پہلے منصور بن احمد اچانک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

اُس کے اس طرح گھبراہٹ کے عالم میں اُٹھنے پر کیتھرائن پریشان ہو گئی تھی اُٹھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر منصور بن احمد کا شانہ ہلاتے ہوئے کیتھرائن نے بڑی محبت اور چاہت میں پوچھ لیا۔

"کیا ہوا؟ آپ اس طرح بوکھلا کر کیوں اٹھ بیٹھے؟"

جواب میں کپکپاتی ہوئی آواز میں منصور بن احمد بول اٹھا۔

"میں نے خواب میں خزاں کے زرد آنچلوں میں نفرت کرتی تاریکیاں دیکھی ہیں، ہانپتی زیست کے بھیانک کھنڈر، کرودھ اور عقوبت بھری کشمکش دیکھی ہے۔ وقت بدترین عقوبت گاہوں میں خون چاٹتی خواہش دیکھی ہے۔ ظلم و جور کے گرم بازار میں ... کے ہانپتے سائے میرا تمسخر اُڑا رہے تھے۔ گناہ و شر کے پتلوں کے سامنے ہر شے کا ... خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ درندگی کے موجدوں کے سامنے ذلت اور پستی کے قصے، جبر ... ظلمتیں، بدی کے پھیلے سائے، قضا کی خونی ردا اوڑھے وحشت بھری حشر سامانیاں ... آنچل لہرا رہی تھیں۔ پاکیزہ چاہتوں کا ثمر، خوشیوں کی خوشبوئیں، جذبوں کی لطافت، قربتوں کی دلکشی، جسم و جان کے حوصلے خون آلود ہوتے دیکھے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک منصور بن احمد رکا۔ اس کی گفتگو نے کیتھرائن کو بری طرح بدحواس اور پریشان کر دیا تھا۔ کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ پہلے کی نسبت زیادہ کپکپاتی اور لرزتی آواز میں منصور بن احمد پھر بول پڑا۔

"میں نے دیکھا، بغداد شہر میں روحوں کے زخم لئے حالات کے تند بگولوں میں جوان لڑکیاں بھاگ رہی تھیں۔ اپنی نارسائی پر تلملاتے بوڑھوں کو میں نے خونی ہنگاموں کے سامنے روتے دیکھا۔ نحیف کاندھوں پر زندگی کا بوجھ اٹھائے خون کی سرگرداں اور گراں آندھیوں میں بوڑھی عورتیں کراہ رہی تھیں، مدد کے لئے پکار رہی تھیں۔ اپنے شباب کی خوشبو سجائے جوانوں کو میں نے بنجر دلوں کے اُٹھتے سرابوں کی طرح جدھر منہ اُٹھا، اُدھر بھاگتے دیکھا۔

میں نے دیکھا، میرا بوڑھا باپ سانسوں کے تسلسل کو مشکل سے قائم رکھے درد کی ... صداؤں میں بڑی بے بسی کے عالم میں خداوند قدوس کے بعد مجھے پکار رہا تھا۔

میں نے دیکھا، ریزہ ریزہ ہوتے جسموں اور لہو کی بارش میں میری ماں بین کرنے کے انداز میں پکار رہی تھی، منصور بن احمد! میرے بچے! کہاں ہو؟...... درد کے مدوجزر، نفس کی توہین، یاس اور نا اُمیدی کی رداؤں سے نا آشنا میری بہنیں اپنی حویلی کی چھت پر چڑھ کر مجھے آوازیں دے رہی تھیں۔ اور میرے بھائی، ان کی جان اور ان کی عزت بچاتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہوتے جا رہے تھے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد کی حالت بگڑ گئی تھی اور وہ سسکنے بلکہ ہچکیاں لے کر رونے لگا تھا۔ پھر وہ ٹوٹتی بکھرتی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں نے بغداد شہر کے اندر بے سکون سوالوں کا صعود، زندگی کی کراہیں، تڑپتی چیختی آرزوئیں، نامرادیوں کے سائے، لہو رنگ مناظر اور خونی ہنگاموں کو گلی کوچوں اور شاہراہوں پر ناچتے دیکھا۔

کاش! میں بھی وہیں ہوتا۔ اگر بے بس ہو جاتا تو بے شعور کرتے ہنگاموں، جذبوں کی تیز اُڑانوں میں کھو جاتا میری خرمن ہستی راکھ ہو جاتی۔ آتش کے ہولناک فشار کا شکار ہو جاتا۔ ماحول کی تلخی بڑھاتے مُردہ لمحوں کے ڈھیر ہی میں کھو جاتا اور اس دنیا کے اب دُکھ میں ادھوری سسکیوں اور موت کے سایوں میں کٹرے لمحات کی طرح اب تک ... ہو گیا ہوتا۔"

کچھ دیر تک منصور بن احمد سسکتا رہا، سسکیاں لیتا رہا۔ انہی ہچکیوں اور سسکیوں میں پھر کہہ اٹھا تھا۔

"ہماری رگوں میں کڑواہٹ، ہمارے لہو میں بے چینی بھرنے والو! اب وقت آ گیا ہے کہ تمہارے حریم جاں میں ہم بھی ٹھوکر بھرے مقدر اور جلتے بجھتے الاؤ کی کہانیاں لکھیں۔"

اس سے آگے منصور بن احمد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا تھا اور بڑی بے چینی اور بے قراری میں اپنی مسہری کے پائے پر سر مارنے لگا تھا۔

اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے کیتھرائن بے چاری اور زیادہ پگھل کر رہ گئی تھی۔ وہ پہلے ہی اس کی پیٹھ پر منہ رکھ کر رو رہی تھی، ایک دم حرکت میں آئی اور جس پائے سے منصور بن احمد نے اپنا سر ٹکرایا تھا، اس پائے کے اوپر اس نے اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے تھے۔ پھر ایک دم اس نے منصور بن احمد کو سنبھال لیا۔ منصور بن احمد اپنی جگہ پر بیٹھ کر ہچکیاں لے رہا تھا جبکہ کیتھرائن اس کے شانے پر سر رکھے دھاروں دھار رونے لگی تھی۔

کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان کی آواز سنائی دی۔ جس پر دونوں میاں بیوی نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ کیتھرائن اپنی جگہ سے اُٹھی، ایک نیا اور صاف ستھرا انگوچھا لا کر اس نے منصور بن احمد کے شانے پر رکھا اور کہنے لگی۔

"آپ اُٹھ کر طہارت خانے میں نہالیں۔ اس کے بعد نماز کے لئے جائیں۔ لیکن میری آپ سے گزارش ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد فوراً گھر آ جائیں۔ میں بھی نماز ادا کرنے کے بعد بڑی بے چینی اور بے قراری میں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گی۔"

منصور بن احمد کی حالت سے لگتا تھا، جیسے وہ کہیں کھو گیا ہو۔ منہ سے کچھ نہ بولا، اپنی جگہ سے اُٹھ کر طہارت خانے میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کچھ کہے بغیر نماز کے لئے نکل گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ واپس آیا۔ اس کی آمد پر کیتھرائن نے خوشی کا اظہار کیا۔ جلدی جلدی اس نے کھانا تیار کیا۔ منصور بن احمد کچھ بیزار بیزار اور اُکھڑا اُکھڑا سا لگ رہا تھا لیکن کیتھرائن نے اسے سنبھالا۔ دونوں میاں بیوی نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد کیتھرائن برتن سمیٹ کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دستک کی آواز سن کر منصور بن احمد اُٹھ کھڑا ہوا۔ آگے بڑھ کر جب اس نے حویلی کا دروازہ کھولا تو سامنے لوئی تاشی، یانگ خان، شرف الدین، حسام الدین اور کچھ دوسرے سالار اور دو مخبر کھڑے تھے۔

منصور بن احمد چونکا تھا۔ دیوان خانے کا دروازہ اس نے کھولا، سب کو بٹھایا، پھر رہائش گاہ کے اندرونی حصے کی طرف گیا اور کیتھرائن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"لوئی تاشی، یانگ خان، حسام الدین، شرف الدین اور کچھ دوسرے سالار آئے ہیں۔ ان کے ساتھ دو مخبر بھی ہیں۔ شاید کوئی اہم خبر ہے۔ میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں اور دیکھتا ہوں، کیا معاملہ ہے۔"

کیتھرائن نے جب اثبات میں گردن ہلائی، تب منصور بن احمد جا کر دیوان خانے میں بیٹھ گیا۔ گفتگو کا آغاز لوئی تاشی نے کیا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! ہمارے دو مخبر رات کے وقت آئے تھے۔ اس وقت میں نے آپ کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا۔ اس بنا پر میں اب آیا ہوں۔ جو خبریں یہ لائے ہیں، خود ہی کہیں گے۔"

لوئی تاشی جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد آنے والے ان مخبروں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس موقع پر ایک بولا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! ہلاکو خان اپنے لشکر کے بڑے حصے کے ساتھ جنوب کی طرف جا چکا ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ مصر پر حملہ آور ہو کر مصر پر قبضہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کا بڑا بھائی منگو خان جو اب منگولوں کا خاقان ہے، اس نے ہلاکو خان سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ جنوب کی طرف یلغار کرتے ہوئے ہلاکو خان، مصر کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرے۔ چنانچہ اپنے بھائی منگو خان کے کہنے پر ہلاکو خان اب مصر کو دو ...کرے گا۔

جس وقت وہ فلسطین کے شمال میں ہی تھا، تب اس کے مخبروں نے اسے یہ بتا دیا ...کران کے حاکم کے ہاتھ سے حلب اور حمص شہر نکل گئے ہیں اور وہاں کے لشکروں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ اس پر یہ بھی ان کے مخبروں نے ...انکشاف کیا تھا۔ یہ کام منصور بن احمد نے کیا ہے اور اب حمص اور حلب پر منصور بن احمد کی گرفت ہے۔

اس کے بعد جب آپ اپنے دستوں کو لے کر واپس آ گئے، تب ہلاکو نے دو بڑے بڑے لشکر شمال کی طرف بھجوائے۔ دمشق پہلے ہی اس کی گرفت میں ہے۔ اب ان دو بڑے لشکروں میں سے ایک نے حمص اور دوسرے نے حلب پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ دو لشکر ہلاکو خان نے حمص اور حلب کی طرف بھجوائے ہیں، ان کے ذمہ ہلاکو خان نے ایک ہی ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ آپ سے ٹکرائیں گے اور ہر صورت میں آپ کو شکست دینے کے بعد آپ کو زندہ گرفتار کر کے ہلاکو خان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد منصور بن احمد تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا جب کہ شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار، لوئی تاشی، یانگ خان اور دوسرے سالار اور مخبر غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد نے اپنی گردن سیدھی کی، باری باری ایک نگاہ اس نے شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار پر ڈالی، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائیو! سب سے پہلے ایک کام کرو۔"

منصور بن احمد کے ان الفاظ پر حسام الدین جوکندار، شرف الدین کردی، دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ منصور بن احمد بولا اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ایسا کرو، آج ہی تھوڑی دیر تک یہ جو دو مخبر آئے ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ اور کو بھی جنوب کی طرف روانہ کرو جو حمص اور حلب کے نواح میں یہ خبریں پھیلا دیں اور مشہور کر دیں کہ منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار، کوہستان قپچاق سے نکل کر ایک لشکر کے ساتھ حلب، حمص اور دمشق سے دائیں جانب رہتے ہوئے جنوب کی طرف بڑھیں گے اور ان تینوں شہروں اور اپنے درمیان خاصا فاصلہ رکھیں گے۔ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے فلسطین کے شمالی علاقوں کا رخ کریں گے اور جب ہلاکو خان، مصر پر حملہ آور ہو گا تو ہلاکو خان کی پشت پر حملہ آور ہو کر مصریوں کی فتح اور ہلاکو خان کی شکست کو یقینی بنانے کی کوشش کریں گے۔

میرے بھائیو! جب یہ خبریں دمشق، حمص اور حلب کے نواح میں پھیل جائیں گی تو یاد رکھنا سب سے پہلے شمال میں چونکہ حلب آتا ہے، لہٰذا پہلے حلب والے ہی حرکت میں

آئیں گے۔ جو لشکر اس وقت وہاں منگولوں کا موجود ہے، اس کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک حصہ حلب شہر کی حفاظت کے لئے رہنے دیں گے، دوسرے آدھے حصے کے ساتھ وہ اس شاہراہ کی طرف بڑھیں گے جو حلب، حمص اور دمشق کے دائیں جانب کافی فاصلہ پر رہتے ہوئے فلسطین اور وہاں سے مزید جنوب کی طرف سینا کو عبور کر کے مصر کی طرف چلی جاتی ہے۔

جب وہ آدھا لشکر اس شاہراہ پر روانہ کریں گے کہ ہمارے لشکر کو روک کر اسے جنوب کی طرف جانے نہ دیں اور اپنے ساتھ الجھائے رکھیں تا کہ ہلاکو خان کو مصر کی فتح کرنے کا موقع مل جائے۔ اس کے علاوہ یہ کام کریں گے کہ حمص اور دمشق میں جو منگول ہیں، ان کو اطلاع کریں گے کہ یہ بھی اپنے اپنے لشکر کا ایک حصہ ان کی طرف روانہ کریں تا کہ جب مسلمانوں کا یعنی ہمارا لشکر حلب شہر کے دائیں جانب دکھائی دے تو اس پر فوراً حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو انہیں شکست دے کر جدھر سے وہ آئیں، اسی سمت بھاگ جانے پر مجبور کر دیا جائے۔"

اس موقع پر دیوان خانے سے باہر پردے میں رہتے ہوئے کیتھرائن ساری گفتگو سن رہی تھی۔ یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب کیتھرائن پیچھے ہٹی اور پھر دھیمی سی آواز میں اس نے لوئی تاشی کو مخاطب کر کے کہا۔

"بابا! تھوڑی دیر کے لئے باہر آئیں، میری بات سنیں۔"

لوئی تاشی فوراً باہر آیا۔ کیتھرائن اسے سامنے والے کمرے میں لے گئی۔ وہ کچھ اداس اور افسردہ تھی۔ لہٰذا لوئی تاشی اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے پریشان ہو گیا تھا۔ فوراً کیتھرائن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میری بچی! کیا بات ہے؟ میں دیکھتا ہوں، تم پریشان ہو، فکر مند ہو۔ کیا تمہارا امیر سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ کیا امیر نے تمہاری کسی خواہش کا احترام نہیں کیا؟"

اس پر کیتھرائن فوراً بولی اور کہنے لگی۔

"بابا! ایسی کوئی بات نہیں۔ امیر نے تو کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا۔ گھر کے سارے معاملات مجھ پر چھوڑ رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی کام کرنے کے لئے ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس گھر کی مالک ہوں اور اس کی

انہوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے۔ بابا! گزشتہ شب ہمارے ہاں ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا۔"

"کیسا حادثہ؟" لوئی تاشی فکر مند ہو گیا تھا۔

جواب میں رات کو پیش آنے والے حادثہ کے متعلق کیتھرائن نے تفصیل سے بتا دیا تھا۔

کیتھرائن جب خاموش ہوئی، لوئی تاشی دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"بیٹی! تُو فکر مند نہ ہو۔ میں امیر منصور بن احمد کو بہتر طور پر جانتا ہوں۔ دراصل امیر بڑے حساس ہیں۔ وہ چونکہ بغداد کے لشکریوں کے نائب سالار تھے، لہٰذا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ بغداد کی تباہی کے وہ خود بھی ذمہ دار ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے مجھے یہاں تک کہا تھا کہ بغداد کی تباہی کی ذمہ داری مجھ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ہلاکو خان کے لشکر کو شکست دی گئی اور امیر منصور اور بغداد کے سپہ سالارِ اعلیٰ داؤد نے اپنے دوسرے سالاروں کے ساتھ منگولوں کا تعاقب کیا جس کے نتیجہ میں بغداد کے لشکر کو شکست ہوئی تو منصور بن احمد کا کہنا تھا کہ اس موقع پر مجھے دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہئے تھا۔ اوّل یہ کہ مجھے اپنے ان سالاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہئے تھا جنہوں نے حکم عدولی کرتے ہوئے منگولوں کے لشکر کا تعاقب کیا تھا۔ اگر یہ ممکن نہیں تھا تو پھر مجھے بغداد کے سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد کے ساتھ منگولوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو جانا چاہئے تھا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی رکا، پھر کیتھرائن کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی شفقت اور محبت سے کہنے لگا۔

"اس میں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں نا۔ میری حیثیت تمہارے باپ کی سی ہے۔ میں تمہیں اُداس اور افسردہ نہیں ہونے دوں گا۔ فکر مند نہ ہونا۔ اس سلسلے میں، میں امیر سے بات کروں گا۔ بیٹی! تم جانتی ہو، وہ بڑے حساس ہیں۔ بغداد پر منگولوں کے ہاتھوں جو تباہی ہوئی، اس کے مناظر اکثر انہیں خواب میں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ پریشان اور فکر مند ہو جاتے ہیں۔ میری بیٹی! اس سے منصور بن احمد کی مسلمانوں اور اپنی قوم سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ بہر حال تم فکر مند نہ ہونا۔ اس موضوع پر میں منصور بن احمد سے گفتگو کروں گا۔"

اس کے ساتھ ہی لوئی تاشی اپنی جگہ سے اُٹھ کر دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے آنے کے بعد منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

"شرف الدین! حسام الدین! میرے دونوں بھائیو! آج ہی اپنے آدمیوں کو بھیجو۔ ان دنوں ہم ایک بڑا لشکر لے کر جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں تا کہ ہلاکو کی پشت پر حملہ آور ہوں اور لشکریوں کو بھی تیار کر دینا۔ تین دن بعد یہاں سے کوچ کریں گے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ ہلاکو خان نے جو اپنے دو بڑے لشکر حمص اور حلب کی طرف روانہ کئے ہیں، ان کا کیا انجام اور حشر نشر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اُٹھو، ان دو مخبروں کے علاوہ باقی کو بھی سمجھا کر یہاں سے روانہ کرتا ہوں۔ ساتھ ہی لشکریوں کو بھی تیار کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر رکو، میں ابھی آتا ہوں۔"

اس کے بعد ہی منصور بن احمد دیوان خانے سے نکل کر دوسری طرف گیا، کیتھرائن کے پاس آیا اور اسے بڑے پیار اور محبت سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیتھرائن! میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ پریشان نہ ہونا۔ میں جانتا ہوں، تم نے جو لوئی تاشی کو بلایا ہے تو گزشتہ واقعہ بیان کر کے پریشانی اور فکر مندی کا اظہار کیا ہوگا۔"

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد نے کیتھرائن کا گال تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

"تم پریشان مت ہونا کیتھرائن! دراصل میں بڑی کوشش کر چکا ہوں لیکن بغداد کی تباہی کے مناظر میرے ذہن سے نکلتے نہیں ہیں اور اکثر و بیشتر یہ مناظر میرے سامنے آتے ہیں اور مجھے پریشان اور فکر مند کر دیتے ہیں۔ بہر حال میں تھوڑی دیر تک لوٹ آؤں گا۔ کچھ مخبروں کو جنوب کی طرف روانہ کرنا ہے۔ ایک مہم کے لئے لشکریوں کو مستعد بھی کرنا ہے۔ ساتھ ہی تم اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا کے رکھنا کہ تین دن کے بعد میں یہاں سے ایک لشکر لے کر جنوب کی طرف بڑھوں گا۔ حمص اور حلب شہروں پر منگولوں نے پھر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم شاید پھر قبضہ نہ چھڑا سکیں لیکن منگولوں کے لشکر کو ایسا نقصان پہنچائیں گے کہ ہلاکو پھر دانت ہی پیستا رہ جائے گا۔"

تھوڑی دیر کے لئے منصور بن احمد رکا، پھر کیتھرائن کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"پریشان مت ہونا۔ میں جلد لوٹ آؤں گا۔"

کیتھرائن مسکرادی اور بولی۔

''میں پریشان نہیں ہوں۔ اگر آپ خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔ میں آپ کے جسم کا ایک حصہ ہوں لہٰذا آپ کی پریشانی یقیناً مجھے بھی پریشان کرے گی۔''

اس کے بعد منصور بن احمد پیچھے ہٹا، دیوان خانے میں گیا اور سب کے ساتھ وہاں سے نکل گیا تھا۔

اسی روز کچھ مخبروں کو جنوب کی طرف پھیلا دیا گیا اور انہوں نے یہ افواہیں اُڑا دی تھیں کہ منصور بن احمد خاصے بڑے لشکر کے ساتھ حلب، حمص اور دمشق کے کافی دائیں جانب رہتے ہوئے مصر کی طرف جائے گا تا کہ اگر ہلاکو خان مصر کو اپنا ہدف بنائے تو وہ ہلاکو کی پشت پر ضرب لگا سکے۔

اور اس کے تین دن بعد منصور بن احمد خود بھی ایک لشکر لے کر حسام الدین اور شرف الدین کے ساتھ کوہستانِ قپچاق سے نکل کر جنوب کی طرف کُوچ کر گیا تھا۔

○○○○○

حلب شہر سے چند میل شمال میں پہنچنے کے بعد ایک انتہائی مناسب جگہ منصور بن احمد نے اپنے لشکر کو روک دیا تھا۔ وہ ایک بلند جگہ شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کے ساتھ بیٹھ کر کچھ سوچتا رہا، پھر اپنے ان دونوں ساتھیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! حلب شہر اب ہم سے قریب ہے۔ ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنے بڑے عساکر نہیں کہ شہر کو فتح کرنے کے بعد وہاں ہم اپنا لشکر متعین کریں اور اپنا قبضہ اور اپنی گرفت جاری رکھ سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے ہم نے حلب اور حمص دونوں شہروں کو فتح کیا تھا۔ لیکن لشکریوں کی کمی کی وجہ سے ہم دونوں شہروں پر قبضہ جاری نہ رکھ سکے اور ہماری غیر موجودگی میں ایک بار پھر منگولوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اب ہم اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ جس قدر ممکن ہو، منگولوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور یہی کھیل ہم نے حلب شہر کے نواح میں شروع کرنا ہے۔ میرے دونوں ساتھیو! تھوڑی دیر تک اپنے مخبروں کو روانہ کرو جو حلب شہر کے اندر یہ خبریں پھیلا دیں کہ مسلمانوں کا چھوٹا سا ایک لشکر حلب شہر کی نواحی بستیوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے ضروریات کا سامان اکٹھا کر رہا ہے۔ وہ ایسا اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں خبر پہنچ گئی ہے کہ حلب میں جو منگولوں کا لشکر مقیم ہے، اس کا بڑا حصہ حلب کے دائیں جانب چند میل دور جو شاہراہ جنوب کی طرف جاتے ہوئے حمص، دمشق اور پھر مختلف شہروں سے ہوتی ہوئی مصر کی طرف نکل جاتی ہے، اس سمت گیا ہوا ہے۔ چنانچہ

اس لشکر کے جانے کی وجہ سے مسلمان ان علاقوں میں ترکتاز کرنے کے لئے آگئے ہیں
یہ خبریں جب پھیلائی جائیں گی تو میرے عزیز بھائیو! حلب شہر کے اندر جو منگولوں
کا اس وقت لشکر ہے اس کا سالار یا منگولوں کی طرف سے جو حلب شہر کا حاکم مقرر کیا گیا
ہے، وہ حرکت میں آئے گا۔ وہ لشکر کو لے کر ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے ہماری طرف
بڑھے گا۔ چونکہ ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا
سا لشکر جو چند دستوں پر مشتمل ہے، اس نے حلب شہر کے شمال میں لوٹ مار کا سلسلہ
شروع کر دیا ہے، لہٰذا ہم سے نمٹنے کے لئے وہ بڑی تیزی سے ہمارا رخ کرے گا۔ ان
کی آمد سے پہلے پہلے ہم ایک کام کر چکے ہوں گے۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر
جائے گا۔ ایک حصہ حسب سابق میرے پاس رہے گا، دوسرا تم دونوں کی کمانداری میں
ہوگا۔

حسام الدین اور شرف الدین! تم اپنے حصے کے لشکر کو لے کر یہاں سے ہٹ جاؤ
گے اور دائیں جانب کسی محفوظ گھات میں بیٹھ جاؤ گے۔ تاہم میرے ساتھ اپنے ہرکاروں
کے ذریعے تمہارا رابطہ اور تعلق قائم رہے گا۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ جہاں ہوں، وہیں
رہوں گا اور حلب سے آنے والے منگولوں کے لشکر کا انتظار کروں گا۔ جب وہ لشکر یہاں
پہنچے گا تو میں اس سے ٹکراؤں گا۔ میرے لشکر کی تعداد چونکہ کم ہوگی، لہٰذا منگول بڑے
خوش ہوں گے کہ انہیں مسلمانوں پر ضرب لگانے کا ایک عمدہ موقع ملا ہے۔ چنانچہ
اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ان کے ساتھ اُلجھوں گا اور اتنی دیر تک تم اپنے
کے لشکر کے ساتھ دائیں جانب سے نمودار ہونا اور ان کے پہلو پر حملہ آور ہو جانا۔ اس
طرح مجھے اُمید ہے کہ دو طرفہ حملہ کے باعث ہم اس لشکر کو جو اس وقت حلب شہر
ہے، روند اور پامال کر کے رکھ دیں گے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد ہم نے کیا کرنا
اس کی تفصیل میرے عزیز ساتھیو! میں تم دونوں کو بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے حلب کے
سے نمٹ لیں۔"

شرف الدین اور حسام الدین دونوں نے منصور بن احمد کی اس تجویز سے اتفاق
تھا۔ چنانچہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصے کے ساتھ منصور بن احمد وہیں
جب کہ دوسرے حصے کو حسام الدین اور شرف الدین لے کر ذرا دائیں جانب ہٹ

مناسب جگہ گھات لگا گئے تھے۔

OOOOO

دوسری طرف منصور بن احمد کے آدمیوں نے جب حلب شہر کے اندر یہ خبریں مشہور
کیں کہ مسلمانوں کا ایک لشکر حلب شہر کے نواح میں پہنچ گیا ہے اور مختلف بستیوں اور
دیہاتوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے ضروریات کا سامان اکٹھا کر رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی
پھیلا دی تھیں کہ مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا لشکر ایسا اس لئے کر رہا ہے کہ اسے خبر ہو گئی
کہ منگولوں کا لشکر منصور بن احمد کی راہ روکنے کے لئے حلب شہر سے نکل کر چند میل
جنوب کی طرف جا چکا ہے۔ چنانچہ یہ خبریں جب حلب شہر میں گردش کرنے لگیں، تب
شہر میں جو حلب شہر کا حاکم اور سالار تھا، وہ فوراً حرکت میں آیا۔ حلب شہر میں اس
کے پاس اس وقت خاصا بڑا لشکر تھا، اسے لے کر وہ نکلا اور بڑی تیزی اور برق رفتاری
کے ساتھ اس نے شمال کا رخ کیا تھا۔

منگولوں کا لشکر جب شمال میں پہنچا تو وہاں پہلے سے منصور بن احمد ان کا منتظر تھا۔
ان کی آمد سے پہلے وہ لشکر کی صفیں درست کر چکا تھا اور ان پر ضرب لگانے کے
لئے بالکل تیار اور مستعد تھا۔

دوسری طرف منگولوں نے جب دیکھا کہ جو خبر حلب شہر میں پھیلائی گئی تھی، وہ
درست ہے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر وہاں موجود ہے۔ منگولوں کے سالار نے یہ بھی
کہ مسلمانوں کے اس لشکر کی تعداد چونکہ تھوڑی ہے لہٰذا وہ جلد اس پر غالب آ کر اس
کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس نے بھی صفیں درست کر لی تھیں۔ پھر اپنے کام کی ابتدا
کرنے کے لئے پہلے منصور بن احمد اُداس دنیائے آب و گل اور پیلے اُداس موسموں میں
سے پھیلتے زہر کی خوفناکی، اماوس رُتوں کی سرد سیاہ راتوں میں آندھیوں کی
آندھیوں کی طرح حرکت میں آیا۔ اس کے بعد وہ منگولوں پر تشنگی و کرب بڑھاتے
کے بگولوں، کالی راتوں کے خلفشار میں صدیوں سے رکے عذابوں، جذبوں کی تیز
لہروں کو بے نام و نشان کرتے وارفتہ سیل محشر اور سموں کو کرچی کرچی، لمحوں کو لخت لخت
کرتے ہولناک آتشیں فشار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔
جوابی کارروائی کرتے ہوئے منگول بھی بارش کے آلام میں اولوں کی ہلاکت خیزی،

خوابوں میں گنگناتی آسودگی، ولولہ انگیزی، وہموں کے سرابوں میں بدل دینے والے رقصاں شعلوں کے کھیل اور کدورتوں کے کڑوے پن کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

منگولوں کا منصور بن احمد کے ساتھ تھوڑی ہی دیر ٹکراؤ ہوا تھا کہ دائیں جانب سے شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ بستیوں میں آگ، جسموں میں زہر بھر دینے والی ازل سے بھٹکتی روحوں، حدِ نظر تک پھیلے سنسان صحراؤں میں وحشت بھرے اندھیروں کی چیختی ہواؤں کی طرح نمودار ہوئے اور پھر وہ منگولوں کے لشکر کے ایک پہلو پر جسم و روح کا آزار بنتے اندھے موسموں کے بے رحم بگولوں، منزلوں سے قطعی ناآشنا کرتے بدبختی کی بساط کھولتے طوفانوں، زوال کے خدوخال طاری کرتے بپھرے ساگروں، صحرائی آشوب اور عذابوں کے بارِ گراں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح حلب شہر کے نواح میں میدانِ جنگ کے اندر موت کے کارواں رقص کرنے لگے تھے۔ حیات کی حدت تمام ہونے لگی تھی۔ خوف در خوف، پیچ در پیچ کلی اور پنہاں بربادیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ چاہتوں کے نغمے، آہنگِ دلداراں، رفاقتوں کے اتصال، بے تعبیر خوابوں، جبر کی اسیری کے تسلسل میں تبدیل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک ہولناک رن پڑا۔ منگولوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے اس لشکر کو مار بھگائیں لیکن کامیاب نہ ہوئے اور اب دو طرفہ ان کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ سامنے کی طرف سے منصور بن احمد بڑی تیزی اور بڑی شدت کے ساتھ انہیں پامال کر رہا تھا اور دائیں جانب سے حسام الدین اور شرف الدین ان کی تعداد کو بڑی تیزی سے کم کرتے جا رہے تھے۔

منگولوں کے سالار نے جب دیکھا کہ لمحہ بہ لمحہ اُس کے لشکر کا نقصان ہوتا جا رہا ہے تو اس نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ پوری شدت، پوری طاقت اور قوت کے ساتھ منصور بن احمد نے شرف الدین اور حسام الدین کے ساتھ تعاقب شروع کر دیا۔ تعاقب حلب شہر کے دروازوں تک جاری رہا اور وہاں تک پہنچتے پہنچتے منصور بن احمد نے اپنے لشکر کے ساتھ مزید منگولوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس طرح منگولوں کا جو حفاظتی لشکر اس وقت حلب شہر میں محفوظ تھا، منصور بن احمد نے اس قابل نہیں رہنے دیا

کہ مسلمانوں کے کسی لشکر یا دستوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کر سکے۔

حلب شہر کے دروازوں تک منگولوں کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے منصور بن احمد کے لشکریوں نے زور و شور سے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ حلب کے نواح میں منگولوں پر منصور بن احمد حملہ آور ہوا ہے اور یہ انکشاف نہ صرف حلب شہر کے لوگوں اور منگولوں تک بھی پہنچ گیا تھا کہ شہر سے باہر جو منگولوں کے لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے یہ شکست منصور بن احمد نے دی ہے۔ منصور بن احمد کا نام ویسے ہی منگولوں کے لیے خوف و ہراس کا باعث تھا۔ چنانچہ یہ ساری کارروائی مکمل کرنے کے بعد منصور بن احمد اپنے لشکر کو شمال کی طرف لے گیا، کچھ دیر وہاں قیام کیا، لشکریوں کو ستانے کا موقع دیا، پھر وہ شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کو اپنے پاس بٹھانے کے بعد کہنے لگا۔

"میرے عزیز ساتھیو! ہم نے اپنی مہم کا ایک مرحلہ بڑے احسن طریقے سے انجام دے کر اپنے حق میں کر لیا ہے۔ اب ہمارا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا جو پہلے مرحلے سے کسی قدر مشکل اور دشوار ہوگا۔ اب زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد فی الفور حرکت میں آ جائیں گے۔ حلب شہر سے جو شاہراہ مغرب کی طرف جاتی ہے، اس پر آگے جا کر رک جائیں گے۔ میں شاہراہ کے بالکل بیچ میں پڑاؤ کر لوں گا۔ شرف الدین! تم شاہراہ سے دائیں جانب تھوڑے سے فاصلہ پر رہو گے جب کہ حسام الدین شاہراہ کے بائیں جانب رہے گا۔

میری بات غور سے سنو! حلب میں جو منگول بچ کے داخل ہو گئے ہیں، ان پر یہ انکشاف ہو گیا ہے کہ ان پر حملہ منصور بن احمد کے لشکر نے کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے تیز رفتار قاصد اپنے اس لشکر کی طرف بھجوائیں گے جو اس انتظار میں ہے کہ منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزر کر جنوب کی طرف آئے تو اس پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اب جب حلب سے ان کے پاس پیغام پہنچے گا کہ منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی سمت نہیں گیا، بالکل ان کی غیر موجودگی میں اس نے حلب پر حملہ کیا ہے، حلب میں جو منگولوں کا لشکر ہے، اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے تو وہ حلب سے نکل کر جنوب کی طرف جانے والا منگولوں کا لشکر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے پلٹے گا تاکہ

ہم سے نمٹ سکے۔

میرے عزیز بھائیو! لازمی بات یہ ہے کہ منگولوں کا لشکر اس شاہراہ سے گزرے گا اور اسی شاہراہ پر میں ان کی راہ روکوں گا۔ میرے لشکر کی کم تعداد دیکھ کر ان کے حوصلے جوان ہو جائیں گے اور وہ انتقام لینے پر اُتر آئیں گے۔ چنانچہ میرے اور ان کے درمیان ٹکراؤ ہوگا۔ جب یہ ٹکراؤ شروع ہو، اس کے تھوڑی دیر بعد شرف الدین میرے بھائی! تم دائیں جانب سے نمودار ہو کر منگولوں کے پہلو پر ضرب لگا دینا۔ جب کہ حسام الدین جو اس وقت شاہراہ کے بائیں جانب ہوگا، وہ منگولوں کے دائیں طرف حملہ آور نہیں ہوگا بلکہ پشت کی طرف جائے گا اور منگولوں کی پشت پر حملہ آور ہو جائے گا۔ جب سامنے، دائیں اور پشت کی جانب سے منگولوں پر حملے شروع ہوں گے تو انہیں اپنے لشکر کی ترتیب درست کرنے میں وقت لگے گا۔ انہیں تین حصوں میں ایک لشکر کو تقسیم کرنا ہوگا۔ تینوں حصوں کی کمانداری بھی کسی کو سونپنی ہوگی۔ اتنی دیر تک ان کے لشکر کی خاصی تعداد کو ہم یہاں لاشوں کی صورت میں بچھا کر رکھ دیں گے۔ اس طرح مجھے اُمید ہے کہ یہاں ہم منگولوں پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ ان کی کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔

میرے دونوں بھائیو! یقیناً اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات بھی اُتر رہی ہوگی کہ میں نے حسام الدین کو منگولوں کے پہلو پر حملہ آور ہونے کے بجائے پشت پر حملہ آور ہونے کے لئے کیوں کہا۔ ایسا میں اس لئے کر رہا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ سامنے کی طرف سے میں، دائیں جانب سے شرف الدین اور پشت کی جانب سے حسام الدین ضرب لگائیں اور منگولوں کی بائیں جانب خالی رکھی جائے۔ منگول جب دیکھیں گے ہمارے مقابلہ میں ان کی حالت بڑی نازک ہوتی جا رہی ہے تو ان کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ وہ بائیں جانب سے بھاگ سکتے ہیں۔ اگر ہم نے بائیں جانب بھی بند کر دی تو پھر وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں گے اور جنگ طول بھی پکڑ سکتی ہے۔ اور جب وہ بائیں جانب سے بھاگیں تو ہم ان کا تعاقب کریں گے اور اس تعاقب کے دوران بھی ہم نے بڑی تیزی سے منگولوں کی تعداد کو کم کرنا ہے۔"

حسام الدین اور شرف الدین دونوں نے منصور بن احمد کی اس منصوبہ بندی

کیا تھا۔ پھر لشکر کی تقسیم کو آخری شکل دے دی گئی۔ شاہراہ پر منصور بن احمد جم گیا۔ دائیں جانب ذرا ہٹ کر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شرف الدین اور بائیں جانب حسام الدین گھات میں چلے گئے تھے۔ اب وہ منگولوں کے اس لشکر کا انتظار کرنے لگے جس نے مغرب سے حلب شہر کی طرف آنا تھا۔

آخر منگولوں کا لشکر نمودار ہوا۔ وہ کافی بڑا لشکر تھا۔ چونکہ شاہراہ پر منصور بن احمد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ان کی راہ روکے ہوئے تھا، لہٰذا قریب آ کر منگول سالاروں نے لشکر کو روک لیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر ان کی راہ روکے ہوئے ہے۔ انہیں پہلے ہی اطلاع ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کا سالار منصور بن احمد، حلب میں منگول لشکر پر حملہ آور ہوا ہے اور اسے بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ لہٰذا وہ جان گئے کہ اس لشکر نے ان کی راہ روکی ہے، وہ یقیناً منصور بن احمد ہی کا لشکر ہے۔

گو اس لشکر کی تعداد بہت کم تھی، لیکن منصور بن احمد کا نام ایسا تھا، جو منگولوں کے لئے خوف، وحشت اور ہراس کی علامت بنا ہوا تھا۔ تاہم منگولوں نے منصور بن احمد پر ضرب لگانے کے لئے اپنی صفیں درست کر لیں۔ اس لئے کہ ان کے خاقان ہلاکو نے حکم دے رکھا تھا کہ منصور بن احمد کا سر کاٹ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

چنانچہ منگول سالار حرکت میں آئے، آگے بڑھے، اس کے بعد وہ منصور بن احمد کے لشکر پر زیست کے گلستانوں میں حسرتیں پھیلا دینے والی قضا کی اندھی دستکوں، موت کی بزم کے آنگنوں میں کرب و درد کی اذیتیں بھرتی دکھ کی کھولتی لہروں اور ذہن کی ساری یکسوئی کو ناآسودگی کے انگاروں میں بدل دینے والے ہزاروں انتقامی ہاتھوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے منصور بن احمد نے بھی خیالوں کی راہ گزر پر کروٹیں لیتی چنگاریوں اور بے کفن دفن کر دینے والی ہجر کی بے رنگ دھول کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور اس کے بعد وہ منگولوں کے لشکر پر وحشت بھری ٹھٹھرتی راتوں میں نسلوں کی نفرت سے بھرپور کر دینے والی وقت کی بے لگام اذیتوں، ارادوں کو، عزائم کو بے ثبات کرتے موسموں کے طوفانی جھکڑوں، فضاؤں کی طیلسان میں چہروں کی ضیاء تابی بُجھا کر برگ کے جھکڑوں کی یورش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

منگولوں کا منصور بن احمد کے ساتھ تھوڑی دیر ہی ٹکراؤ ہوا تھا کہ دائیں جانب سے
شرف الدین کردی نمودار ہوا اور منگولوں کے لشکر کے ایک پہلو پر راتوں کی ناہمواریوں
میں عذابوں کی خاک اُڑاتی کھولتی صداؤں کی ویرانیوں، نبضوں کی جنبش میں برہمی برپا
کر کے رشتوں کی زنجیریں توڑتے تابدار لمحوں کی بے روک یورش اور نظروں کی ضو،
زبان کی کڑواہٹ چھین لینے والی بربادی کی الم بھری آگ کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

منگول پہلے ہی منصور بن احمد سے ٹکرا رہے تھے۔ ان کے کچھ لشکریوں نے منصور
بن احمد کو پہچان بھی لیا تھا اور یہ خبر پورے منگول لشکر میں پھیل گئی تھی کہ جس لشکر نے ان
کی راہ روکی ہے، اس کی کمانداری خود منصور بن احمد کر رہا ہے۔ اور جب دائیں جانب
سے شرف الدین کردی نے ضرب لگائی، تب منگولوں کے لشکر میں ایک ہلچل، افراتفری
اور بدنظمی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ اور اسی موقع پر حسام الدین جوکندار، منگولوں کی پشت
کی جانب نمودار ہوا۔ وہ ان کی پشت پر ہر عناد قوت، برائی کی ہر بافندگی، سیاہ ارادوں
کے ہر مدوجزر اور گردابوں کی گرم سانسوں تک کو فنا کر دینے والے عذابوں، ہست کی
بیداریاں، عمر کی ساری خوشیاں چھین لینے والی فنا کی دیمک اور برہم و ملول فطرت کی
طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح حلب شہر کے مغرب میں شاہراہ پر تمرد و حقارت، سیاہ فتنہ انگیزیاں، فنا کے
انداز، مجرمانہ حقارت کے طوفان ناچ اُٹھتے تھے۔ ایسا لگتا تھا، گویا ابلیس کے منہ سے
لگام نکل گئی ہو اور شیطان بے خوف و خطر اور جری زائرِ اجل بن کر ہڈیوں کے گودوں
تک میں اترتا چلا گیا ہو۔ موت، آفاق کی وسعتوں سے نکل کر بے زنجیر آسیب کی طرح
ناچ اٹھی تھی۔ دل و جان کے اضطراب میں روحیں خرابات کا شکار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

منگولوں کو یقین ہو گیا کہ اب ان کی شکست یقینی ہو گئی ہے۔ اگر وہ بچے کھچے اپنے
لشکریوں کو بچانا چاہتے ہیں تو شکست قبول کر کے بھاگ کھڑے ہوں۔ چنانچہ انہوں
نے ایسا ہی کیا۔ چونکہ بائیں سمت منصور بن احمد نے ان کے بھاگنے کے لئے خالی ر
ہوئی تھی، لہٰذا اسی سمت منگول بھاگ کھڑے ہوئے۔ منصور بن احمد نے شرف الد
کردی کو منگولوں کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے لئے چھوڑا اور حسام الد
جوکندار کے ساتھ اس نے بڑی شدت اور بڑی سختی کے ساتھ بھاگتے منگولوں کا تعا

اور ان کی خاصی بڑی تعداد کو تہ تیغ کر دیا تھا۔

جب یہ تعاقب ختم ہو گیا، تب ایک لشکری بھاگا بھاگا حسام الدین جوکندار کے پاس
آیا اور کسی قدر بدحواسی سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر منصور بن احمد زخمی ہوئے ہیں اور تعاقب ترک کرنے کے بعد وہ ایک جگہ
رکے ہوئے ہیں اور طبیب ان کے زخموں کی مرہم پٹی کر رہا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر حسام الدین گھبرا گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کو اس سمت دوڑایا جس طرف
لشکری نے رہنمائی کی تھی۔ جب وہ تھوڑا سا آگے گیا تو اس نے دیکھا ایک پتھر پر
منصور بن احمد بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک طبیب اس کے زخموں کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ اپنے
گھوڑے سے اُتر کر تقریباً بھاگتا ہوا حسام الدین جوکندار، منصور بن احمد کے قریب گیا۔
گھبرایا ہوا اور فکر مند تھا۔ چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ اس کی یہ کیفیت منصور بن احمد نے بھی
بھانپ لی تھی۔ جونہی وہ منصور بن احمد کے قریب گیا، منصور بن احمد اسے مخاطب کر کے
کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ہلکا سا ایک زخم
ران پہ آیا ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔ حسام الدین! آج کے تعاقب کا بھی ایک نیا
لطف تھا۔ ہم نے ان گنت منگولوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ یہ جو گھاؤ مجھے لگا ہے، اس
کے لگنے سے میں اپنے آپ کو یوں محسوس کرتا ہوں جیسے میرے ان ارادوں کی بھی برف
پگھل گئی ہے، جو کبھی میرے لاشعور میں ہی نہ تھے۔ میرے دل کی ساری گرہیں کھل گئی
ہیں کہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی احسن طریقہ سے کر سکوں۔ لگتا ہے، مشیت کے
قانون کے اسرار اس زخم کی وجہ سے مجھ پر کھل گئے ہیں۔ حسام الدین! منگولوں کا قتل
عام کرتے ہوئے مجھے جو زخم لگا ہے، خداوند قدوس کی قسم! اس کے کرب سے لگتا ہے،
زخم کی چاندنی اور عبادتوں کا تقدس جاگ اٹھا ہو۔ منگولوں کے مظالم دیکھ دیکھ کر کبھی
میری زبان کا ذائقہ تلخ تھا، حلق کڑوا تھا۔ لیکن آج منگولوں کا قتل عام کرتے ہوئے جو
زخم لگا ہے، اس کی تاثیر کچھ نرالی ہے۔ دل چاہتا ہے روز ہی ایسے زخم لگتے رہیں اور روز
ہم ان منگولوں کا قتل عام کروں۔ میں سمجھتا ہوں، میرے رب نے مجھے میری محبت کا
اور میری چاہتوں کا اثر عطا کر دیا ہے۔ اس زخم سے میں یوں پُرسکون اور ایسی آسودگی

محسوس کرتا ہوں، گویا سانسوں کے جنگل میں خوشبو کے ہنگامے کھڑے ہوئے ہوں۔ میری مشقت و ریاضت، خود فراموشی ایک حلقہ بنا کر کھڑی ہو گئی ہوں۔ اس زخم نے مجھ پر ظاہر کر دیا ہے کہ سلگتے صحرا کی آنکھوں میں فطرت کے رازوں کی کتاب کا خزانہ حاصل کرنے کے لئے اسلام دشمن ملکوں سے کس کس طرح نمٹنا چاہیئے۔"

اتنی دیر تک طبیب نے زخم کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ جب وہ فارغ ہوا تو منصور بن احمد اٹھ کھڑا ہوا، کچھ لنگڑاتا ہوا وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا، پھر حسام الدین جوکندار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آؤ میرے بھائی! لشکر کو واپس لے چلیں۔ آج کا دن ہمارے لئے خوشی اور سعادت کا دن ہے جو ہم نے اپنے اُن ان گنت بدبختوں کو موت کے گھاٹ اُتارا، جنہوں نے بغداد کے تقدس کو خراب کیا۔ جنہوں نے مسلمانوں پر وہ مظالم کئے، جن پر جس قدر سوچا جائے، ذہن اتنا ہی خراب ہوتا ہے۔ اور آج ان منگولوں سے ہم نے کیا خوب انتقام لیا۔"

اس کے بعد منصور بن احمد اور حسام الدین جوکندار لشکر کو لے کر اس جگہ آئے جہاں منگولوں کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا۔ وہاں شرف الدین نے منگولوں کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سنبھال لیا تھا۔

حسام الدین کے ساتھ منصور بن احمد نے سامان کا جائزہ لیا اور شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کو مخاطب کر کے بولا۔

"کچھ دستے مقرر کرو جن میں زیادہ تر اس جنگ کے دوران زخمی ہونے والے شامل ہوں اور انہیں سارا سامان دے کر کوہستانِ قپچاق کی طرف روانہ کر دو اور میری طرف سے لوئی تاشی اور یانگ خان کو پیغام پہنچا دو کہ اپنی مرضی اور صوابدید کے مطابق سامان کی تقسیم کو آخری شکل دیں۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی کہنا کہ جو زخمی لشکر ہم بھیج رہے ہیں، انہیں مکمل آرام کرنے کا موقع دیا جائے اور ان کے بدلے میں ہمیں تازہ دم لشکری بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم ان علاقوں سے ہی مسلمان لشکری بھرتی کر کے آنے والے دور میں پھر منگولوں کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔"

حسام الدین اور شرف الدین کردی پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے کچھ دستے مقرر

ئے۔ ان دستوں میں زیادہ تر اس جنگ میں زخمی ہونے والوں کی تعداد تھی۔ پھر منگولوں کے پڑاؤ سے ملنے والا سارا سامان اُن ہی کے بار برداری جانوروں پر لادا گیا، جو اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور پھر مالِ غنیمت کا وہ سارا سامان، وہ دستے جو حسام الدین اور شرف الدین نے مقرر کئے تھے، کوہستانِ قپچاق کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

ان دستوں کی روانگی کے بعد منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین کردی ایک جگہ بیٹھ گئے، پھر گفتگو کا آغاز شرف الدین کردی نے کیا اور منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"امیر! میں بے حد خوش ہوں کہ آپ کی سرکردگی میں ایک بار حلب شہر سے باہر اور ایک بار اب ہم نے منگولوں کو بدترین شکست دے کر ان کا خوب قتل عام کیا ہے۔ اب میں اور حسام الدین یہ جاننا چاہیں گے کہ اس سے آگے آپ کی کیا منصوبہ بندی ہے اور کس شہر کا رخ کریں گے؟"

جواب میں منصور بن احمد مسکرایا اور کہنے لگا۔

"حلب میں جو منگولوں کا لشکر متعین تھا، اس کا گھمنڈ تو ہم توڑ چکے ہیں۔ ساتھ ہی ان کے لشکر کی تعداد بھی بہت کم کر چکے ہیں۔ ان حالات میں میرا خیال ہے کہ ہمیں تمام راستوں پر سفر کرتے ہوئے حمص شہر کا رخ کرنا چاہیئے۔ اپنی روانگی سے پہلے اپنے مخبروں کو اس سمت روانہ کر دیں گے تاکہ حمص شہر سے متعلق ہمیں تفصیل بتاتے ہیں کہ وہاں کس قدر منگول ہیں اور ان پر کس طرح حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی کا در کھولا سکتا ہے۔"

شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر قبل اس کے کہ دونوں میں سے منصور بن احمد سے کوئی سوال کرتا، کچھ مخبر پڑاؤ میں داخل ہوئے، بڑھتے ادھر آئے جہاں منصور بن احمد، حسام الدین جوکندار اور شرف الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے گھوڑوں سے جب وہ اُترے تو منصور بن احمد نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنے، حسام الدین اور شرف الدین کے قریب بیٹھنے کے لئے کہا۔

جب وہ بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز منصور بن احمد نے کیا اور آنے والے مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیا تم ہلاکو خان کی طرف سے ہمارے لئے نئی خبر لے کر آئے ہو؟"

جواب میں مخبر نے کچھ سوچا، پھر وہ منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہم ہلاکو خان کی طرف سے نہیں بلکہ منگولوں کی ایک نئی اور بہت بڑی قوت کی خبر لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

اپنے مخبر کے یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد چونکا تھا۔ یہی حالت شرف الدین اور حسام الدین کی بھی تھی۔ چنانچہ منصور بن احمد نے بڑی شفقت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

"میرے عزیز بھائی! یہ نئی قوت کون سی ہے اور کہاں سے اُبھری ہے؟"

اس پر مخبر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، دوبارہ وہ منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

"امیر! آپ جانتے ہیں، ماضی میں ہلاکو خان نے اپنے دو سالاروں توران ایل خان اور بائیدو کو بغداد اور اس کے سارے مغربی علاقوں کی حفاظت کے لئے چھوڑا تھا۔ آپ جانتے ہیں، منگولوں کے اس وقت بڑے بڑے لشکر تین شہروں میں ہیں۔ بغداد، مراغہ اور تبریز۔ ان کے علاوہ دو خاصے بڑے لشکر بائیدو اور توران ایل خان کی سرکردگی میں بھی ہیں اور ان دونوں سالاروں کو ہلاکو خان نے صرف آپ کے خلاف متحرک کیا ہے۔ انہیں ہدایت کر رکھی ہے کہ نہ صرف ان علاقوں کی حفاظت کرنی ہے بلکہ آپ کا نام لے کر اس نے کہا تھا کہ آپ کو ہر صورت میں شکست دے کر گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کرنا ہے۔"

منصور بن احمد مسکرایا، پھر کہنے لگا۔

"جب تک میرا اللہ نہیں چاہے گا، ایسا نہیں ہوگا۔ اگر میرے اللہ کو منظور ہے کہ میں ناکام ہو کر ان منگولوں کے ہتھے چڑھ جاؤں تو نہ کوئی مجھے بچا سکتا ہے، نہ میری حفاظت کا سامان کر سکتا ہے۔ بہرحال تم خبر کہو، کیا ہے؟"

جواب میں وہ مخبر پھر بولا اور کہنے لگا۔

"میں آپ سے گزارش کر چکا ہوں کہ منگولوں کے دو بڑے لشکر پہلے ہی بائیدو اور توران ایل خان کی سرکردگی میں ان علاقوں میں سرگرداں تھے۔ انہیں آپ کے ان

علاقوں پر حملہ آور ہونے سے پہلے حلب کے نواح میں منگولوں کو شکست دینے اور اس کے بعد حلب کا جو لشکر مغرب کی طرف گیا ہے، اس کی خبر بھی ان تک پہنچ چکی ہے۔ اس لئے کہ وہ دونوں موصل اور رقہ شہر کے درمیان مختلف جگہوں پر قیام کئے ہوئے تھے۔ اب یہ دونوں سالار یعنی بائیدو اور توران ایل خان متحد ہو گئے ہیں۔ اپنے لشکر کو بھی انہوں نے یکجا کر لیا ہے اور بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ وہ آپ کا رخ کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں خدشہ اور خطرہ ہے کہ اگر آپ اسی طرح منگولوں کا قتل عام کرتے رہے اور یہ خبریں ہلاکو تک پہنچ گئیں تو ہلاکو ان کا انجام بڑا برا کرے گا۔ اس بنا پر وہ ہر صورت میں آپ کو گھیر کر آپ کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ایسا کر کے وہ ہلاکو خان سے داد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

مخبر جب خاموش ہوا، تب اسے مخاطب کرتے ہوئے منصور بن احمد پھر بول اٹھا۔

"اگر یہ معاملہ ہے تو منگولوں کا یہ متحدہ لشکر اس وقت کہاں ہے؟"

مخبر نے کچھ سوچا، پھر منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! یہ لشکر اس شاہراہ پر سفر کر رہا ہے جو موصل سے نکل کر رقہ شہر اور پھر حلب کا رخ کرتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں پیش قدمی کرتے دیکھا ہے اور جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں، وہ اب یہاں سے پچیس تیس میل دور ہوں گے۔ اس لئے کہ جب ہم روانہ ہوئے تھے، وہ رقہ شہر کو عبور کر چکے تھے۔ ہم بڑی تیز رفتاری سے اس سمت آئے ہیں جبکہ ان کے آگے بڑھنے کی رفتار کسی قدر سست ہے۔

اس کی دو وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ دونوں لشکر متحد ہو گئے ہیں۔ ان کی تعداد کافی ہے اور آگے بڑھنے کی رفتار سست ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس بڑا ساز و سامان ہے جو یہاں قیام کے دوران وہ اکٹھا کرتے رہے ہیں تاکہ کچھ اپنے لئے رکھیں اور کچھ ہلاکو خان کی طرف روانہ کریں۔ زیادہ سامان ہونے کی وجہ سے بھی ان کی پیش قدمی تیز نہیں ہے۔ ان کے سامان میں خوراک کے لئے ان گنت بھیڑ بکریاں ہیں، بے شمار بار برداری کے جانور ہیں جو سامان سے لدے ہیں اور اس سارے سامان کو وہ اپنے لشکر کے درمیانی حصے میں رکھتے ہیں اور اس کی خوب حفاظت کرتے ہیں۔"

مخبر جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر

مخبر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم تھوڑی دیر آرام کرو، کھانا کھاؤ، اس کے بعد پھر اپنے کام میں لگ جاؤ۔ اور جانے سے پہلے میری ایک بات سنو! اپنے وہ ساتھی جو تمہارے ساتھ کام کر رہے ہیں، انہیں بھی اس سے آگاہ کر دینا کہ میں بائیدو اور توران ایل خان کے آنے کی وجہ سے ان علاقوں سے نکلوں گا نہیں۔ ہم مانتے ہیں، ہمارے لشکر کی تعداد کم ہے اور ہم ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ منگولوں نے جو علاقے فتح کئے ہیں، انہیں واپس لے کر ان کا نظم و نسق چلا سکیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ بات تو ہمارے حق میں ہے کہ جگہ جگہ ان پر حملہ آور ہو کر ان کا قتل عام کریں اور ان کے ہاتھوں اپنے بھائیوں کی تباہی اور بربادی کا انتقام لیتے رہیں۔ اپنے ساتھیوں کو بھی سمجھا دینا کہ دو گروہوں میں تقسیم ہو کر مجھ سے اور حسام الدین اور شرف الدین سے رابطہ قائم رکھیں۔ اس لئے کہ تھوڑی دیر بعد ہم دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ باقی تفصیل تمہیں بعد میں مل جائے گی۔ اب تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔"

اس کے ساتھ ہی وہ مخبر وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک منصور بن احمد گہری سوچوں میں ڈوبا رہا یہاں تک کہ اس نے ایک گہری نگاہ اپنے سامنے بیٹھے اپنے دونوں ساتھیوں، شرف الدین اور حسام الدین پر ڈالی، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائیو! میں جانتا ہوں، بائیدو اور توران ایل خان اگر اپنے لشکر کو لے کر متحد ہو چکے ہیں تو ان کے لشکر کی تعداد بہت بڑھ چکی ہو گی۔ لیکن سب سے قابل توجہ چیز وہ سارا سامان ہے، بھیڑ بکریوں کے وہ ریوڑ اور بار برداری کے وہ جانور ہیں جو وہ اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ سارا سامان انہوں نے مسلمانوں کے علاقوں سے حاصل کیا ہو گا۔ اب ہم نے دو کام کرنے ہیں۔

پہلا یہ کہ بائیدو اور توران ایل خان کے لشکر کو تیز طوفانوں میں اُڑتی ریت کی طرح منتشر کرنا ہے اور جو سامان وہ لئے پھر رہے ہیں، اس سارے سامان کو اپنے قبضے میں کرنا ہے۔ یہ کام کیسے ہو گا، اس کی تفصیل میں تمہیں بتاتا ہوں اور اس کے مطابق ہی ہم عمل کریں گے۔

میرے بھائیو! اس لشکر کو پہلے کی طرح دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس اور دوسرا حصہ تم دونوں کے پاس رہے گا۔ پہلے ہم اکٹھے یہاں سے حرکت میں آئیں گے۔ حلب سے نکل کر اس شاہراہ پر سفر کریں گے جو شاہراہ حلب سے حمص کی طرف جاتی ہے۔ حلب سے حمص کی طرف چند میل کا سفر کرنے کے بعد رات کے وقت میں تم لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ مغرب کی سمت کاوا کاٹتے ہوئے پلٹوں گا اور اس شاہراہ پر آؤں گا جو شاہراہ حلب سے ہوتی ہوئی حمص اور دمشق کی طرف چلی جاتی ہے اور وہاں کسی جگہ گھات لگا لوں گا۔

یہ ہماری طرف سے ایک عمل ہو گا۔ اب مجھے غور سے سننا، ہمارے اس عمل کے جواب میں منگول کسی ردِعمل کا اظہار کریں گے جب ان کے مخبر انہیں یہ اطلاع دیں گے کہ منصور بن احمد کا لشکر تیزی سے حلب کے منگولوں کا قتل عام کرنے کے بعد جنوب کی طرف ہٹ گیا ہے تو وہ بڑے پریشان ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ خبر پہلے ہی ان علاقوں میں گردش کر چکی ہے کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کا رخ کروں گا اور ہلاکو خان جب مصر پر حملہ آور ہو گا تو اس کی پشت پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ بائیدو اور توران ایل خان کی صورت یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں ان سے بچ کر جنوب کی طرف چلا جاؤں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہلاکو ان دونوں کی کھال اُتار کر رکھ دے گا۔ اس بنا پر وہ یہ کام کریں گے کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ ایک حصے کو شہر کے نواح میں ٹھہرائیں گے، اپنے لشکر کا سارا ساز و سامان وہیں رکھیں گے اور اس لشکر کو اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کرنے کے بعد دوسرا حصہ ہمارے تعاقب میں لگائیں گے۔

اب تم دونوں بھائیوں کا کام یہ ہو گا کہ تم چند میل مزید آگے جانا، اس کے بعد بائیں جانب مڑنا۔ تم بھی کاوا کاٹتے ہوئے شمال میں میرے پاس پہنچ جانا۔ اس سلسلے میں ہمارے مخبر ہمارے ساتھ رابطہ رکھیں گے۔ تم دونوں کو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ میں مزید جنوب کی طرف اس لئے بھیجنا چاہتا ہوں کہ اس وقت تک منگول اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں گے اور پھر ایک حصہ تمہارے تعاقب میں لگ جائے گا۔ اس وقت تک تم مڑ کر میرے پاس پہنچ جانا۔ اس کے بعد ہم اپنے کام کی ابتدا کریں گے۔

ظاہر ہے جو منگولوں کا حصہ جنوب کی طرف ہمارے تعاقب میں نکلے گا، اس کی

کمانداری بائیدو خود کرے گا اور لشکر کے جس حصے کو پڑاؤ کی حفاظت کے لئے حلب شہر کے نواح میں چھوڑے گا، اس کی کمانداری توران ایل خان کے حوالے کرے گا۔

اب ہمارے کام کی ابتدا ہو گی۔ تم دونوں اپنے حصے کے لشکر کو لے کر میرے پاس پہنچ جاؤ گے تو رات کی تاریکی میں حلب شہر کے نواح میں ہم توران ایل خان پر شب خون ماریں گے۔ یہ شب خون بھی بڑا خوف ناک اور نئی قسم کا ہو گا اور پھر میں دیکھوں گا، توران ایل خان اور اس کے ساتھی منگول اس شب خون سے کیسے بچتے ہیں۔ کوشش یہ کی جائے گی کہ اگر مکمل نہیں تو اس لشکر کی اکثریت کا قتل عام کیا جائے اور جس قدر ممکن ہو، ان کی تعداد کو کم کر دیا جائے۔ ہم نے یہ کوشش کرنی ہے کہ جو لشکر بائیدو اور توران ایل خان لے کر آ رہے ہیں، تب شب خون کے نتیجے میں ان کی تعداد کو آدھا کر کے رکھ دیں۔ کامیاب شب خون مارنے اور منگولوں کے پڑاؤ کی ہر چیز، بھیڑ بکریوں اور بار برداری کے سارے جانوروں پر قبضہ کرنے کے بعد رات کی تاریکی ہی میں ہم کوہستان قپچاق کی طرف کُوچ کر جائیں گے۔ اب تم یہ پوچھو گے کہ توران ایل خان کے لشکر پر شب خون مارنے کے بعد کیا ہم بائیدو پر حملہ آور نہیں ہوں گے؟

میرے عزیز بھائیو! ہمارے سامنے صرف منگولوں کا قتل عام ہی نہیں رہنا چاہئے اور یہی واحد مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارا دوسرا مقصد یہ بھی ہونا چاہئے کہ ہم نے اپنے لشکریوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اس لئے کہ ہمارے پاس پہلے ہی چھوٹا لشکر ہے جس کے ساتھ ہم منگولوں پر شب خون مار سکتے ہیں، جگہ جگہ حملہ آور ہو کر اچانک ان پر وارد ہو کر انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اگر توران ایل خان پر شب خون مارنے کے بعد ان کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے بعد ہم یہیں قیام کرتے ہیں تو ہمارے لئے مشکلات اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ پہلی مشکل یہ ہو گی کہ ہمارے پاس بے شمار ساز و سامان ہو گا جو کچھ منگولوں کے پڑاؤ سے ہمیں ملے گا، اسے سنبھالنا بھی ہمارے لئے مسئلہ ہو گا۔ دوسرے توران ایل خان پر ہمارے کامیاب شب خون کی خبریں منگول مخبر بائیدو کو پہنچائیں گے تو بائیدو پلٹے گا اور بائیدو مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ اکیلا مجھ سے ٹکرانے کی جرأت اور جسارت نہیں کرے گا۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس سے پہلے کئی بار اس کے مقدر میں شکست اور ناکامی

انخبریں رقم کر چکا ہوں۔ اس وقت حمص میں منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے، اسے ساتھ لے گا۔ حلب میں جو منگولوں کا بچا کھچا لشکر ہے، اسے بھی آگاہ کر دے گا اور سب کو اکٹھا کرنے کے بعد ہمارے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش کرے گا۔ اگر ایسا کرتے ہیں تو پھر ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور میں اپنے لشکر کو اس نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔ رات کی تاریکی ہی میں یہ سامان لے کر ہم کوہستانِ قپچاق کی طرف کُوچ کر جائیں گے۔ یہ سارا سامان وہاں پہنچانے کے بعد اپنے مخبروں کو چوکس کر دیں گے جو ان علاقوں میں ہونے والی تبدیلی اور انقلاب سے ہمیں آگاہ کرتے رہیں گے، اس کے مطابق ہم پھر حرکت میں آ سکتے ہیں۔

اس موقع پر میں ایک بات بھی کہوں گا، وہ یہ کہ جب ہم منگولوں کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ کر یہاں سے کوہستانِ قپچاق کی طرف روانہ ہوں تو بائیدو کے مخبر اسے اطلاع دے سکتے ہیں اور بائیدو حمص کے منگولوں اور حلب کے منگولوں کو اپنے ساتھ ملانے سے پہلے ہی ہمارا تعاقب کر سکتا ہے۔ وہ کبھی پسند نہیں کرے گا کہ ہم توران ایل خان کے تحت کام کرنے والے لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد منگولوں کا سارا سامان لے کر اپنی آماجگاہ کی طرف چلے جائیں۔ وہ پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر قسمت آزمائی کرے گا۔ لیکن اپنے مخبروں کے ذریعے ہم چوکس رہیں گے اور بائیدو ایسا کرتا ہے تو پلٹ کر ایسا حملہ اس پر کیا جائے گا کہ اسے واپسی اور شکست کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہیں آئے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رک گیا، کچھ دیر خاموش رہا، پھر باری باری اس نے گہری نگاہ شرف الدین اور حسام الدین پر ڈالی۔ اس کے بعد کہنے لگا۔

”میرے بھائیو! میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا، کہہ چکا۔ اب میں تمہارے خیالات جاننے کی کوشش کروں گا۔“

جواب میں حسام الدین اور شرف الدین نے ایک دوسرے کی طرف غور سے دیکھا، مسکرائے، پھر حسام الدین بولا اور بڑی سنجیدگی میں کہنے لگا۔

”امیرِ محترم! ہمارے کوئی خیالات نہیں ہیں۔ یوں جانئے، جو کچھ آپ نے کہا ہے، یہ میرے اور شرف الدین کے دل کی آواز ہے اور خداوند قدوس نے چاہا تو جو

منصوبہ بندی آپ کر رہے ہیں، اس پر ہم عمل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

حسام الدین اور شرف الدین نے جب اس سے اتفاق کیا، تب تھوڑی دیر بعد منصور بن احمد کے مخبروں نے یہ بھی اطلاع کر دی کہ بائیدو اور توران ایل خان اپنے لشکر کے ساتھ دس میل کے فاصلے پر رہ گئے ہیں۔

یہ خبر ملنے کے بعد منصور بن احمد فوراً حرکت میں آیا، اپنے لشکر کے ساتھ اس نے جنوب کی طرف اس شاہراہ پر سفر شروع کیا، جو حلب سے حمص کی طرف جاتی تھی۔ تھوڑا سا آگے جا کر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہ پلٹا، دائیں جانب سے چکر کاٹتے ہوئے وہ پھر شمال کی طرف بڑھا اور اس شاہراہ کی طرف آ گیا تھا جو حلب سے حران شہر کی طرف چلی جاتی تھی۔ چند میل مزید آگے جانے کے بعد یہی کام شرف الدین اور حسام الدین نے کیا۔ وہ بھی مغرب سے کاوا کاٹتے ہوئے اپنے مخبروں کے ساتھ رابطے میں شمال کی طرف جا کر منصور بن احمد سے جا ملے تھے۔

○○○○○

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

منصور بن احمد کا لشکر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ تاہم لشکر کا ایک حصہ جاگ کر پہرہ ے رہا تھا تا کہ دشمن کا کوئی لشکر اگر شب خون مارنے کی کوشش کرے تو اسے ناکام بنا یا جائے۔

پھر آدھی رات کے بعد لشکر کو جگا دیا گیا۔ لشکر کو تیاری کا حکم دیا گیا۔ ساتھ ہی منصور ن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جو کندار ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ ھوٹے سالار بھی تھے۔ ان سب کو مخاطب کر کے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"میرے بھائیو! جونہی ہمارے لشکری، کوچ کے لئے تیار ہوتے ہیں، پیش قدمی روع کی جائے گی۔ حسبِ سابق لشکر دو حصوں میں تقسیم رہے گا۔ پہلے میں شمال کی نب سے منگولوں کے پڑاؤ پر شب خون ماروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ بائیدو اور توران ل خان کی کمانداری میں دو بڑے بڑے لشکر تھے۔ توران ایل خان اپنے حصے کے لشکر ے ساتھ یقیناً پڑاؤ میں ہوگا۔ جبکہ بائیدو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ہمیں تلاش کرنے لے جنوب کی طرف گیا ہوگا۔ اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ پہلے میں ضرب لگاؤں، ے بعد شرف الدین اور حسام الدین! تم دشمن کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر ان کے ے ارادوں اور خواہشوں کو پامال کر کے رکھ دینا۔ کوشش یہ کرنی ہے کہ اس مہم کو جس جلد اور کم سے کم وقت میں نمٹا سکیں، نمٹا لیں۔ اس کے بعد دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز ٹ کر ہم کوچ کریں گے۔"

یہاں تک کہتے کہتے منصور بن احمد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ کچھ ہرکارے آئے اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ بائیدو اور توران ایل خان جب اپنے تحت لشکر کے ساتھ حلب شہر کے قریب آئے تو ان کے مخبروں نے ان دونوں کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کا سالار منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف گیا ہے۔

یہ خبر ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھی اس لئے کہ حلب کے لوگوں نے انہیں اطلاع کر دی تھی کہ حلب کے اندر جو منگولوں کا لشکر تھا، اس کا ایک طرح سے منصور بن احمد نے صفایا کر کے رکھ دیا ہے اور بائیدو اور توران ایل خان کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر ان سے بچ کر مسلمانوں کا سالار منصور بن احمد جنوب کی طرف چلا گیا اور ہلاکو کی پشت پر حملہ آور ہو گیا تو ہلاکو ان کی گردنیں کاٹ کے رکھ دے گا۔ چنانچہ اپنی پیش قدمی میں تیزی پیدا کرنے کے لئے اپنے پڑاؤ کا سارا سامان حلب سے دو میل دُور شمال میں رکھا گیا اور توران ایل خان کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ وہاں ٹھہرا کر بائیدو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف جا چکا تھا۔

یہ اطلاع یقیناً منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین کے لئے بڑی خوش کن تھی۔ لہٰذا انہوں نے جلدی جلدی تیاری کی، اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ اس لئے کہ دشمن پر شب خون مارنے کی ساری منصوبہ بندی پہلے سے ہی طے ہو چکی تھی۔

چنانچہ رات کے پچھلے حصہ میں اچانک منصور بن احمد حلب شہر کے شمال میں اچانک منگولوں کے پڑاؤ میں منگولوں کے سالار توران ایل خان کے لشکر پر اُداس لمحوں کی کہانیاں کھڑی کرتی دل آزار خواہشوں، مرجھائے پیڑوں کے اُداس چہروں پر خون سے لکھی افسردہ داستانیں رقم کرنے والے تباہی و بربادی کے جلتے الاؤ، جبر کے دائروں کو سربستہ کر دینے والی قہرمانیت کی آندھیوں اور ستم کے پیلے موسموں میں زیست کے پیچ و خم تک درست کر دینے والے تازہ اترتے عذابوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

منگولوں کے لشکر کا ایک حصہ چونکہ رات کو پہرہ دے رہا تھا، لہٰذا جب منصور بن احمد حملہ آور ہوا تو انہوں نے چیخ و پکار مچا دی جس کی بنا پر منگولوں کے لشکر میں ایک ہلچل سی افراتفری برپا ہو گئی۔ کچھ دیر تک انہوں نے تیاری کی، اس دوران تک منصور بن احمد نے

ایک لشکر کے حصہ کو مکمل طور پر کاٹ کے رکھ دیا تھا۔ بہرحال منگول سنبھلے، پھر وہ منصور بن احمد پر سرابوں کے بھرپور صحرا کے اندر درد کی خونی فراوانیاں کھڑی کرتے بگولے پیاسے کانٹوں، منزلوں و کاروانوں، پھولوں و خوشبو، تتلیوں و جگنوؤں، بھنور و بیابانوں، لہلہاتی کھیتیوں، موسموں کے پرندوں تک کے اندر ایک خونی ہلچل برپا کر دینے والی شکست و ریخت کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

اندھیرا اور تاریکی ہونے کے باوجود منگولوں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ مسلمانوں کے جس لشکر نے ان پر شب خون مارا ہے، تعداد میں کافی کم ہے۔ اس موقع پر منصور بن احمد کے لشکریوں نے ایک اور کام کیا۔ منگولوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے، ان کا قتل عام کرتے ہوئے وہ شور کرتے جا رہے تھے کہ جس نے ان پر شب خون مارا ہے، وہ مسلمانوں کا سالار منصور بن احمد ہے۔

منصور بن احمد کا نام ہی چونکہ منگولوں کے لئے ایک وحشت اور خوف تھا، لہٰذا منصور بن احمد کا نام سن کر وقتی طور پر منگولوں کے جسموں پر کپکپی طاری ضرور ہوئی تھی اور پھر اس اثنا ایک اور تبدیلی اور انقلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس طرح کہ منگولوں کے لشکر کے ایک پہلو کی طرف سے شرف الدین اور حسام الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے۔ پھر وہ منگولوں کے پڑاؤ کے ایک پہلو پر جسموں کے سارے زاویوں، تجسیم کی ساری کمانوں تک کو درست کر دینے والی بپھری موجوں کے بگولوں، ہونٹوں کا نطق، ذہن کا ادراک، دل کا وجدان تک ڈھونڈ لینے والے جستجو میں سرگرداں طوفانوں، وقت کے خدوخال میں ہلچل اور تند جذبات میں تلاطم کھڑے کر دینے والے آگ و خون کے نالوں اور زیست کے خونی عذابوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح رات کی تاریکی میں حلب شہر سے دو میل شمال کی جانب موت و مرگ کی بارشیں، خون آشام عذاب، دربدری کی ابتلائیں، پیلی رُتوں کا زہر، آگ و خون کے سراب اور آہوں بھری رُتیں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

میدانِ جنگ اور رزم گاہ کے اندر موت راکھ کی چنگاریوں کو تبدیل کرنے لگی تھی۔ رزم برہم ایک کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے بڑے بڑے جنگجو اپنے مدمقابل کا خاتمہ کرنے لگے تھے۔ موت کروٹ لیتے طوفانوں اور وقت کے خونخوار

المیوں کی طرح رقص کرنے لگی تھی۔ ذلت اور پستی کے قصے چارسُو اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ قضا خونی ردا اور ہجر کے اوطاقوں سے نکل کر ان گنت لوگوں کو نگلنے لگی تھی۔

اب جو منگولوں پر دونوں طرف سے حملہ ہوا تو ان کی ساری جرأت مندی، اُن کی ساری دلیری اور اُن کی ساری شجاعت جواب دینے لگی تھی۔ اس لئے کہ شمال کی طرف سے گرجتے بادلوں کی طرح تکبیریں بلند کرتے ہوئے منصور بن احمد بڑی تیزی سے ان کی تعداد کو کم کرتا جا رہا تھا۔ جبکہ ایک پہلو کی طرف سے حملہ آور ہو کر حسام الدین اور شرف الدین کردی نے بڑی تیزی سے ان کے پڑاؤ کے محافظوں کو زمین بوس کرنا شروع کر دیا تھا۔

پھر رات کے پچھلے پہر کی آنکھ نے دیکھا، بدی کے سائے پھیلاتے، دل کی بستیاں برباد اور جبر کی ظلمتیں کھڑی کرنے والے منگول، منصور بن احمد، اس کے سالاروں اور اس کے لشکریوں کے سامنے خونی رنگ کے اندر اپنی موت کو اپنے سامنے عیاں دیکھ رہے تھے۔ منصور بن احمد خود، اس کے سالار اور لشکری قضا و مرگ کے چکراتے بھنور اور خون کی بارش کے جنوں کی طرح ان پر وارد ہو رہے تھے۔

منگول جو شروع میں بڑے جان لیوا انداز میں حملہ آور ہوئے تھے، اب ان کی حالت بڑی پتلی ہوتی جا رہی تھی۔ شمال کی طرف سے منصور بن احمد اور پہلو کی طرف سے شرف الدین اور حسام الدین تینوں اس پر بری طرح حاوی ہو چکے تھے۔ منگولوں نے دیکھا، حملہ آوروں نے ایک طرح سے ان کا قتل عام شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا ہر منگول آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹ کر اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گیا تھا۔ اس طرح بڑی تیزی سے منگولوں کی حالت جلتے جذبوں کی حسرتوں، خونی حادثوں کی المناکیوں، روح فرسا مناظر، نوحہ کناں ماتم گسار لمحوں اور وقت کی شوریدہ سری سے بھی ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

آخر منگولوں کے سالار توران ایل خان نے جب اندازہ لگایا کہ اس کے لشکر کی حالت بڑی قابل رحم ہو چکی ہے اور اگر رات کی تاریکی میں اسی طرح مسلمان حملہ آور ان کا قتل عام کرتے رہے تو اس کے لشکر میں کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا اس نے پڑاؤ کی ہر شے کو اس کے حال پر چھوڑا اور اپنے بچے کھچے لشکریوں کو لے کر شکست

کرتا ہوا بھاگ گیا۔

منصور بن احمد ان کے بھاگنے کے بعد فوراً حرکت میں آیا۔ اس کے حکم پر مشعلیں روشن کر دی گئیں۔ لشکر کے ایک حصے کو مستعد کر دیا گیا تھا تاکہ پلٹ کر اس پر کوئی حملہ آور نہ ہو اور پھر منگولوں کے پڑاؤ کے سارے سامان کا جائزہ لیا جانے لگا۔

سب سے پہلے باربرداری کے جانوروں کو اٹھایا گیا اور بڑی تیزی سے سامان ان پر لاد دیا گیا۔ اس کے بعد بھیڑ بکریوں کے جو ریوڑ پڑاؤ کے اندر موجود تھے، ان سب کو ہانکتے ہوئے منصور بن احمد اپنے لشکر کو لے کر کوہستانِ قپچاق کی طرف روانہ ہوا تھا۔

سفر کرتے ہوئے منصور بن احمد کو کوئی خیال گزرا اور شرف الدین اور حسام الدین جو اس کے دائیں بائیں اپنے گھوڑوں پر سوار، لشکر کے آگے آگے تھے، انہیں مخاطب کر کے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائیو! تھوڑی دیر تک سورج طلوع ہو جائے گا، چاروں طرف روشنی پھیل جائے گی۔ لہٰذا میں تم سے کہتا ہوں کہ ابھی سے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں۔ یاد رکھنا اب تک منگولوں نے اپنے بڑے سالار بائیدو کو یہ خبر پہنچا دی ہوگی کہ مسلمانوں کا لشکر اچانک حلب کے نواح میں توران ایل خان پر حملہ آور ہوا، اسے شکست دی اور ان کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ کر شمال کی طرف کوچ کر گیا ہے۔ اب ہم نے دو کام کرنے ہیں۔ یہ دو کام کرنے کے بعد ایک طرح سے ہم خود بھی محفوظ ہو جائیں گے اور اپنے ساتھ جو منگولوں کا سامان ہم ڈھیروں کی صورت میں لے کر جا رہے ہیں، یہ محفوظ کر لیں گے۔

میرے بھائیو! لشکر پہلے کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ میں اپنے حصے کے ساتھ تم سے علیحدہ ہو کر بائیں جانب ذرا فاصلے پر رہتے ہوئے شمال کی طرف بڑھوں گا اور اپنے ہرکاروں کے ذریعے تم سے رابطہ رکھوں گا۔ جہاں تک تم دونوں کا تعلق ہے تو تم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنے ان باربرداری کے جانوروں کے علاوہ سارے سامان اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے پیچھے پیچھے رہو۔ کچھ دستے مقرر کر دو، جو باربرداری کے جانوروں کے علاوہ بھیڑ بکریوں کو ہانکتے رہیں۔

اب میں تم پر انکشاف کروں کہ اگر بائیدو کو بروقت خبر پہنچا دی گئی کہ توران ایل خان کو

شکست دینے کے بعد مسلمان پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ کر شمال کی طرف جا رہے ہیں تو وہ ہمارا تعاقب کرے گا۔ اس لئے اگر اُس نے ایسا نہ کیا تو ہلاکو خان کی نگاہ میں اس کی کوئی عزت، کوئی وقار نہیں رہے گا اور جب ہلاکو خان کے پاس یہ خبر پہنچے گی کہ مسلمانوں کا لشکر اچانک حلب کے نواح میں ان کے سالار توران ایل خان پر حملہ آور ہو کر اور اسے شکست دے کر حرکت میں آیا اور منگولوں کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ کر کوہستانِ قپچاق کی طرف چلا گیا اور کسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا تو یہ انکشاف ہلاکو خان کے لئے بڑا تکلیف دہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ پہلے ہی میرے نام سے بڑا نالاں ہے۔ میں نے اور تم دونوں نے چونکہ کئی مواقع پر بلکہ جگہ جگہ ہلاکو خان کے لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے، لہٰذا وہ ہر صورت میں کسی نہ کسی طرح مجھے اپنے سامنے زیر کرنے، مجھے زندہ گرفتار کرنے یا میرا سر کاٹ کر پیش کرنے کی آرزو رکھتا ہے اور خداوند قدوس کو منظور ہوا تو اس کی یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوگی۔

میرے بھائیو! ہم ان کے ساتھ زیادتی نہیں کر رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا لہٰذا ہم منگولوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ قسم اللہ پاک کی، جس قدر لشکر میرے پاس ہے اس سے دوگنا لشکر بھی میرے پاس ہوتا تو میں کھلے میدانوں میں ہلاکو خان کے سامنے آتا اور اسے بتاتا کہ میں ہی مسلمانوں کا سالار ہوں جس نے بغداد کے سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد کے ساتھ مل کر بغداد کے نواح میں تمہیں بدترین شکست دی تھی اور اگر اس وقت ہمارے کچھ سالاروں کی کوتاہی اور کم عقلی کی وجہ سے تمہاری شکست فتح میں بدل گئی تو وہ تمہارا کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ لہٰذا میں اسے کھلے میدانوں میں پکارتا اور اپنے اللہ، اپنے رب کی حمایت سے اسے شکست دے کر یقیناً اس کے مرکزی شہر قراقرم تک تعاقب کرتا۔

میرے بھائیو! ہلاکو خان کی یہ ساری کامیابیاں اور اس کی ساری کامرانیاں ہمارے اپنوں کی غداریوں، کوتاہیوں اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے ہیں۔ منگول ناقابلِ تسخیر نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ بھیڑیے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو چیر پھاڑ کھائیں گے۔ میرے عزیز بھائیو! گزشتہ جنگوں میں تم نے بھی دیکھا، سب نے اندازہ لگایا کہ عربوں، ترکوں ا کردوں پر مشتمل ہمارے لشکر نے کئی بار انہیں کھنگالا، بدترین شکستیں دیں۔ میری ا

ے دعا ہے کہ کوئی بڑا لشکر ہماری حمایت میں اٹھ کھڑا ہو یا مسلمانوں کا کوئی اور حکمران تکبیریں بلند کرتا ہوا اٹھے اور منگولوں کے سامنے ایسی دیوار بن کر کھڑا ہو کہ ان کی پیش قدمی کو روک دے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر ہم منگولوں کی پشت پر خوب ضرب ہیں گے کہ منگول اپنے جنگجو ہونے کے سارے دعوؤں کو بھول کر رہ جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رک گیا۔ اس کے بعد لشکر پہلے کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ منصور بن احمد اپنے لشکر کو لے کر مغرب کی طرف غائب ہو گیا تھا جبکہ حسام الدین اور شرف الدین اپنے حصے کے لشکر کو لے کر باربرداری اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے پیچھے آ گئے تھے۔ کچھ دستے انہوں نے مقرر کر دیئے تھے جو باربرداری کے جانوروں اور بھیڑ بکریوں کو ہانک کر شمال کی طرف جا رہے تھے۔

دوپہر سے کچھ پہلے انہیں اپنی پشت پر دھول کے بادل اٹھتے دکھائی دیئے جس سے شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے اندازہ لگایا کہ منگولوں کا سالار بائیدو ان کے تعاقب میں لگ گیا ہے۔ چنانچہ جو دستے باربرداری کے جانور اور ریوڑ کو ہانک رہے تھے، انہیں شرف الدین اور حسام الدین کردی نے کہا کہ وہ آگے بڑھتے رہیں جبکہ اپنے حصے کے لشکر کو انہوں نے روک دیا تھا تاکہ بائیدو سے دو ہاتھ کر لیں۔

چنانچہ بائیدو آتے ہی شرف الدین اور حسام الدین کے لشکر پر دل کی منڈیر، ذہن کی کھڑکیوں پر بلائے ناگہانی بن کر نزول کرتی وحشت بھری حشر سامانیوں، زیست کی گردش میں تعبیروں کے کرب، دکھ کے المیے، قحط کے عذاب برپا کرتے آوارہ مزاج بجگروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

بائیدو نے دیکھا کہ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بہت کم ہے لہٰذا آج اسے مسلمانوں کے لشکر سے انتقام لینے کا موقع مل جائے گا۔ وہ یہی خیال کر رہا تھا کہ جس لشکر سے وہ ٹکرا رہا ہے اس کی کمانداری مسلمانوں کا سالار احمد بن منصور کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے شروع میں ہی تیز حملوں سے ابتدا کر دی تھی۔ جبکہ اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے شرف الدین اور حسام الدین بھی منگولوں کے لشکر پر چٹانوں سے ٹکرا جانے والے بحر کے کھولتے طوفانوں، قیامت بدوش اندھیاؤں، زمین کے نشیب و فراز کو فراموش کر دینے والے فطرت کے تحیر خیز قہر کی طرح حملہ آور ہوئے۔

جواب میں منگول بھی ان پر تخیل کے رنگ ونقوش مٹاتی شعلے برساتی موت، ہجر کی تلخیاں بڑھاتی کرب کا آشوب پھیلاتی بے کراں بحر میں جوش مارتی سرکش موجوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

شرف الدین اور حسام الدین دونوں نے بائیدو کے حملوں کو روک کر اپنے آپ کو صرف دفاع تک محدود رکھا تھا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے، تھوڑی دیر تک ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہوگی جو بائیدو اور اس کے لشکریوں کو ہلا کر رکھ دے گی۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ دائیں جانب سے اچانک سینۂ ارض پر چھائے سناٹوں میں چیخ مچلتی، جھاگ اُڑاتی آندھیوں اور ارادوں کو سلب، خواہشوں کو بے جہت کر دینے والی ان گنت گیتوں کی نغمگی کی طرح تکبیریں بلند ہوئیں اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد منصور بن احمد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور منگولوں کے لشکر کے ایک پہلو پر رگ و پے میں سنسنی پھیلاتے تعزیر کے جنون، وہموں اور خوابوں، یادوں اور خواہشوں کو پامال کر دینے والے جبر کے ہولناک طوفانوں، سانسوں کی اوس چاٹ کر موت کی گہری نیند سلا دینے والے دست قضا کے قہر، شعلہ آسا ساجوں اور صحرا سے اٹھتے ناآشنا آشوب کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

بائیدو اور اس کے لشکریوں کی بدقسمتی اس سے پہلے وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ منصور بن احمد کے لشکر پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ اور جب منصور بن احمد بائیں جانب سے نمودار ہو کر ان پر حملہ آور ہوا تب منگولوں پر خوف اور دہشت طاری کرنے کے لئے منصور بن احمد کے لشکری آوازیں بلند کرنے لگے تھے کہ ہم منصور بن احمد کے ماتحت کام کرنے والے لشکری ہیں اور منگولوں کے ایک ایک فرد کو کاٹ کر رہیں گے۔

اس سے بائیدو ہی نہیں، اس کے چھوٹے سالاروں اور لشکریوں نے بھی یہ جان لیا تھا کہ جس لشکر پر وہ پہلے حملہ آور ہوئے تھے اس کی کمانداری منصور نہیں بلکہ شرف الدین اور حسام الدین کر رہے تھے اور اب دائیں جانب سے اچانک نمودار ہو کر منصور بن احمد ان پر حملہ آور ہوگیا ہے۔

یہ انکشاف بائیدو، اس کے سالاروں اور اس کے لشکریوں کے لئے یقیناً حوصلہ شکن تھا۔ اور پھر جب منصور بن احمد مغرب کی طرف سے نمودار ہو کر منگولوں کے لشکر کے پہلو

حملہ آور ہوا، تب شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار نے بھی دفاع کا لبادہ اُتار پھینکا اور جارحیت پر اُترے۔ وہ بھی بڑے خوفناک انداز میں منگولوں پر ضربیں لگاتے ہوئے ان کی تعداد تیزی کے ساتھ کم کرنے لگے تھے۔

اس طرح ویرانوں میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے صوت وصدا کی مستی زندگی کی کراہیں بھرنے لگی تھی۔ زخم خوردہ تقدیر خواہشوں کو بے لباس، دعاؤں کو بے ثمر کرتی جا رہی تھی۔ رزم گاہ کے اندر قضا کی جستجو کے بگولے۔ تڑپتی چیختی آرزوئیں، شور مچاتی جنون خیز موت ناچ اٹھی تھی۔ دلوں پر دستک دیتے قضا کے لمحات رقص کرنے لگے تھے۔ بے کل خواہشیں اور جھلمل کرتے ارادے مرگ کے سامنے سرنگوں ہونا شروع ہو گئے تھے۔

بہر حال کچھ دیر تک ہولناک رن پڑا۔ بائیدو اور اس کے منگول یہ امید رکھتے تھے کہ اس بار فتح ان کی ہوگی۔ لیکن منصور بن احمد کے لشکریوں نے برابر چیخ چیخ اور چلا چلا کر جب یہ کہنا شروع کیا کہ منصور بن احمد پہلے کی طرح ان کے لشکر کی اکثریت کو کاٹ کر رکھ دے گا اور اس طرح کے وہ نعرے بلند کرنے لگے تھے۔ جس کی وجہ سے منگولوں کے اندر حوصلہ شکنی اور خوف و ہراس پھیلنا شروع ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ بائیدو نے خود اندازہ لگا لیا کہ منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین کے سامنے اس کا لشکر دبتا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی بہتری اسی میں جانی کہ شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اب آسانی سے بھاگنا بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کر کے ان کی تعداد مزید کم کی اور پھر وہ پلٹے اور اپنے ان دستوں سے آن ملے تھے جو بار برداری کے جانوروں اور ریوڑوں کو ہانک کر دشت قپچاق کا رخ کر رہے تھے۔

منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین اپنے فاتح لشکر کو لے کر جب دشت قپچاق میں داخل ہوئے تو کیا بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد سب بڑے پُرجوش انداز میں ان کے استقبال کے لئے نکل آئے تھے۔ اس موقع پر لوئی تاشی اور یانگ خان اپنے لشکر کے اگلے حصے میں آئے جہاں منصور بن احمد، حسام الدین اور شرف الدین اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ لوئی تاشی اور یانگ خان کو آتے دیکھ کر منصور بن احمد، شرف الدین اور

حسام الدین اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ لشکریوں اور سالاروں کو انہوں نے اپنے گھروں کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔

لوئی تاشی اور یانگ خان قریب آکر پہلے تینوں سے باری باری بغل گیر ہوئے۔ دونوں مسکرا رہے تھے، بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر منصور بن احمد کو مخاطب کرتے ہوئے لوئی تاشی کہنے لگا۔

"امیر! جہاں آپ ہمارے لئے فتح مندی کی ایک بہترین خبر لے کر آئے ہیں وہاں آج ہم بھی آپ کو ایک اچھی بلکہ بہت ہی اچھی خبر دیں گے۔ آپ کی کارگزاری کی خبریں ہم تک ہرکارے اور مخبر پہنچاتے رہے ہیں اور یہ ساری خبریں میں اپنی بیٹی کیتھرائن تک پہنچاتا رہا ہوں۔"

یہاں تک کہتے کہتے لوئی تاشی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد بول اٹھا۔

"لوئی تاشی! یہ جو ہم چھوٹی بڑی کامیابیاں سمیٹتے ہیں تو اس میں تم سب لوگ بھی شامل ہوتے ہو۔ تم لشکریوں کا اہتمام کرتے ہو، ان کے کھانے پینے، ان کی ضروریات کا سامان اکٹھا کر کے مہیا کرتے ہو۔ اس بنا پر تم اور یانگ خان دونوں ہی ہمارے ساتھ عملی نہیں تو روحانی طور پر جنگوں میں شامل ہوتے ہو۔ پر یہ تو کہو، میرے لئے کیا خوشخبری ہے؟"

اس پر لوئی تاشی مسکراتے ہوئے بول اٹھا۔

"امیر! آپ کے لئے خوش خبری یہ ہے کہ آپ کے ہاں بیٹا ہوا ہے، بالکل آپ کی شکل کا ہے۔ انتہائی خوب صورت ہے اور اس کی پیدائش پر یہاں لوگوں نے اس قدر خوشیوں کا اہتمام کیا کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد لوئی تاشی رکا، پھر منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے بلکہ آپ سے گزارش کریں گے کہ آپ گھر جائیں۔ اس لئے کہ ہماری بیٹی کیتھرائن بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی ہو گی۔ آپ کی آمد سے پہلے ہی اسے اطلاع کی جا چکی ہے اور جو کامیابیاں آپ نے حاصل کی ہیں، ان کی خبریں بھی اس تک پہنچتی رہی ہیں۔"

اس موقع پر منصور بن احمد نے باری باری ایک گہری نگاہ حسام الدین اور شرف الدین پر ڈالی، پھر ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے بھائیو! لوئی تاشی اور یانگ خان کے ساتھ اس سارے سامان کی تقسیم کا احسن طریقے سے اہتمام کرنا اور جو سامان بچ رہا ہے، وہ لوئی تاشی اور یانگ خان کے پاس جمع کرا دینا۔ تاکہ آنے والے دور میں وہ سامان لشکر کے کام آئے۔"

اس موقع پر لوئی تاشی بولا اور کہنے لگا۔

"امیر! بار برداری کے جانوروں پر لدا سامان اور ریوڑ میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ بہت زیادہ سامان ہے۔ اسے میں، یانگ خان، شرف الدین اور حسام الدین اکیلے تقسیم نہیں کریں گے۔ یہ سارا سامان ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا۔ ریوڑ کے جانوروں کو بھی کھڑا کر دیا جائے گا، ان کے چارے کا اہتمام کیا جائے گا۔ آپ پہلے گھر جائیں، اپنے بیوی بچوں سے ملیں، اس کے بعد عصر کی نماز کے بعد اس سامان کی تقسیم کا کام آپ کی نگرانی میں مکمل کیا جائے گا۔"

منصور پہلے تو رضامند نہ تھا لیکن لوئی تاشی اور یانگ خان، شرف الدین اور حسام الدین کے زور دینے پر مان گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی رہائش گاہ کی طرف ہو لیا تھا۔

ابھی وہ اپنی رہائش گاہ کے نزدیک ہی پہنچا تھا کہ ایک لشکری بھاگا بھاگا آیا، منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیر! گھوڑا مجھے دے دیجئے۔ اس کے ساتھ جو خرجین ہے، وہ اتار لیں۔ میں اس کی زین اور دھانہ اتار کر اس کے چارے پانی کا اہتمام کرتا ہوں۔"

منصور مان گیا۔ گھوڑے سے اترا، زین کے ساتھ بندھی ہوئی خرجین اس نے اتار لی۔ پھر وہ لشکری اس کے گھوڑے کو ایک طرف لے گیا تھا۔ خرجین کندھے پر ڈالے منصور بن احمد اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اس وقت اپنے بچے کو گود میں لئے کیتھرائن صحن میں کھڑی شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اور جونہی منصور بن احمد گھر میں داخل ہوا، کیتھرائن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور اس کی خوشیوں، اس کی طمانیت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

آگے بڑھ کر منصور بن احمد نے پہلے کیتھرائن کا گال پیار سے تھپتھپایا، بچے کو گود

میں لیا، اسے چوما۔ بچہ سویا ہوا تھا۔ پھر کیتھرائن نے بچے کو لے لیا اور اسے شانے سے لگاتے ہوئے منصور بن احمد کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں بچے کو لٹاتی ہوں، آپ کا لباس تبدیل کراتی ہوں، پھر دونوں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔"

منصور مان گیا۔ اس کے بعد اس کا ہاتھ تھامے کیتھرائن اسے سامنے والے کمرے میں لے جا رہی تھی۔

○○○○○

ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ فلسطین کی سرزمینوں میں قیام کیے ہوئے تھا۔ اپنی تیاریوں کو مصر پر حملہ آور ہونے کے لئے آخری شکل دے رہا تھا۔ ابھی انہی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اس کے کچھ قاصد شمال کی طرف سے آئے اور منصور بن احمد کے ہاتھوں حلب شہر کے نواح میں جو منگولوں کا قتل عام ہوا تھا، اس کے بعد توران ایل خان کی شکست اور اس کے لشکر کے قتل عام اور پھر بائیدو کے لشکر کی شکست کا احوال انہوں نے تفصیل سے کہہ دیا تھا۔

اس وقت ہلاکو خان کے سالاروں میں سے مہرتاق، آنچل اور ان کے علاوہ اور کچھ دوسرے بھی موجود تھے۔ یہ خبر سن کر ہلاکو خان اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک گہری سوچوں مین ڈوبا رہا، اس کے بعد اپنے سالاروں اور ایک طرف بیٹھے اپنے بیٹوں کو بھی مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں کا سالار منصور بن احمد ہمارے قابو میں نہیں آ رہا۔ ہمیں نقصان پر نقصان پہنچائے جا رہا ہے۔ جب یہ حملہ آور ہوتا ہے تو ہمارے لشکریوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار کر غائب ہو جاتا ہے، سانپ کی طرح چپکے سے نمودار ہوتا ہے، اپنا کام کر کے پرچھائیوں کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ ہماری یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اب تک کئی بار اس کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہوا اور ہمارے سالاروں میں سے کوئی بھی اس پر قابو نہ پا سکا۔ دربائی کو آزمایا، اسے شکست ہوئی۔ بائیدو بڑے سالاروں میں شامل ہے، وہ کئی بار اس کے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے۔ توران ایل خان

کو آزمایا، وہ بھی اس کے ہاتھوں کئی بار پٹ چکا ہے۔ اور سب سے بڑی بات، ایک بار اس نے ہمارے دو نامور سالاروں توران سلاوز اور توبان سونجاق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے کسی سالار نے ہمارے خلاف اس طرح کی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کی اور نہ ہی اس کے سوا کسی نے ہمیں نقصان پہنچایا۔

حیرت کی بات ہے، اس کے پاس زیادہ سالار بھی نہیں ہیں۔ دو تین ہی سالار ہیں جو اپنے مختصر لشکر کو حرکت میں لاتے ہیں۔ ایک منصور بن احمد خود ہے، دوسرا اس کا نائب حسام الدین اور تیسرے کا نام شرف الدین ہے۔ جہاں کہیں بھی یہ منصور بن احمد ہمارے لشکریوں پر حملہ آور ہوا، یہ دونوں سالار اس کے دست راست تھے، اس کی مدد کرنے والے تھے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ مصر کی اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد میں خود حرکت میں آؤں گا۔ قط بوغا اور مہر تاق کے ساتھ منصور بن احمد پر ایسی ضرب لگاؤں گا کہ وہ اپنی ساری چوکڑیاں بھول جائے گا۔ اور ہم کوشش کریں گے کہ اسے گرفتار کر کے اس کی گردن کاٹ کر اپنے پڑاؤ میں لٹکا دیں تاکہ ہمارے لشکریوں پر اس کا جو خوف اور ہراس ہے، وہ جاتا رہے۔

ہلاکو خان کے سالاروں اور بیٹوں نے اس سے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا۔

پھر ہلاکو خان کی بدقسمتی کہ اگلے روز اس کے پاس پھر قاصد آئے۔ یہ قاصد منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم سے آئے تھے۔ اور آنے والے ان مخبروں نے ہلاکو خان کو اس کے بھائی منگو خان کے مرنے کی اطلاع دی تھی اور ہلاکو خان کو کہا تھا کہ اسے آبائی شہر قراقرم میں قرولتائی یعنی مجلسِ مشاورت میں حصہ لینے کے لئے طلب کیا گیا ہے۔ یہ صورتِ حال یقیناً ہلاکو خان کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔ اس کا بھائی مر چکا تھا اور وہ خود بھی خواہش کرتا تھا کہ اپنے بھائی کے بعد وہ سارے منگولوں کا خاقان بنے اور مسلمانوں کے جو علاقے اس نے فتح کئے ہیں، وہ اپنے بڑے بیٹے اباقا کے حوالے کر دے۔

چنانچہ آبائی شہر سے آنے والے مخبر کو اس نے اپنے پاس روک لیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سوچ سمجھ کر کل تک اپنے فیصلہ کو آخری شکل دے گا۔

دراصل چنگیز خان کے مرنے کے بعد منگولوں کے اپنے وطن میں وہ حالات نہ رہے تھے جو کبھی چنگیز خان کے دور میں تھے۔

چنگیز خان کی اولاد میں سے ہر کوئی اب خاقان بننے کی تگ و دو میں لگ گیا تھا اور یہ ایسا عہدہ تھا جس سے سارے منگولوں کو متحد رکھا جا سکتا تھا۔ اس بنا پر خاقان بننے کے لئے چنگیز خان کی ساری اولاد میں ایک کشمکش شروع ہو گئی تھی۔

چنگیز خان کے چار بیٹے اوغدائی خان، چغتائی خان، تولائی خان اور جوچی خان تھے۔

اوغدائی خان کے پانچ بیٹے تھے۔ کیوک خان، کوتاف خان، قزاق خان، ارغول خان، کوجو خان اور قاشین خان۔

اسی طرح سب سے چھوٹے بیٹے تولائی خان کے چار بیٹے تھے۔ منگو خان، ہلاکو خان، قبلائی خان اور اریق بوغا۔

چنگیز خان کے بعد منگولوں کا خاقان اس کا بیٹا اوغدائی خان بنا۔ اس کے بعد تھوڑے عرصے کے لئے اس کا بیٹا کیوک خان منگولوں کا سربراہ ہوا۔ اس کے بعد چنگیز خان کے بیٹے تولائی خان کا بیٹا منگو خان، منگولوں کا خاقان بنا تھا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ چنگیز خان کا سب سے بڑا بیٹا جوچی خان، مغرب میں روس کے علاقوں میں چلا گیا تھا اور وہاں بہت سے علاقے اس نے فتح کر کے اپنی ایک علیحدہ مملکت بنالی تھی۔

جوچی کے چار بیٹے تھے۔ باتو خان، برکجار خان، بوقا تیمور اور برقائی خان۔ باتو خان مر چکا تھا اور اب مغرب کا حکمران برقائی خان تھا اور یہ پہلا منگول تھا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

دوسری طرف تولائی خان کے چار بیٹے تھے۔ ان میں منگو خان اپنے آبائی علاقے صحرائے گوبی اور جھیل بیکال کے پاس قیام پذیر رہا۔ اس لئے کہ وہ سارے منگولوں کا خاقان تھا۔ اس کا دوسرا بھائی قبلائی خان چین جا چکا تھا۔ وہاں اس نے وسیع علاقے فتح کر کے اپنی علیحدہ مملکت قائم کر لی تھی۔

تیسرے بھائی ہلاکو خان نے عالم اسلام کے اندر آگ و خون کا کھیل کھیلتے ہوئے اپنے لئے وسیع علاقے قائم کئے تھے اور اس کے بھائی منگو خان نے جو منگولوں کا خاقان تھا، ایک حکم جاری کر دیا تھا کہ ہلاکو خان نے مسلمانوں کے جو علاقے فتح کئے

ہیں وہ ان کا مالک ہے۔ وہاں اسے حکومت قائم کرنے کا حق ہے۔ جب کہ سب سے چھوٹا اور چوتھا بھائی اریک بوغا، منگو خان کے پاس ہی جھیل بیکال کے کنارے قیام پذیر رہا۔

جہاں تک برقائی خان کے علاقوں کا تعلق تھا تو اس کا اور اس کے بڑے بھائی باتو خان کا باپ بھی ان علاقوں کا وارث بنا تھا۔ جوچی کے بعد باتو خان ان علاقوں کا حکمران ہوا۔ باتو خان گنٹھیا کا مریض تھا، جلد ہی انتقال کر گیا۔ اس کے انتقال پر منگو خان نے برقائی خان کو نظر انداز کیا۔ وہ اس لئے کہ برقائی خان اسلام قبول کر چکا تھا۔ اور منگو خان نہیں چاہتا تھا کہ مغرب کے وسیع علاقوں کا حکمران کوئی مسلمان ہو۔ چنانچہ باتو خان کے مرنے کے بعد منگو خان نے ایک بیٹے کا انتخاب کیا۔ باتو خان کا بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نصرانی اور عیسائیوں کا دوست تھا۔ ایک موقع پر جب کہ وہ منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم سے مغرب کی طرف جا رہا تھا، راستے میں بیمار ہو کر مر گیا۔ لہٰذا وہ مغرب کے ان علاقوں کا حکمران نہ بن سکا۔ وہ علاقے چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوچی خان کے حصہ میں آئے تھے۔

اس کے مرنے کے بعد منگو خان نے پھر برقائی خان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا اور بڑے بھائی باتو خان کے ایک پوتے کو جانشین کیا لیکن چند ماہ بعد وہ بھی پُراسرار طریقہ سے مر گیا۔

اس کے بعد مغرب کے ان علاقوں کا حکمران برقائی خان بنا۔ مؤرخین لکھتے ہیں، منگو خان کے دور میں بھی برقائی خان، منگو خان کا ماتحت برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ وہ اپنے حق کے مطابق خود شہنشاہ بن گیا تھا اور چاہتا تھا کہ منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم سے اس کے معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے۔

جہاں تک مسلمان ہونے والے برقائی خان کا تعلق تھا، اس کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں، وہ موٹا تازہ تھا۔ لیکن بدقسمتی سے گنٹھیا کا مریض تھا۔ جلد زردی مائل تھی۔ اپنے کانوں کے پیچھے وہ اپنی زلفیں گوندھا کرتا تھا۔ اپنے بڑے بھائی باتو خان کی طرح وہ بھی جواہرات سے مرصع کمربند استعمال کرنا پسند کرتا تھا۔ برقائی خان کے متعلق مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ باتو خان کی طرح اسے بھی تمنا تھی کہ اپنے لئے نیا شہر آباد کرے۔ اس کے

بڑے بھائی باتو خان نے جو شہر دریائے وولگا کے کنارے نشیبی علاقوں میں آباد کیا، وہ خیموں کا شہر کہلاتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں خیمے ہی خیمے تھے۔

اپنے بڑے بھائی کے کام کی پیروی کرتے ہوئے برقائی خان نے اسی دریا کے کنارے اور زیادہ شمال میں ایک اور شہر آباد کیا اور بجائے خیموں کے اسے اینٹوں سے تعمیر کروایا۔ جاڑوں میں یہ زیادہ آرام دہ ثابت ہوا اور وہاں برقائی خان اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے علاقوں پر حکمرانی کرتے ہوئے پُرسکون زندگی بسر کرنے لگا تھا۔

برقائی خان کا ان علاقوں میں کوئی رقیب اور مدمقابل نہ تھا۔ اس کی سلطنت کی ...عت طے کرنے کے لئے تاجروں کو مشرق سے مغرب تک چھ مہینے اور شمال سے ...وب تک تین مہینے لگ جاتے تھے۔ وہ مصر سے شیشے کا سامان، جنوب سے قالین اور ...را سامان لاتے۔ کچھ اہلِ وینس، بحیرہ اسود کی بردہ فروشی کی بندرگاہوں میں سفر کرتے ...ئے جواہرات بیچنے کے لئے برقائی خان تک پہنچتے تھے۔

برقائی خان منگولوں کے طور طریقے سے زندگی بسر کرتا تھا۔ بہت کم وہ دشت میں ...تے ہوئے باہر نکلتا تھا۔ اسے حد درجہ مناسب معلوم ہوتا تھا کہ دنیا بھر کی نعمتیں اور ...تیں خود کھنچ کھنچ کر اس کے پاس آ جائیں۔ بجائے اس کے کہ وہ خود دنیا کے جھمیلوں ...ما جا پھنسے۔

اس نے خانہ بدوش کی پوری پوری آزاد زندگی بسر کرنا شروع کی۔ چنگیز خان کے ...ولوں پر پوری طرح عمل کرتا رہا۔ خاندان کے جھگڑوں سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ ...سا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پاس بلخ، بخارا اور سمرقند کے تاجر کھنچے چلے آتے ...تھے۔ برقائی خان اکثر و بیشتر یورپ کے علاقوں میں جا گھستا، چھاپے مارتا اور اپنی ...ریات کا سامان حاصل کرتا۔ جن علاقوں سے ہوتا ہوا وہ پولینڈ یا دوسرے علاقوں کا ...کرتا، ان علاقوں کو اہلِ یورپ کالی سڑکوں کا نام دیتے تھے۔

...لا برقائی خان یورپ کے مختلف علاقوں پر چھاپے مارتے ہوئے اپنے لئے ...ریاتِ زندگی کا سامان حاصل کر لیتا تھا۔ اس طرح سیدھے سادے طریقے سے ...خان کا خزانہ معمور رہتا تھا۔

...وسیوں سے خراج وصول کرتا اور مغرب کی اپنی حدود کو پار کر کے خراج وصول کر

لیتا۔ اپنی سلطنت کے زیر سایہ حکومتوں سے تحائف وصول کرنے پر اکتفا کرتا جس سے ان کے امن اور دوستی اور حفاظت کا سلوک کرتا۔ برقائی خان کی یہ چھاپہ مار حکمت عملی چنگیز خان کے اصولوں کے برعکس تھی۔

چنگیز خان کہا کرتا تھا کہ منگولوں کا فرض ہے کہ دنیا کی عسکری قوتوں کا قلع قمع کر کے ساری متمدن دنیا کو خانہ بدوشوں کا غلام بنا دیا جائے۔

لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد برقائی خان نے آہستہ آہستہ وحشت خیز چنگیز خان کے اصولوں سے روگردانی شروع کر دی تھی۔ جن دنوں برقائی خان پُرسکون انداز میں اپنے علاقوں میں حکومت کر رہا تھا، اس کے اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے ایک طرح کی تبدیلی رونما ہوئی۔

جنوب میں ایک اور طاقت نمودار ہوئی۔ وہ منگولوں کے خاقان منگو خان کا بھائی ہلاکو خان تھا جس کی وحشت اور بربریت کی رتھ گاڑی سمرقند کے پاس سے کھڑکھڑاتی ہوئی مغرب میں نمودار ہوئی جہاں سے کوہستانِ قپچاق کی چوٹیاں صاف نظر آتی تھیں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ 1255ء سے 1260ء تک کا عرصہ منگولوں کے لئے بڑا نازک دور تھا۔ اس دوران برقائی خان اپنے چچا زاد بھائی ہلاکو خان کی فاتحانہ پیش قدمی کو بڑے شک اور شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگا تھا۔ ہلاکو خان کا ایسے مسلمانوں سے پالا پڑا تھا جو اس کے ساتھ جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ پہلے سے چنگیز کے ہاتھوں کچلے ملے تھے۔ لہٰذا ہلاکو خان پہلے اسماعیلیوں کے قلعوں پر حملہ آور ہوا، انہیں تباہ و برباد کیا، اس کے بعد اس نے بغداد کو فتح کیا۔ بغداد کا آخری خلیفہ منگول گھوڑوں کی ٹاپوں تلے کچلا کر مارا گیا۔ ہلاکو خان کے چھکڑے بغداد اور مسلمان کے دوسرے شہروں سے ملنے والے مالِ غنیمت سے بھرے ہوئے تھے۔

بغداد اور دوسرے مسلمانوں کے علاقوں کی تباہی کا حال سن کر مسلمان ہونے والے برقائی خان نے ہلاکو خان کو ایک خط لکھا، جس میں اس نے تحریر کیا۔

"تم نے مقدس مقام کی بے حرمتی کی ہے اور اس معاملے میں اپنے پہلے خاندان کے دوسرے افراد سے مشورہ نہیں کیا۔"

ہلاکو خان کو اپنے چچا زاد بھائی برقائی خان کے یہ الفاظ پسند نہ آئے۔ چنانچہ

رُت میں آیا، جاڑے کے موسم میں کوہستانِ قپچاق کے جنوبی دامن تک جا پہنچا۔ اس متصل اب برقائی کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ ان علاقوں میں جہاں ہلاکو پہنچا، وہاں چراگاہوں کی بہتات تھی اور بلند وادیوں کا پانی تازہ اور شیریں تھا۔

یہیں پر ہلاکو خان کی بیوی جس کا نام دوقوزہ تھا جو عیسائی تھی، اس کے کہنے پر ہلاکو نے لکڑی کا ایک کلیسا بھی تعمیر کروایا اور جب دوقوزہ کے کہنے پر لکڑی کے اس کلیسا میں گھنٹیاں بجائی گئیں تو ان گھنٹیوں کی آواز سن کر ارمنی اور گرجستانی لوگ بڑے خوش ہوئے۔ اس لئے کہ وہ عیسائی تھے۔ لہٰذا وہ جوق در جوق، گروہ در گروہ ہلاکو خان کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح ہلاکو خان کی عسکری طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔

ان علاقوں میں قیام کے دوران ہلاکو نے اپنی بیوی دوقوزہ کے کہنے پر مسلمانوں پر مظالم کرنے شروع کر دیئے۔ ان مظالم کی اطلاع مسلمانوں نے برقائی خان کو دینا شروع کر دی اور مسلمانوں نے برقائی کو لکھا۔

"ہر مذہبی فرقے کو آزادی حاصل ہے لیکن کسی مسلمان کو آواز اُٹھانے کا حق نہیں۔ ادنیٰ اعلیٰ ہر عیسائی بھڑک دار کپڑے پہنے گاتا پھرتا ہے۔"

انہوں نے یہ بھی تحریر کیا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں منگولوں کو اپنا ملجا و ماوا اور غیبی مدد سمجھ کر ہلاکو کے لشکر میں گرجستانی، ارمنی اور بہت سے صلیبی جنگجو اور نائٹ بھی شامل ہونے لگے ہیں اور ہلاکو ان کو کہتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو تا کہ میرے نصیب مزید کھل جائیں۔

○○○○○

اب جبکہ ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ ارضِ فلسطین میں پہنچ چکا تھا تو اس کے لشکر کی حالت یہ تھی کہ اس کے لشکر میں انطاکیہ کے عیسائی، نائٹ اور ان کا سردار ریمنڈ چہارم بھی شامل تھا اور گرجستانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر اپنے بادشاہ کی کمانداری اور سرکردگی میں ہلاکو کے لشکر میں شامل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ آرمینیا کے عیسائی، ہلاکو خان کے لشکر کا حصہ بن چکے تھے۔ اس طرح ہلاکو خان کے لشکر کی تعداد اس قدر ہو گئی تھی کہ وہ گنتی کے قابل نہ رہا تھا۔ چنانچہ اپنی اسی طاقت اور قوت کے زعم میں ہلاکو خان نے مصر کو

فتح کرنے کا پکا اور مصمم ارادہ کرلیا تھا۔

یہ وہ دور تھا کہ مسلمانوں پر لرزہ طاری ہو گیا کہ اگر مصر پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا تو مسلمانوں کے لئے عرب کے ریگستان اور شمالی افریقہ کے گمنام ساحلوں کے علاوہ دنیا میں کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔

مشہور مؤرخ ابنِ اثیر لکھتا ہے۔

''سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک مسلمانوں پر کبھی ایسا برا وقت نہ آیا تھا۔ ہلاکو خان کا لشکر دریائے اردن کے مغرب کی سطح مرتفع تک پہنچ گیا۔''

بہر حال یہ منگولوں کی اندرونی صورتِ حال تھی۔ اب جبکہ ہلاکو خان مصر پر حملہ آور ہونے کی اپنی تیاریوں کو مکمل کر چکا تھا کہ اس کے آبائی دشت اور مرکزی شہر قراقرم سے اس کے لئے یہ پیغام آیا کہ منگولوں کا خاقان اور اس کا بھائی منگو خان فوت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگلے خاقان کا انتخاب کرنے کے لئے ہلاکو خان کا اپنے مرکزی شہر میں آنا انتہائی ضروری ہے۔

ایک دن کے بعد ہلاکو خان نے فیصلہ کیا کہ واپس جائے گا۔ اس لئے کہ ہلاکو خان یہ اُمید لگائے بیٹھا تھا کہ اپنے بھائی کی جگہ وہ خاقان بن جائے گا۔ جبکہ مسلمانوں کے جو علاقے اس نے فتح کیے ہیں، وہاں اپنے بڑے بیٹے اباقا خان کو حکمران بنا دے گا۔ انہی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے واپسی کا ارادہ کیا۔

منگو خان کی موت کی خبر آنے کے بعد جو حالت ہلاکو خان کی تھی، اس سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر ہلاکو خان ہچکچایا اور ہچکچاہٹ کی بات بھی تھی۔ منگولوں کی روایات کے مطابق صحرائے گوبی میں اپنے شہر قراقرم واپسی اور عزیزوں کی قرولتائی یعنی مجلس میں شرکت ضروری تھی۔ خواہ وہ کتنی ہی دُور سہی لیکن شرکت لازم تھی۔

اب جبکہ ہلاکو نے واپسی کا فیصلہ کر لیا تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر اس کی بیوی دوقوزہ جو عیسائی تھی، وہ چاہتی تھی کہ مصر کو فی الفور فتح کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

اس نے ہلاکو خان کو مشورہ دیا کہ اس کا بھائی تو اب مر چکا ہے، منگو خان کی صورت تو وہ اب نہیں دیکھ سکتا اور کیا اس نے سختی سے منگو خان کے حکم کی تعمیل نہیں کی؟ اسے جو

نام ملتا تھا، مل چکا تھا۔ سمرقند کی حسین وادیاں دجلہ کے کنارے بغداد کے باغات، روس البلاد دمشق اور حلب تک اس کے قبضے میں ہیں اور اس کا ورثہ بن چکے ہیں۔

دوقوزہ نے اسے یہ بھی یاد دلایا کہ اس کے بھائی منگو خان نے اسے ایل خان کا خطاب دے رکھا ہے۔ منگو خان کے بعد اب سب سے اعلیٰ و ارفع وہی ہے لہٰذا اسے واپس اپنے مرکزی شہر قراقرم جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے ہمدان، اپنی نسل کے لئے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈال ہی دی ہے۔

دوقوزہ نے ہلاکو خان کو مزید مشورہ دیا کہ ریگستان کے ایک ذرا سے ٹکڑے کو پار کرنے کے بعد چند منزلوں کے فاصلے پر دریائے نیل کے کنارے قاہرہ کا شہر ہے، اس پر اس کا قبضہ ہو جائے تو مشرق قریب کا مالک بن جائے گا اور اس کے بیٹے ایل خان نیست و نابود عباسیوں کے علاقوں کے مالک بنیں گے۔ بحیرہ روم کے نیلے پانی کے کنارے وہ عشرت گاہیں بنائیں گے، اسے اپنی فتح اور ظفر کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں رہے گا۔''

اس موقع پر ہلاکو خان کے سپہ سالار قط بوغا نے بھی یہی اصرار کیا کہ آگے بڑھتے چلے جائیں، واپس اپنے مرکزی شہر قراقرم جانے کی ضرورت نہیں۔ آخر منزل تک پہنچ کر واپس لوٹ جانے کا کیا فائدہ؟ اگر قراقرم کے لئے ہلاکو خان نے دور دراز کا سفر شروع کیا تو اس سفر میں ایک عرصہ گزر جائے گا۔ اس کا نیا مفتوح علاقہ برقائی خان کی دسترس میں آجائے گا، جو اب بری طرح مخالفت پر اُترا ہوا تھا جس نے قپچاق کے علاقوں میں اپنے عساکر جمع کرنا شروع کر دیئے ہیں۔

ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ نے مزید کہا بلکہ التجا کی کہ جمے رہو۔ یہاں کون ہے جو ہمارے حکم کی سرتابی کرے گا۔ صحرائے گوبی جاؤ گے تو وہاں تین بھائیوں میں سے ایک ہو گے۔ جو کچھ ہاتھ آئے گا، وہ محض اس یورش کی یاد ہو گی۔

اس کے علاوہ آرمینیا کا عیسائی بادشاہ حیثون جو اس وقت اپنے لشکر میں شامل ہو چکا تھا اور ارضِ شام کا اسقف باربیرس بھی دوقوزہ کے ہم نوا ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ آرمینیا کا حکمران حیثون اور شام کا اسقف باربیرس ڈرتے تھے کہ اگر ہلاکو واپس چلا گیا تو شمال کی طرف سے اسلام قبول کرنے والا برقائی خان ان پر چڑھ دوڑے گا اور جنوب

کی طرف سے مصریوں کا سپہ سالار رکن الدین بیبرس آندھی اور طوفان کی صورت اختیار کر کے ان کے پرخچے اُڑا دینے کی کوشش کرے گا۔

یہ بڑا نازک موقع تھا۔ ہلاکو خان کے لشکر کی اکثریت چاہتی تھی کہ ہلاکو واپس نہ جائے۔ اس کے علاوہ گرجستان، آرمیدیا اور دوسرے علاقوں کے صلیبی ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز جو ہلاکو خان کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے، انہوں نے بھی ہلاکو خان کو بڑا سمجھایا کہ یہ اسے واپس منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم جانے کا نہیں سوچنا چاہئے بلکہ جنوب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مصر کو فتح کرنا چاہئے۔

اس موقع پر منگول سالاروں نے بھی فوراً ان ساری نصرانی قوتوں کی رائے سے اتفاق کیا اور ہلاکو کو ترغیب دی کہ جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے مسلمانوں کے آخری حصار کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

انہوں نے ہلاکو کو یہ بھی ڈھارس دی کہ اس کے اپنے پاس ایک بہت بڑا لشکر ہے جبکہ آرمیدیا اور گرجستان کے بڑے بڑے لشکروں کے علاوہ انطاکیہ کے نائٹ اور دوسری عیسائی مملکتوں کے کوہستانی دستے ہلاکو کے لشکر میں اس تعداد میں شامل ہو چکے ہیں کہ مصر کی کوئی بھی طاقت اور قوت ان کی یلغار کو روک نہ پائے گی۔

ہلاکو کے ایک سالار نے اسے یہ بھی یاد دلایا کہ مرنے والے خاقان منگو نے حکم دیا تھا کہ مصر کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس سالار نے ہلاکو خان کو یہ بھی یاد دلایا کہ چنگیز خان کا قول ہے کہ دشمن پر یورش کی جائے تو پھر دم نہ لیا جائے۔

یہ ساری باتیں سن کر ہلاکو سوچ میں پڑ گیا لیکن آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے واپس اپنے مرکزی شہر قراقرم جا کر خاندان کی قرولتائی یعنی مجلس میں حصہ لینا چاہئے۔ چنانچہ اس نے تیز رفتار قاصد اپنے بھائیوں کی طرف روانہ کئے اور انہیں خبر دی کہ وہ قرولتائی میں شرکت کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ چنانچہ اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اس نے شمال کا رخ کیا۔ اس کے لشکر میں جو واپس جا رہا تھا اس کے بیٹے اور بیوی دوقوزہ بھی شامل تھے۔ ہلاکو خان چاہتا تھا کہ برف باری ہونے سے پہلے پہلے اپنے مرکزی شہر پہنچ جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو راستے میں اس کے ساتھ گھوڑوں کے علاوہ جس قدر بار برداری اور خوراک میں استعمال ہونے والے جانور ہیں، بھوک سے مر جائیں

[گئے] شمال کی طرف روانہ ہوتے وقت ہلاکو خان نے اپنے پیچھے اپنے سپہ سالار قط بوغا کو [چھوڑا،] لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے حوالے کیا۔ ساتھ ہی جس قدر ارمنی، گرجستانی اور دوسری عیسائی قوتیں ہلاکو خان کے لشکر میں شامل ہوئی تھیں، ان سب کو اس نے قط [بو]غا کی کمانداری میں دیا اور قط بوغا کو اس نے یہ حکم دیا کہ وہ دریائے اُردن کے علاقے [میں] منگولوں کی عسکری سرحد کی حفاظت کرتا رہے۔ اس طرح ارضِ فلسطین سے ہلاکو خان [ت]بریز کی طرف روانہ ہوا تھا۔

○○○○○

منصور بن احمد کا بیٹا اب چلنے پھرنے لگا تھا اور وہ منصور بن احمد اور کیتھرائن دونوں کی خوشی اور طمانیت کا باعث تھا۔

ایک روز ظہر کی نماز کے بعد دونوں میاں بیوی اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

کیتھرائن کے پہلو سے اُٹھ کر منصور بن احمد صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ جب اس نے کھولا تو دروازے پر لوئی تاشی، یانگ خان، شرف الدین اور حسام الدین کے علاوہ کچھ دوسرے سالار اور مخبر بھی تھے۔

منصور بن احمد نے دیوان خانے کا دروازہ کھولا، سب کو بٹھایا، خود بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر منصور بن احمد گفتگو کا آغاز کرنا ہی چاہتا تھا کہ لوئی تاشی بولا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! یہ دو مخبر آئے ہیں اور آپ سے کوئی اہم خبر کہنا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا نہیں ہے۔ جب یہ آئے تو ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ آپ کی موجودگی میں ساری تفصیل سنی جائے گی۔ چنانچہ ان دونوں کو لے کر ہم آپ کے پاس آ گئے ہیں۔''

لوئی تاشی جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد نے غور سے ان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''کہو، کیا معاملہ ہے؟''

اس پر ایک بولا اور کہنے لگا۔

''امیر! بات یہ ہے کہ ہلاکو خان واپس منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم کی طرف جا رہا ہے۔''

یہ الفاظ سن کر منصور بن احمد چونکا تھا، کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ مخبر خود ہی بول پڑا اور کہنے لگا۔

''امیر! چند دن پہلے منگولوں کے مرکزی شہر قراقرم سے کچھ قاصد آئے تھے، جنہوں نے فلسطین میں قیام کیے ہلاکو پر انکشاف کیا کہ اس کا بڑا بھائی اور منگولوں کا خاقان منگو خان مر چکا ہے۔ لہٰذا خاندان کے افراد نے ہلاکو خان کو اپنے مرکزی شہر قراقرم میں بلایا ہے تاکہ نئے خاقان کا انتخاب کیا جا سکے۔ چنانچہ ہلاکو خان نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ گو اس کی بیوی گرجستان اور آرمینیا کے حکمران اور ان کے سالاروں کے علاوہ ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز اور مذہبی جنگجو جو ہلاکو خان کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے ہیں، انہوں نے بھی ہلاکو سے استدعا کی کہ واپس نہیں جانا چاہئے۔ انہوں نے یہ بھی ڈراوا دیا کہ اس کے جانے کے بعد مسلمان اس لشکر پر حملہ آور ہوں گے، جو وہ پیچھے چھوڑ کر جا رہا ہے اور منگولوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ لیکن ہلاکو خان نے اپنے پیچھے ایک بہت بڑا لشکر چھوڑا اور اس لشکر کا کماندار اس نے اپنے سالار قط بوغا کو بنایا ہے اور اب وہ واپس اپنے مرکزی شہر کا رخ کیے ہوئے ہے۔ وہ جس شہر سے گزرتا ہے، وہاں جو منگولوں کے لشکر مقیم ہیں وہ شہر سے نکل کر چند میل اس کے ساتھ جاتے ہیں، پھر اگلے شہر کے لشکری اس کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس طرح ہلاکو خان اپنے بہت بڑے لشکر کے ساتھ جھیل بیکال کا رخ کر رہا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب رکا، تب کچھ دیر خاموش رہ کر منصور بن احمد نے کچھ سوچا، پھر ان مخبروں کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ ہلاکو خان کے واپس جانے کا راستہ کون سا ہے؟''

منصور بن احمد کے اس استفسار کے جواب میں وہ مخبر بولا اور کہنے لگا۔

''جہاں تک ہم جان پائے ہیں، ارضِ فلسطین سے نکل کر موصل کے راستے ہلاکو خان سب سے پہلے تبریز آئے گا۔ تبریز سے اپنا رخ دائیں جانب موڑے گا اور بحیرہ خضر کے ساتھ ساتھ طبرستان کی سرزمینوں سے گزرتا ہوا سمرقند کا رخ کرے گا۔ سمرقند سے

آگے کاشغر اور یارقند سے ہوتا ہوا تھان شیان کے دروں سے گزر کر کوہستانِ الطائی کے اس پار اور صحرائے گوبی کے بائیں جانب اپنے مرکزی شہر قراقرم کی طرف چلا جائے گا۔"

مخبر جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد نے پھر کچھ سوچا، اس کے بعد اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ ہلاکو خان تبریز کب پہنچے گا؟"

اس پر مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"میرے خیال میں اسے تبریز پہنچنے میں ابھی چار پانچ دن لگیں گے اس لئے کہ وہ چند دن پہلے ہی فلسطین سے روانہ ہوا ہے۔ ہم نے اس کی روانگی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ یہ خبریں ہمارے ایک جاسوس سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے کے پاس سے ہوتی ہوئی ہمارے پاس پہنچی ہے۔ اس بنا پر ہمارا اندازہ ہے کہ اسے تبریز پہنچنے میں ایک ہفتہ لگے گا۔ تبریز میں منگولوں کا ایک خاصا بڑا لشکر ہے۔ اور جب ہلاکو خان تبریز پہنچے گا تو یہاں شاید چند دن قیام کرے۔ اس کے بعد وہ تبریز سے نکل کر دائیں سمت کا رخ کرے گا۔ تبریز میں پہلے سے جو منگولوں کا لشکر مقیم ہے، وہ بھی اس کے ساتھ طبرستان تک اس کی حفاظت کے لئے جائے گا اور طبرستان سے مڑ کر وہ دوبارہ تبریز میں آ جائے گا۔ طبرستان سے پھر وہ اپنے مرکزی شہر قراقرم کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔"

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد منصور بن احمد نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر وہ حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز ساتھیو! یہ ہلاکو خان سے انتقام لینے کا بہترین اور عمدہ وقت ہے۔ لشکریوں کو تیار کر دو۔ اس لئے کہ کل ہم یہاں سے تبریز کی طرف کوچ کریں گے۔ ہلاکو خان سے کیسے نمٹنا ہے، یہ میں بڑی رازداری کے ساتھ راستے میں تم سے بحث کرتے ہوئے ہر چیز تمہیں ذہن نشین کراؤں گا۔ میں یہ بھی کہہ دوں کہ یہ سفر ہلاکو سے انتقام لینے کے لئے ہمارے لئے بہترین ثابت ہو گا۔ میرے خیال میں چلو، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تاکہ جس لشکر نے روانہ ہونا ہے، اسے خبر کر دیں۔ ساتھ ہی

لوئی تاشی اور یانگ خان بھی حرکت میں آئیں گے۔ کل تک لشکر کے لئے رسد وغیرہ کا بھی اہتمام کر دیں گے۔"

لوئی تاشی، یانگ خان، حسام الدین اور شرف الدین کے علاوہ باقی سالاروں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا پھر منصور بن احمد اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"میں ذرا اس ساری صورتِ حال سے اپنی بیوی کو آگاہ کروں، پھر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد اٹھ کر اندرونی حصے کی طرف گیا اور کیتھرائن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیتھرائن، لوئی تاشی، یانگ خان، شرف الدین، حسام الدین اور دیگر لوگ آئے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ کچھ مخبروں کو لے کر آئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ جلد ہی لوٹ کر آؤں گا اور تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ کل میں یہاں سے لشکر کے ساتھ کوچ کر جاؤں گا۔ میرا سامان تیار کر دینا۔"

کیتھرائن نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ صدر دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک بار پھر منصور بن احمد نے مڑ کر کیتھرائن کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"کیتھرائن! میں جا رہا ہوں۔ صدر دروازے کے علاوہ دیوان خانے کا دروازہ بند کر لینا۔"

کیتھرائن نے جب اثبات میں گردن ہلائی، تب منصور بن احمد اپنی رہائش گاہ سے نکل گیا تھا۔

کافی دیر بعد منصور بن احمد لوٹا۔ اس دوران تک کیتھرائن بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کرتی رہی۔ اس کا بیٹا جو اب بھاگنے دوڑنے لگا تھا، وہ چونکہ گہری نیند سویا ہوا تھا، لہٰذا کیتھرائن اپنے آپ کو اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ اور پھر لوئی تاشی، یانگ خان، شرف الدین، حسام الدین اور دیگر لوگوں کی آمد اور پھر ان کے ساتھ منصور بن احمد کے چلے جانے سے وہ اس بات پر بھی بڑی متفکر تھی کہ شاید پھر کوئی نئی اور بڑی مہم درپیش ہے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ منصور بن احمد لوٹ کر آیا۔ کیتھرائن نے جب

دروازہ کھولا تو وہ سیدھا سامنے والے کمرے کی طرف گیا جس میں ان کا بیٹا گہری نیند سویا ہوا تھا اور جس کا نام احمد بن منصور رکھا گیا تھا۔ منصور بن احمد جب ایک نشست پر بیٹھ گیا، تب کیتھرائن اس کے قریب ہو بیٹھی۔ کچھ دیر تک جستجو بھرے انداز میں وہ منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کا بھی جائزہ لیتی رہی، آخر بول پڑی اور کہنے لگی۔

''کیا کوئی اہم معاملہ ہے کہ سب لوگ یہاں آئے، کچھ گفتگو کی پھر آپ کو اپنے ساتھ لے گئے؟''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

''کیتھرائن! ایک بہت اچھی اور دلچسپ مہم درپیش ہے۔ دیکھو، واپس اپنے مرکزی شہر کی طرف جانے کے لئے ہلاکو خان ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ تبریز کے راستے صحرائے گوبی کا رخ کرے گا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی، بیٹے اور دوسرے عزیز و اقارب ہوں گے۔ کچھ اہم سپہ سالار بھی اس موقع پر اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ ان شہروں سے ہوتا ہوا شمال کی طرف بڑھے گا جو شہر منگولوں کے قبضے میں ہیں اور ہر شہر میں جو منگولوں کا لشکر ہے، وہ شہر سے نکل کر چند میل دور تک ہلاکو خان کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے جائے گا۔ اس کے بعد یہ لشکر اپنے اپنے شہروں کو لوٹتے رہیں گے۔ اب ہم سب نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ ہلاکو خان جب واپس جاتا ہے تو اسے اپنا ہدف بنائیں گے اور اس پر ثابت کریں گے کہ وہ اگر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے تو ہم بھی اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا ہے کہ میں، شرف الدین اور حسام الدین ایک لشکر کے ساتھ کل یہاں سے کوچ کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد بڑے غور سے اپنی بیوی کیتھرائن کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ کیتھرائن نے بھی اس کے اندازے کو بھانپ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا آپ یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کی روانگی کا سن کر آپ کی بیوی کے چہرے پر کیسے تاثرات نمودار ہوتے ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو پھر سنیں، میں ایک مجاہد، ایک سالارِ اعلیٰ اور ان علاقوں کے سردار کی بیوی ہوں۔ اتنا حوصلہ، اتنی جرأت رکھتی ہوں کہ مسکراتے

ہوئے ایک اچھی مہم کے لئے اپنے شوہر کو رخصت کر سکوں۔ امیر! آپ جب بھی مجھ سے رخصت ہوا کریں تو یہ سوچ کر جایا کریں کہ میں، آپ کی بیوی، سپنوں میں اُلجھ جانے والی بے لباس خواہشوں، زندگی کی زنجیریں توڑتی زخم خوردہ تقدیر اور زیست کی راہ میں بے سکون سوالوں کے ہجوم میں بھی کھڑی ہو کر آپ کو رخصت کر سکتی ہوں۔ آپ کے ہونے سے ہی میرے خدوخال، میرا تن، میری نگاہیں اور چہرہ کرن دکھائی دیتا ہے۔ امیر! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ذات میرے لئے اوطاقوں میں انجم و مہ اور شفق رنگوں سے آراستہ سکون، خیالات کی زیبائی اور چہرے کا نکھار ہے۔ اس کے باوصف میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ اپنی قوم کے لئے اُجاڑ اور سنسان ویرانوں میں خلوص اور ایثار کا جذبہ، ذلت کے نشان کھڑے کرنے والوں کے سامنے سایۂ مہتاب ہیں۔ آپ چونکہ مسلم قوم کے دشمنوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے جاتے ہیں، لہٰذا آپ کی بیوی کی حیثیت میں میں دکھوں کی کھولتی لہروں، سوگ کے سمندر، پرانی دکھتی چوٹوں اور ہزاروں وسوسوں کے اندر کھڑی ہو کر بھی اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے آپ کو رخصت کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔''

کیتھرائن کے یہ الفاظ سن کر کچھ دیر تک منصور بن احمد مسکراتا رہا، غور سے کیتھرائن کی طرف دیکھتا رہا۔ اس موقع پر کیتھرائن کے چہرے پر بھی تبسم تھا۔ پھر دونوں میاں بیوی میں سے کوئی ایک، دوسرے کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ گہری نیند سویا منصور بن احمد جاگ اٹھا۔ منصور بن احمد نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا، اپنی گود میں بٹھا کر اسے پیار کیا۔ اس موقع پر کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے احمد بن منصور نے کھانا مانگا اور ساتھ ہی وہ منصور بن احمد کی گود سے نکل کر مطبخ کی طرف ہو لیا تھا۔ اس موقع پر غور سے کیتھرائن کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

''کیتھرائن! احمد اب دن بہ دن سارے حالات سے آگاہی حاصل کرتا جا رہا ہے۔ میں جب باہر جاتا ہوں تو بے چینی کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر میں تم سے کہوں گا کہ اسے میری روانگی کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ وہ مطبخ کی طرف گیا ہے۔ تم جاؤ، اسے کھانا کھلاؤ۔ ساتھ ہی میں تم سے یہ کہوں کہ آنے والی شب کے پچھلے حصے میں، میں یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ تنکیر اور بلذون دونوں پہلے کی طرح تمہارے پاس آ کر قیام کر

لیں گے۔"

کیتھرائن نے اس پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر وہ مطبخ کی طرف گئی۔ ننھے احمد بن منصور کو اس نے کھانا کھلایا، اس کے بعد وہ احمد بن منصور سے چوری چوری منصور بن احمد کی تیاریوں میں لگ گئی تھی۔ آنے والی شب کے پچھلے پہر منصور بن احمد اپنے دونوں سپہ سالاروں شرف الدین اور حسام الدین کے ساتھ لشکر لے کر کوچ کر گیا تھا۔

ooooo

ہلاکو خان، تبریز کے نواحی کوہستانی سلسلوں میں سفر کرتے ہوئے بخارا اور سمرقند کی طرف جانے کے لئے دائیں جانب مڑنا چاہتا تھا۔ اس موقع پر اس کے ساتھ اس کے بڑے سرداروں میں سے مہرتاق اور آنچل بن قاچار تھے۔ جبکہ بغداد کے علاوہ اردگرد کے علاقوں میں اس نے بڑے بڑے لشکر دے کر بائیدو اور دوسرے سالار توران ایل خان کو مقرر کر دیا تھا۔

ہلاکو خان اپنے لشکر کے آگے آگے تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی دوقوزہ، اس کے پانچوں بیٹے اباقا، تراغائی، تگودار، منگو، تیمور اور یشموت تھے۔ ساتھ ہی دونوں بڑے سالار مہرتاق اور آنچل بھی تھے۔

جس وقت وہ ایک کوہستانی سلسلے کے پاس سے گزرتے ہوئے بخارا اور سمرقند کی طرف جانے کے لئے دائیں جانب مڑنا چاہتے تھے کہ بائیں طرف کوہستانی سلسلے کے اوپر سے ان پر تیروں کی تیز اور موسلادھار بوچھاڑ کی گئی تھی۔

تیروں کی اس بارش سے ہلاکو خان کے لشکر کا وسطی حصہ بری طرح متاثر ہوا تھا۔ کئی لشکری زخمی ہو کر اپنے گھوڑوں سے گر گئے تھے اور جن گھوڑوں کو تیر لگے تھے، وہ بھی ہنہناتے ہوئے لشکر کے اندر ایک ہلچل پیدا کرنا شروع ہو گئے تھے۔

یہ صورتِ حال ہلاکو کے لئے یقیناً پریشان کن تھی۔ پہلے اس نے مڑ کر اپنے لشکر کے وسطی حصے کا جائزہ لیا۔ اس موقع پر مہرتاق، آنچل اور اباقا خان اس کے ساتھ تھے۔ پھر انتہائی غصے اور قہرمانی کا اظہار کرتے ہوئے ہلاکو خان کہنے لگا۔

"مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ یہ شخص ہے جس نے ہر موقع پر ہمیں نقصان پہنچانے کا عزم کر رکھا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ مزید تیر اندازی کرائے اور ہمارے لشکر کو مزید نقصان پہنچائے، مہرتاق اور آنچل! دونوں حرکت میں آؤ۔ لشکر کا ایک حصہ اپنے ساتھ لو اور کوہستانی سلسلے کے اوپر تیزی سے بڑھتے ہوئے ان کا تعاقب کرو۔ یقیناً جب تم ایسا کرو گے تو بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن میں تم سے کہوں، انہیں بھاگنے نہیں دینا۔ ایسی خونخواری اور ایسی شدت سے تعاقب کرنا کہ ان کا قتل عام کرتے چلے جانا۔ اور اگر منصور بن احمد زندہ گرفتار نہ ہو سکے تو ہر صورت میں اس کا سر کاٹ دینا۔ اس لئے کہ ان کوہستانی سلسلوں سے کوہستانِ قفقاز کے سلسلے میں بڑے درّے ہیں جہاں اس کی رہائش ہے۔ میں یہاں رک کر تم دونوں کا انتظار کروں گا۔ تم کتنا بھی لمبا تعاقب کرو لیکن اسے چھوڑنا نہیں ہے۔ آج اسے اس کے انجام تک پہنچا کر رہنا ہے۔"

ہلاکو خان کا یہ حکم سن کر اس کے دونوں بڑے سالار مہرتاق اور آنچل حرکت میں آئے اور ایک بڑا لشکر لے کر کوہستانی سلسلے پر چڑھے۔ انہوں نے دیکھا، ایک لشکر کچھ آگے بھاگ رہا تھا۔ مہرتاق اور آنچل نے یہی اندازہ لگایا کہ انہیں کوہستانی سلسلے پر بڑھتے دیکھ کر حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے ہیں، یہ صورت ان کے لئے یقیناً خوش کن تھی کہ انہیں دشمن کے لشکر کے ساتھ ٹکراؤ نہیں کرنا پڑا۔ صرف ان کا تعاقب کریں گے، ان کا خوب قتل عام کریں گے۔ ایسا لگتا تھا کہ بھاگنے والے لشکر نے جان بوجھ کر اپنی رفتار کم رکھی تاکہ منگولوں کا لشکر اس کے تعاقب میں نکلے اور ان کے قریب آنے کی کوشش کرے۔

یہ صورتِ حال بھی مہرتاق اور آنچل کے لئے خوش کن تھی۔ لہٰذا کوہستانی سلسلے کی دوسری طرف اُتر کر وہ بڑی تیزی سے تعاقب میں لگ گئے تھے۔ اس دوران ہلاکو خان نے اپنے چھوٹے سالاروں کو جس کوہستانی سلسلے کے اوپر سے ان پر تیراندازی کی گئی تھی، اس کے اوپر کھڑا کر دیا تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ آنچل اور مہرتاق، دشمن کا تعاقب کیسے کرتے ہیں۔

بہرحال جس لشکر نے منگولوں پر تیر اندازی کی تھی اور اب وہ مغرب کی طرف

بھاگ رہا تھا، اس نے اپنی رفتار کافی سست کر دی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے اور تعاقب کرنے والے منگولوں کے درمیان فاصلوں کو کم کر کے کسی نئے جذبے، کسی نئی تحریک کا آغاز کرنے کے درپے ہوں۔ جب بھاگنے والے اس لشکر اور تعاقب کرنے والے منگولوں کے درمیان فاصلہ بالکل تھوڑا رہ گیا اور اس کے بالکل قریب جا پہنچے، تب وہ لشکر اچانک مڑا۔ پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا، اس لشکر کی کمانداری شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کر رہے تھے۔ مڑتے ساتھ ہی پہلے انہوں نے فضاؤ کی طیلسان میں چہروں کی ضیاء تابی، جہاں گیر اور دائم جذبوں اور شفق کی بکھرتی لالی اور اندھیروں کے حصار کے اندر محیط ہو جانے والی صداؤں کے ساگر کی طرح تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد وہ منگولوں کے لشکر پر الم ناک موسموں میں مرگ کے جھکڑوں کی یورش، دلوں کی ویرانیوں میں بے اتھاہ درد بانٹتے موسمی ہواؤں کے تیز اور تند تھپڑیوں، گم صم، چپ چاپ صداؤں میں انقلابِ دہر کی بے روک لہروں اور رگ رگ کو ہلا مارنے والے موت کی دستک دیتے شرر آلود اندھیاؤ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

منگولوں نے اس حملے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس لئے کہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ جو لشکر لے کر وہ تعاقب میں نکلے ہیں، ان کے مقابلے میں حملہ آوروں کے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ چھوٹا سا لشکر تھا جو مڑ کر حملہ آور ہوا تھا اور منگول بڑے مطمئن اور اپنی جگہ پُرسکون تھے کہ وہ ایک دم حملہ آور ہو کر اس لشکر کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور اس طرح ہلاکو خان کی نظروں میں ان کی عزت دوچند ہو جائے گی۔

یہ سوچتے ہوئے ہلاکو خان کے دونوں بڑے سالار آتچل اور مہرتاق، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کے اس لشکر پر ظلمت بھری داستانوں میں دکھ کے ذائقوں، خیالوں کی ویران گزرگاہوں میں کروٹ لیتی چنگاریوں، اندھی مسافتوں کی سحر خیزیوں میں نحوست کے گرداب اور دلوں پر وحشت طاری کرتی خوف کی کھولتی لہو بھری لہروں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اچانک درختوں کے چھوٹے سے جنگل کے اندر سے منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ پہلے اس نے دلوں کے روتے غاروں کے اندر منفی تعبیروں کے

کنار درد پھیلاتے تیز ہواؤں کے فسوں، کاسۂ وقت میں ذات کی کشمکش میں مبتلا کرتی سناٹوں کے اندر گونجتی خوف ناک آوازوں کی طرح تکبیریں بلند کیں، پھر منصور بن احمد نے اپنے حصے کے لشکر کو بے کراں سکوت میں کھولتے آتش فشانی لاوے اور صحرائی حبس و جبر میں موسموں کے اندر مرگ کے آفریں بگولوں کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ منگولوں کے لشکر پر زندگی کی ساری مسافتوں کو بے ثمر کرتے، تہہ در تہہ غم کی پرتوں، اندھیروں کے در و دیوار پر دستک دے کر کڑی رُتوں کی بارش کرتے ستم کے ابر، تیز ہواؤں کے فسوں میں ریت کو سہاگن کرتی لہروں اور شب و روز کے تسلسل میں نئی صبح کے باب کھولتے زیست کے متحرک زہریلے لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کوہستانی سلسلے کے اندر دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے زندگی کے جاری سفر کا تسلسل، نبضوں کی جنبش اور رشتوں کی زنجیریں کٹنے لگی تھیں۔ وقت پاؤں میں مرگ کی زنجیریں ڈال کر بڑے بڑے سورماؤں کو ماضی کا غبار بنانے لگا تھا۔ روحوں کی آسودگی، نوائے حیات کی حدت، آنکھوں کی بینائیاں جواب دینے لگی تھیں۔ رزم گاہ کے اندر روحوں کو زخمی کرتے طوفان، خاک و خون کرتے مراحل ناچ اٹھے تھے۔

منگولوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ حملہ آوروں پر قابو پا کر ان کا قتل عام شروع کریں۔ ایسا کرنا ان کے لئے آہستہ آہستہ پہلے مشکل اور اب ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین کے حملوں میں مزید تیزی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ تینوں برابر تکبیریں بلند کرتے جا رہے تھے، اپنے لشکریوں کو للکار رہے تھے اور ان کی للکار کے جواب میں ان کے لشکری سروں پر کفن باندھ کر منگولوں کے اندر گھس کر ان کا ایک طرح سے قتل عام شروع کر چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے مزید ٹکراؤ کے بعد منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین نے منگولوں کی ساری سفاکی و کمینگی، گھمنڈ و تکبر، زعم و ظن، شقاوت و بدبختی، گناہ و عصیاں کا کھیل، حقارت و ذلت کا جھکاؤ، تمرد و خود پسندی، غلو و مبالغے، فتنہ انگیزیاں پامال کر کر رکھ دی تھیں۔

آخر کار ہلاکو خان کے دو بڑے سالار آتچل اور مہرتاق، منصور بن احمد اور اس

کے دونوں ساتھیوں کے تیز حملوں کو برداشت نہ کر سکے، شکست قبول کی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ دور تک منصور بن احمد نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ تعاقب کر کے ان کی تعداد کو مزید کم کیا، اس کے بعد وہ اپنے لشکر کو سمیٹتا ہوا ایک دم مغرب کی طرف غائب ہو گیا تھا۔ جب کہ اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر مہرتاق اور آنچل واپس جا رہے تھے۔

ہلاکو خان نے جو اپنے آدمی کوہستانی سلسلہ کے اوپر اس غرض سے کھڑے کئے تھے کہ وہ مہرتاق اور آنچل پر نگاہ رکھیں کہ وہ کس طرح مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کو شکست سے دوچار کرتے ہیں، ہلاکو خان کے مقرر کردہ ان منگولوں کو مہرتاق اور آنچل کا لشکر اس وقت دکھائی دیا، جب وہ درختوں کے اس جنگل نما جھنڈ کے مشرق میں آیا اور بھاگتا ہوا مشرق کی طرف آ رہا تھا۔ کوہستانی سلسلہ کے اوپر کھڑے ان منگولوں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا لشکر جس قدر گیا تھا، اس قدر واپس نہیں آ رہا بلکہ ان کی تعداد پہلے کی نسبت بہت کم ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا، مسلمانوں کے سالار کے ہاتھوں آنچل اور مہرتاق دونوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اب وہ شکست اٹھا کر اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر واپس آ رہے ہیں۔

چنانچہ جلد ہی مہرتاق اور آنچل اس لشکر کو لے کر ہلاکو خان کے پاس پہنچ گئے۔ ہلاکو خان کو پہلے ہی خبر ہو چکی تھی کہ جو لشکر مسلمانوں کے سالار کے تعاقب میں بھیجا تھا، جس کی کمانداری مہرتاق اور آنچل کر رہے ہیں، اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

مہرتاق اور آنچل، ہلاکو کے سامنے آئے، تب ہلاکو کچھ دیر تک انہیں غور سے دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے جس سالار سے ہمارا پالا پڑا ہے، وہ اس سے پہلے ہمارے سارے سالاروں کو شکست سے دوچار کر چکا ہے۔ کاش میرے پاس بھی کوئی ایسا سالار ہوتا تو میں اسے جس مہم پر بھیجتا، میرے لئے فتح مندی اور کامیابی کی خبریں لے کر آتا۔ مسلمانوں کا یہ سالار جس کا نام منصور بن احمد ہے، یقیناً یہ قضا کا ایک گہرا غبار ہے۔ جہاں سے گزرتا ہے، اپنے پیچھے دھندلکوں سے لبریز اُداسی چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ اپنا دفاع کرنے کے علاوہ

ربت اختیار کر کے کامیابی حاصل کرنے کا ہنر بھی جانتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ با سالار ہے جو قضائے دہر کی بیگانگی میں بے روک صحرائی گراؤز کی طرح سامنے آتا ہے، سانسوں کے رقص، نظروں کے نغموں میں کرب تخلیق کی اذیت خیزیاں کر کے ہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ میرے عزیز ساتھیو! ایسے ہی سالار لفظوں کی شاہ رگ ے دیتے ہیں۔ موجوں کو خون میں بدل دیتے ہیں۔ راتوں کی اندھی تیرگی اور ہوں کے بے قرار صحرا میں فنا کے کھولتے لمحات کی طرح اُبھر کر اپنے آپ کو کامیاب رتے چلے جاتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان جب خاموش ہوا، تب تبریز کا جو لشکر اس کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے وہاں تک آیا تھا، اس لشکر کا منگول سالار کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر ہلاکو خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''خاقان! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اگر کسی موقع پر مسلمانوں کے اس سالار کا میرے ساتھ ٹکراؤ ہوا تو میں اس شخص کی گردن کاٹ کر آپ کے پاؤں میں پھینک دوں گا۔ ہم نے خوامخواہ اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ اس کی فتح مندی اور کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کبھی وہ کھل کر ہمارے سامنے آیا ہی نہیں۔ چوروں کی طرح حملہ آور ہو کر، نقصان پہنچا کر غائب ہو جاتا ہے یا کبھی شب خون مار کر اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ خاقان! اگر یہ مسلمانوں کا سالار کبھی میدانوں میں میرے سامنے آیا تو میں اسے بتاؤں گا کہ یہ اپنے آپ کو بچا کر یا اپنے لشکریوں کی حفاظت کی خاطر کس طرح رزم گاہ سے بھاگنے میں کامیاب ہوتا ہے۔''

منگولوں کا وہ سالار تبریز جب تک بولتا رہا، ہلاکو خان مسکراتے ہوئے اسے سنتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''اگر کسی موقع پر تم نے ایسا کر دکھایا تو تمہاری حیثیت میرے سب سے بہترین سالاروں میں سے ہو گی۔ مسلمانوں کے سالار نے ہمارے خلاف جو کچھ کرنا تھا، کر دیا۔ اب تم اپنے لشکریوں کو لے کر واپس تبریز چلے جاؤ۔ ہم یہاں سے مشرق کی طرف کوچ کریں گے۔''

چنانچہ منگولوں کا لشکر واپس چلا گیا۔ جبکہ ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ بحیرہ خزر کے

ساتھ ساتھ شمال مشرق کے رخ پر آگے بڑھتا گیا تھا۔

منگولوں کے اس سالار نے اپنے خاصے بڑے لشکر کے ساتھ ہلاکو خان سے جدا ہو کر ابھی زیادہ سے زیادہ چار پانچ میل کا سفر کیا تھا کہ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا لشکر نمودار ہوا جو اس کی راہ روک کھڑا ہوا۔

اس لشکر کو دیکھ کر منگول سالار نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ پھر اس کے دائیں بائیں پہلو میں جو چھوٹے سالار تھے، انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ جس چھوٹے سے لشکر نے ہماری راہ روکی ہے، یہ کس کا ہے؟"

اس پر ایک چھوٹا سالار خدشات اور خوف کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمانوں کا وہ سالار ہو جس کا نام منصور بن احمد ہے۔ سانپ کی طرح کہیں سے نمودار ہو کر ہماری راہ روک کھڑا ہوا ہو۔"

منگولوں کا سالار پیلا ہو گیا تھا۔ اس نے اسی سالار کو آگے بھیجا تا کہ پتہ لگائے کہ راہ روکنے والا لشکر کس کا ہے۔ چنانچہ وہ منگول سالار آگے گیا، منصور بن احمد کے سامنے جا کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "تم کون ہو؟ اور ہماری راہ کیوں روکی ہے؟"

منصور بن احمد مسکرایا اور کہنے لگا۔

"کیا تم مسلمانوں کے ایسے سالار کو جانتے ہو جس کا نام منصور ہو؟ اگر نہیں تو سنو! میں منصور بن احمد ہوں۔"

منگول خوف زدہ ہو گیا، بولا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"وہی پرانا کھیل۔" منصور بن احمد دھاڑا تھا۔

منگول کانپ گیا اور بولا۔ "کون سا کھیل؟"

"منگولوں کا قتل عام۔"

وہ منگول مسکرایا اور کہنے لگا۔

"چھوٹے سے لشکر کے ساتھ اتنا بڑا دعویٰ اور اتنے خون آلود ارادے، حیرت ہے۔ ہمارے لشکر پر نگاہ ڈالو۔ وہ تم پر حملہ آور ہو کر لمحوں کے اندر تمہارا صفایا کر دے گا۔"

اس پر منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔ "تمہارا جو سالار ہے، اس نے جو ہلاکو خان

کے ساتھ گفتگو کی، میرے مخبروں نے مجھ تک پہنچا دی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر مسلمانوں کے اس سالار سے کبھی سامنا ہو گیا تو وہ اس کا سر کاٹ کر ہلاکو کے پیروں میں پھینک دے گا۔ لہٰذا میں اسے موقع فراہم کر رہا ہوں کہ وہ میرے ساتھ ٹکرائے۔ واپس جاؤ۔ موت کا کھیل، منگولوں کا قتل عام شروع ہو۔"

وہ منگول واپس چلا گیا۔ پھر منگولوں کے سالار نے اپنے لشکر کو خواہشوں کو پست و ذلیل، پاؤں میں ناتوانی کا خوف ڈالتے اور آرزوؤں کو کوتاہ قامت کرتے کارگاہوں کے بکھرتے دھوئیں، خون رسیدہ درد کی دھند، نفس نفس میں، قدم قدم پر دکھ اور ملول کے عبرت کدے کھڑے کرتے طوفانوں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ منصور بن احمد کے لشکر پر دہکتی شام کی آنکھوں میں نوحہ گری کے کہرام، اُلجھے تنفس کی حدت میں بل بل بہتے قضا کے لمحوں، نفس پرستی کے ماحول میں وقت کے بدترین طوفانوں اور آتے جاتے لمحوں کے تسلسل میں اذیتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے منصور بن احمد نے بھی اپنے لشکر کو دریاؤں کو نگلتی صحرائی ویرانیوں، ابرِ گریزاں کی طلب میں بھڑکتے جھونکوں، انجانی منزلوں کو جاتی ویران مسافتوں، تلواروں کا من چڑھاتی بدقسمتی، فنا کی دیمک کا شکار کرتے لمحوں اور جذبوں کی آتشیں حدتوں کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر وہ تبریز کے اس لشکر پر آتے جاتے لمحوں کو رگیدتے، لمحہ بہ لمحہ چڑھتے ارادوں کے کہرام، ناگفتہ بہ خیالات کی تجسیم تک خراب کر دینے والے رقص کرتے آتشیں بگولوں، جسموں پر قضا کی دستک دیتی لازوال، بے مثال جرأت مندی، گم سم سوکھے ویرانوں میں سانسوں کی ڈوریاں کاٹتے الاؤ کے اُٹھتے شعلوں، بے خوفی کے ابر پاروں میں آندھیوں سے نصیب لکھتی انتقام کی ہولناک تابکاری کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ اس طرح تبریز کے منگولوں اور منصور بن احمد کے لشکر کے درمیان ویرانوں کے اندر ایک خوف ناک اور جان لیوا ٹکراؤ شروع ہو گیا تھا۔

دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے خوف اور وحشت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ دونوں لشکر چاہ رہے تھے کہ اپنے مخالفوں کی تعداد کم کر کے رکھ دیں۔

تھوڑی دیر کے ٹکراؤ کے بعد ہی ایک تبدیلی، ایک انقلاب رونما ہوا۔ وہ یہ کہ دائیں جانب سے شرف الدین کردی بے زنجیر ہو جانے والے حصار، جبر کے غضب ناک تلاطم کی طرح نمودار ہوا، کوہستانی سلسلوں سے نیچے اُترا، پھر وہ منگولوں کے لشکر کے ایک پہلو پر عذابوں کے صحیفے بانٹتے دشت قضا کی گرد، منہ میں زنجیروں کی کڑیوں سے سخت الفاظ بھر کر مجبور اور بے بس کر دینے والی سفاکانہ تپش، کسمساتی رسوائیوں کی ہزیمت اور اموات کے گردابوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

عین اسی وقت دوسری طرف سے حسام الدین جوکندار، دشت قپچاق میں انجانے پروں پر پرواز کرتی قضا کی طرح نمودار ہوا۔ کوہستانی سلسلے سے نیچے اُترا۔ پھر وہ بھی دل و جان کے رشتوں کو معدوم کرتے، پھیلتے بڑھتے خونی دائروں، آنکھوں کی خوش گمانیوں میں آتشیں ریگزاروں کے بگولے ڈال دینے والے بھو کے سرگرداں ہیولوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس موقع پر جب منصور بن احمد نے دیکھا کہ دائیں بائیں اطراف سے اس کے دونوں ساتھی شرف الدین اور حسام الدین منگولوں پر حملہ آور ہو گئے ہیں، تب اس نے ایسی صداؤں میں تکبیریں بلند کیں جیسے وہ منگولوں کی عمر کے بقا کے جام توڑ دینے کے درپے ہو گیا ہو۔

منصور بن احمد کے اس طرح تکبیریں بلند کرنے سے پھر ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ اس لئے کہ منصور بن احمد کے لشکری اپنے امیر کی آواز کو پہچانتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے امیر منصور بن احمد نے تکبیریں بلند کی ہیں تو انہوں نے بھی ایسی ہی آواز میں تکبیریں بلند کیں جیسے ان گنت آتش فشاں پھٹ پڑے ہوں۔ پھر منصور بن احمد اور اس کے لشکری، آندھیوں سے نصیب لکھتے سپاہ گری کے ہنر، رقص کرتے آتشی بگولوں اور الاؤ کے اٹھتے شعلوں کی طرح منگولوں پر ضربیں لگانے لگے تھے۔

کچھ دیر تک ہولناک جنگ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں منگولوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ منگولوں کے اس لشکر کی اکثریت موت کے گھاٹ اُتر گئی۔ اُن کے سالار کو زندہ گرفتار کر لیا گیا اور بچے کھچے لشکری اپنی جانیں بچا کر تبریز کی طرف بھاگ گئے تھے۔

اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے بعد منصور بن احمد نے منگولوں کے سردار کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب منگولوں کے سردار کو اس کے سامنے پیش کیا گیا، تب کچھ دیر تک بڑے غور سے منصور بن احمد اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر طنزیہ انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تُو نے ہلاکو خان کے سامنے کہا تھا کہ اگر کبھی میرے ساتھ تیرا ٹکراؤ ہو گیا تو تُو میری گردن کاٹ کر میرا سر، ہلاکو خان کے قدموں میں پھینک دے گا۔ تیرے یہ الفاظ میرے مخبروں نے اسی وقت مجھ تک پہنچا دیئے تھے۔ اسی بنا پر میں کسی دوسری سمت نہیں گیا، وہیں سے میں نے چکر اور کاوا کاٹا اور تیری راہ روکنے کے لئے اس سمت آیا تا کہ تجھے یہ شک وشبہ نہ رہے کہ تُو میرا سر کاٹ سکتا ہے۔ اسی بنا پر میں نے تیری راہ روکی اور کھلے میدان میں تجھے موقع دیا کہ تُو مجھ پر ضرب لگائے۔ اور اس ضرب لگانے کا انجام تُو نے دیکھا۔ کیا میں نے ان ویرانوں کے اندر تیرے سارے الفاظ کے معنی تبدیل نہیں کر دیئے؟ تیرے شعورِ ذات میں کھولن پیدا نہیں کر دی؟ تیرے احساسات کے اندھے اندھیروں کے اندر موت کا رقص جاری نہیں کر دیا؟

ذرا اپنی حالت دیکھ، تُو میرے سامنے پیڑوں کے جھنڈ میں بین کرتی فاختاؤں کی طرح کھڑا ہے۔ تیری حالت اس وقت خونی راہوں پر ٹوٹی بکھری اُمیدوں کی سی ہے۔ ذرا میرے ان لشکریوں کی طرف دیکھ، یہ وہ بہادرانِ وفا اور دلیرانِ قضا ہیں جو منگولوں پر کہر آلود کھولتے بحر کی طرح حملہ آور ہو کر تمہارے دست و در کو لہولہو، تمہاری سلامتی کے خیالوں میں قضا کے فکر و فسوں بھر دینے کا عہد کئے ہوئے ہیں۔

سن منگول! تم نے ہم لوگوں پر اس وقت حملہ کیا، جب ہمارے اپنوں کے ساتھ مل کر سازشیں کر کے تم نے ہماری قوم کو ابہام کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب ہم جاگ چکے ہیں۔ اب ان علاقوں میں منگولوں کے سامنے دو ہی راستے باقی رہتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو ہمارے اندر ضم کر دیں۔ اور دوسرا راستہ یہ کہ شکست، ذلت اور ہزیمت کے داغ اٹھا کر واپس اپنے ان علاقوں کی طرف چلے جائیں جہاں سے نکل کر مسلمانوں کے علاقوں کا رخ کیا تھا۔

سن منگولوں کے سالار! تُو مجھے اچھی طرح جانتا ہو گا۔ ابھی تو ہم صرف بغداد کی

تباہی کا انتقام تم سے لینے میں مصروف ہیں۔ قسم خداوند قدوس کی، جس روز میرے پاس اچھی تعداد میں ایک لشکر جمع ہو گیا، اس روز میں چھاتی تان کر تمہارے خاقان ہلاکو خان کی راہ روکوں گا اور اسے انفرادی مقابلے کی دعوت دوں گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ وہ میرے سامنے آ کر میرے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ کرنے کی کیسے جرأت اور جسارت کرتا ہے۔ اگر کسی موقع پر اس نے ایسا کیا تو میں اس کے جسم کا ہر عضو علیحدہ کر کے رکھ دوں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد جب خاموش ہوا، تب وہ منگول منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”کیا تُو سمجھتا ہے کہ تُو نے ہمارے لشکر کو جو شکست دی ہے تو اس شکست کا سن کر ہلاکو خان خاموش بیٹھا رہے گا؟ وہ تم سے ایسا انتقام لے گا کہ تمہاری نسلیں تک یاد رکھیں گی۔“

اس موقع پر غصے اور غضب میں منصور بن احمد بھڑک اٹھا تھا۔ زوردار ایک طمانچہ اس نے منگول کے منہ پر مارا اور کہنے لگا۔

”تُو جھوٹ بولتا ہے، بکواس کرتا ہے۔ اس سے پہلے میں نے میافارقین شہر کے باہر ہلاکو کو نقصان پہنچایا، اربل شہر اسے فتح نہیں کرنے دیا۔ جزیرہ، دیار بکر، دیار ربیعہ کے سارے علاقوں کو اس سے خالی کرایا، حلب شہر فتح کر کے وہاں اپنا حاکم مقرر کیا، حمص شہر فتح کر کے میں کئی روز تک وہاں قیام کئے رہا۔ حلب اور حمص کے باہر کئی بار میں نے تمہارے بڑے لشکروں کو تباہی سے دوچار کیا۔ اس وقت ہلاکو خان کیا سویا ہوا تھا؟ اس وقت اس نے میرے خلاف کون سی کارروائی کی تھی؟ اگر اب تک اس نے ایسا نہیں کیا تو یاد رکھنا، آنے والے دنوں میں اس کی حالت اس سے ابھی ابتر اور ہولناک ہوتی رہے گی۔“

اس کے ساتھ ہی منصور بن احمد نے شرف الدین کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ شرف الدین اٹھا، منگول سالار کو گردن سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور اس کا قصہ تمام کر کے رکھ دیا تھا۔

منگولوں کی ہر شے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ واپس کوہستانِ قپچاق کی طرف نہیں گیا بلکہ وہ شام کے مختلف علاقوں کی طرف آیا۔ جگہ

جگہ اس نے اپنے مخبر پھیلا دیئے جو گاہے گاہے یہ خبریں پھیلانے لگے تھے کہ منصور بن احمد آج حمص میں ہے، آج حلب میں ہے، آج البیرہ میں ہے۔ اس طرح علاقوں میں کہیں بھی کوئی منگول لشکر حرکت کرتا یا شہروں سے باہر نکل کر اپنے لئے ضرورت کا سامان حاصل کرنے کی کوشش کرتا، منصور بن احمد اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیتا۔ اس طرح شام کی سرزمینوں میں منصور بن احمد نے منگولوں کے خلاف ایک خطرناک ہلچل اور ایک خوفناک ہیجان پیدا کر کے رکھ دیا تھا۔

○○○○○

دوسری طرف مصر میں مصری سپہ سالار رکن الدین بیبرس نے بھی ایک ہلچل برپا کر کے رکھی ہوئی تھی۔

اس نے قاہرہ شہر کی عسکری طاقت اور قوت کو دن بہ دن مضبوط اور مستحکم کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

جہاں تک قاہرہ شہر کا تعلق ہے تو یہ شمالی مصر میں دریائے نیل کے ڈیلٹا کے سرے پر واقع ہے۔ براعظم افریقہ کا بہت بڑا شہر ہے۔ نہر سوئز وہاں سے اسی میل مشرق کی طرف جاتی ہے۔ یہ شہر وہاں کے سلطان معز الدین کے عہد میں آباد کیا گیا۔ معز الدین کا ایک غلام تھا، نام اس کا جوہر تھا۔ وہ اپنے زمانے کا بہترین سپہ سالار اور فاتح بھی تھا۔ اس نے بغداد کے نقشے پر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اور بغداد ہی کی طرز کے دروازے رکھے اور ویسے ہی گلی کوچے۔ وسط میں سلطان یعنی خلیفہ کے لئے دو محل بنوائے گئے اور جامع ازہر کی عمارت تعمیر کی گئی۔

جوہر اور مصر کا حکمران معز الدین دونوں ہی علم نجوم کے قائل تھے۔ چنانچہ جس روز قاہرہ کا سنگ بنیاد رکھا جانا تھا، جوہر نے ایک نجومی کو ایک بلند مقام پر کھڑا کر دیا اور سنگ بنیاد پر رسیاں باندھ کر ان میں گھنٹیاں باندھ دیں تاکہ جب نجومی کی تجویز کی ہوئی نیک ساعت آئے تو وہ رسی ہلا دے اور گھنٹیوں کی آواز سنتے ہی سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔

پھر اتفاق سے ایسا ہوا کہ ایک کوا اڑتا ہوا آیا اور رسی میں الجھ گیا۔ اس کے اس طرح الجھنے سے گھنٹیاں بجنے لگیں اور لوگوں نے بنیادیں ڈالنا شروع کر دیں۔ اس وقت

مریخ سیارہ جسے قاہرہ بھی کہتے ہیں، سامنے تھا۔ نجومی جو اس وقت اصطرلاب ہاتھ میں لئے کھڑا تھا، چلایا اور کہنے لگا۔

"القاہرہ...... القاہرہ۔"

یعنی مریخ سامنے ہے۔ بنیادیں کیوں ڈال رہے ہو؟ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جب تک نجومی لوگوں کو بنیادیں رکھنے سے روکتا، کام شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کے قاہرہ، القاہرہ پکارنے کی وجہ سے یہ شہر قاہرہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

جس جگہ یہ شہر آباد کیا گیا، وہاں 525 سال قبل مسیح بابلی تہذیب کے عروج کے زمانے میں لوگوں نے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا اور ایک بستی بھی بسائی تھی۔ اس کے آثار اب بھی قدیم مصر یعنی پرانے قاہرہ میں موجود ہیں۔ یہ قاہرہ سے ایک میل کے فاصلے پر جنوب کی سمت ہیں۔

بہرحال، رکن الدین بیبرس، ہلاکو اور منگولوں پر ضرب لگانے کے لئے کسی مناسب وقت کا منتظر تھا۔ بیبرس کی خوش قسمتی کہ اسے کچھ بے مثال اور بے نظیر قسم کے سالار بھی میسر تھے جو عالم اسلام کے چوٹی کے سالاروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ جن میں سیف الدین، طرنطائی، فارس الدین اور حسام الدین سرفہرست تھے۔

جن دنوں رکن الدین بیبرس منگولوں پر حملہ آور ہونے کے لئے بے چین اور بے تاب تھا انہی دنوں اس کے یہی بڑے سالار اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کے مخبروں نے آ کر اسے اطلاع کر دی کہ منگولوں کا خاقان ہلاکو خان، فلسطین میں چند دن قیام کر کے مصر پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسے ایک بری خبر ملی کہ اس کے آبائی شہر قراقرم میں اس کا بڑا بھائی جو منگولوں کا خاقان تھا، جس کا نام منگو خان تھا، مر گیا ہے۔ چنانچہ منگولوں کی قرولتائی اور مجلس میں حصہ لینے کے لئے ہلاکو خان، لشکر کے ایک حصے کے ساتھ واپس چلا گیا ہے اور ایک بڑا لشکر اس نے اپنے چوٹی کے سپہ سالار قط بوغا کی سالاری میں دیا ہے۔ اور قط بوغا اس وقت فلسطین میں قیام کئے ہوئے ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ خبر سن کر رکن الدین بیبرس کی خوشی اور طمانیت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھی سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے بھائیو! منگولوں پر ضرب لگانے کے لئے اس سے بہتر اور مناسب موقع

ہمیں کبھی نہیں ملے گا۔ ایک بات یاد رکھنا، اگر ایک بار میں ان منگولوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تو ہر جگہ، ہر مقام پر انہیں بے ضرر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکتا چلا جاؤں گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ناقابل تسخیر ہیں، کوئی ہمیں پسپا نہیں کر سکتا، شکست نہیں دے سکتا۔ اور ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ انہیں شکست بھی دی جا سکتی ہے اور انہیں میدانِ جنگ سے بھاگنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے اور انہیں شکست دینے کے بعد ان کے اَن گنت لشکریوں کو قیدی بھی بنایا جا سکتا ہے۔

ہلاکو خان اگر لشکر کے ایک حصے کے ساتھ واپس اپنے آبائی شہر قراقرم کی طرف گیا ہے تو پھر یہ سمجھ لو کہ قدرت ہماری مدد اور حمایت پر آمادہ ہے اور خداوند قدوس کی اس حمایت، اس نصرت سے ہم بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ میرے عزیز بھائیو! اگر ہم منگولوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا، اس کے کئی فائدے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ مختلف شہروں کے اندر منگولوں کا جو خوف اور دہشت طاری ہے، اس میں کمی آ جائے گی۔ دوسرے مختلف شہروں سے وہ لشکری جو اِدھر اُدھر بکھر چکے ہیں اور منگولوں کا سامنا کرتے ہوئے کتراتے ہیں، جب انہیں یہ خبر ہو گی کہ منگول ناقابل تسخیر نہیں ہیں، مسلمان انہیں بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پھر یاد رکھنا، وہ جوق در جوق، گروہ در گروہ ہمارے لشکر میں آن شامل ہوں گے۔ چونکہ ماضی میں منگولوں نے انہیں بے پناہ نقصان پہنچایا ہے لہٰذا ہمارا ساتھ دیتے ہوئے منگولوں سے وہ ایسا انتقام لیں گے کہ منگولوں کی آنے والی نسلیں بھی چلا اُٹھیں گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین بیبرس رکا، کچھ سوچا، ایک بار پھر اس نے گہری نگاہ اپنے ارد گرد کھڑے اپنے سارے سالاروں پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

"میرے عزیز ساتھیو! یوں جانو، ہمارے امتحان کا وقت آ چکا ہے۔ یہ امتحان خداوند قدوس کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت قدرت ہم پر مہربانی کر رہی ہے۔ اس کے لطف و کرم سے فائدہ اٹھانا اب ہمارا کام ہے۔ یاد رکھنا، ایک بار ہم منگولوں کو اپنے سامنے ہانکنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر جگہ جگہ، بستی بستی، قریہ قریہ ہمارے لئے کامیابیوں اور فتح مندی کے در کھلتے چلے جائیں گے۔"

رکن الدین بیبرس دم لینے کے لئے رکا، پھر دوبارہ وہ اپنے سالاروں کو مخاطب کر

تے ہوئے کہنے لگا۔

"عزیز ساتھیو! تم مستقر کی طرف چلو۔ میں سلطان سے اس سلسلے میں گفتگو کر کے مستقر کی طرف آتا ہوں اور لشکر کی تیاری کو آخری شکل دیتے ہیں۔"

سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ وہ سب تو مستقر کی طرف چلے گئے جبکہ رکن الدین، قاہرہ کے قصر کی طرف نکل گیا تھا۔

رکن الدین نے سلطان کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ دفاع سے نکل کر اب منگولوں کے خلاف جارحیت پر اُترا جائے۔ چنانچہ مصر کے سلطان کی تائید کے بعد رکن الدین بیبرس سیدھا مستقر کی طرف گیا اور اپنے سالاروں کے ساتھ وہ اپنے لشکر کے کوچ کی تیاریوں کو آخری شکل دینے لگا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر اہلِ مصر اور رکن الدین بیبرس کی تمام جنگی تیاریاں ابھی تک دفاعی نوعیت کی تھیں لیکن ہلاکو کے واپس اپنے مرکزی شہر قراقرم کی طرف جانے کے بعد رکن الدین بیبرس نے یکایک ایک ایسا فیصلہ کیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ ہمارا لشکر آگے بڑھ کر ہلاکو خان کے سپہ سالار قط بوغا کے لشکر سے نبرد آزما ہو گا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اس وقت رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا۔ رکن الدین کے اعلان نے اپنے لشکریوں کو اس مقدس مہینے میں جہاد کی افضل ترین عبادت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی خوش دلی سے رکن الدین کے اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ چنانچہ ان حالات میں رکن الدین بیبرس، منگولوں پر ضرب لگانے کے لئے بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ صحرائے سینا کو روندتا ہوا فلسطین کی طرف بڑھا تھا۔

رکن الدین بیبرس اور اس کے سالار سیف الدین، طرنطائی، حسام الدین اور دیگر سب اس وقت اپنے لشکر کے اگلے حصے میں تھے۔ جس وقت وہ صحرائے سینا کے تقریباً آخری حصے میں پہنچے، تب سامنے کی طرف سے دو مخبر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے تھے۔ رکن الدین بیبرس اور اس کے سارے سالار اُنہیں پہچان گئے کہ وہ ان کے اپنے ہرکارے تھے۔ چنانچہ قریب آ کر انہوں نے بلند آواز میں سلام کیا، پھر اپنے

گھوڑوں کو موڑ کر وہ رکن الدین بیبرس کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑوں کو ہانکنے لگے تھے۔

پھر رکن الدین بیبرس کے استفسار پر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

''امیر! ہم آپ کے لئے دو اچھی خبریں لے کر آئے ہیں۔''

چونکتے ہوئے رکن الدین نے اس کی طرف دیکھا، پھر پوچھا۔

''یہ دو خبریں کس کی طرف سے ہیں؟''

مخبر پھر بولا اور کہنے لگا۔

''امیر! یہ دونوں خبریں بغداد کے سابق سالار منصور بن احمد سے متعلق ہیں۔''

منصور بن احمد کا نام سن کر رکن الدین کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا تھا۔ یہاں تک کہ مخبر بولا اور کہنے لگا۔

''امیر! پہلی خبر یہ ہے کہ جس وقت ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ اپنے آبائی شہر کی طرف جا رہا تھا اور جب وہ تبریز سے آگے گیا، اس وقت تبریز میں جو منگولوں کا لشکر تھا، وہ بھی ہلاکو خان کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے کچھ دور تک چھوڑنے گیا تھا کہ راستے میں اچانک منصور بن احمد کے دو سالار شرف الدین اور حسام الدین نمودار ہوئے اور ایک کوہستانی سلسلے کے اوپر سے انہوں نے تیز موسلادھار تیراندازی کر کے ہلاکو خان کے لشکر کو کافی نقصان پہنچایا، پھر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہلاکو خان نے اپنے دو بڑے سالاروں آتچل اور مہرتاق کو ایک بڑا لشکر دے کر ان کے تعاقب میں بھیجا لیکن شرف الدین اور حسام الدین اپنے بڑے سالار منصور بن احمد کے ساتھ سارا معاملہ پہلے ہی طے کر چکے تھے۔ اس لئے کہ جب ان کے تعاقب میں منگول نکلے تو انہوں نے اپنی رفتار کم کر دی تا کہ منگول ان کے قریب آ جائیں۔ چنانچہ منگول ان کے قریب گئے تو بائیں ہاتھ میں درختوں کا ایک جنگل نما جھنڈ تھا، اس میں سے اچانک منصور بن احمد نکلا اور منگولوں پر حملہ آور ہو گیا۔ سامنے کی طرف سے شرف الدین اور حسام الدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ منگولوں کو انہوں نے بے پناہ نقصان پہنچایا۔ ان کے لشکریوں کی اکثریت کو کاٹ کر رکھ دیا اور ہلاکو خان کے دونوں بڑے سالار آتچل اور مہرطاق شکست اٹھا کر اور اپنے لشکر کی اکثریت کو کٹوا کر ہلاکو خان کی طرف چلے گئے۔ ہلاکو خان کو اس شکست اور اپنے لشکر کے اس نقصان کا اتنا دکھ اور صدمہ ہوا، جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا

سکتا۔ ویسے بھی ہلاکو نے اب قسم کھا رکھی ہے کہ وہ منصور بن احمد کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر رکا، پھر دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔

''امیر! دوسری خبر یہ ہے کہ تبریز کا وہ لشکر جو ہلاکو کے ساتھ ساتھ کچھ دور تک گیا تھا، جب وہ مڑا اور تبریز کی طرف ابھی اس نے چند میل ہی کا سفر طے کیا ہو گا کہ اچانک ایک کوہستانی سلسلے کے اندر منصور بن احمد اس کی راہ روک کھڑا ہوا، منگولوں پر حملہ آور ہوا، دائیں بائیں سے اس کے سالار شرف الدین اور حسام الدین بھی ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح تبریز کے ان منگولوں کا بھی خوب قتل عام ہوا اور تبریز میں منگولوں کے لشکریوں کا جو سالار تھا، اسے منصور بن احمد نے زندہ گرفتار کر لیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر نے رک کر لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگا۔

''امیر! یہی وہ دو خبریں ہیں جو فی الحال ہم آپ کے گوش گزار کرنا چاہتے تھے۔''

رکن الدین نے ان دونوں مخبروں کا شکریہ ادا کیا اور ان دونوں کو لشکر میں شامل ہونے کے لئے کہا۔ پھر اپنے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے رکن الدین بیبرس کہنے لگا۔

''میری قوم کا یہ فرزند منصور بن احمد بھی اپنی قوم کے لئے ایک عجوبہ ہے۔ اس نے پے در پے آفاقی وسعتوں سے نکل کر منگولوں کے لئے حادثات اور سانحوں کو جنم دیا۔ وقت کے کواڑوں پر دستک دیتے ہوئے خاک و خان کھڑے کرتے مراحل برپا کر دیئے۔ دشت و دمن کی سرگوشیوں سے اٹھ کر منگولوں کی کالی سوچوں کے آئینوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ یہ ہماری قوم کا عجیب فرزند ہے جس نے قضا کے پیغاموں کی ترسیل بن کر سر آفاق منگولوں کے لئے بربادی کی مشعلیں روشن کر رکھی ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین کچھ دیر خاموش رہا، ہونٹ کاٹتا رہا، اپنے آپ کو ضبط میں لاتا رہا، پھر دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔

''ابن احمد! میں رکن الدین، موت کی تمازت جیسی تمہاری جرأت مندی، حوصلوں کے شباب جیسی تمہاری شجاعت، لُو کے گہرے تھپیڑوں اور آگ اور تیزاب کی روشنی جیسی تمہاری حوصلہ مندی کو صد بار سلام پیش کرتا ہوں۔ میرے عزیز! تم ایک اونگھتی قوم کے

اندر زندگی کا تلاطم بن کر اُٹھے۔ تم نے مسلمانوں کو ترغیبِ عمل کا عروج دیا اور بحر کی سطح کو لرزاں کر دینے والے طوفانوں کی طرح منگولوں پر ضربیں لگا کر انہیں نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اگر تُو اس وقت میرے سامنے ہوتا تو میں تجھ سے بغل گیر ہو کر ملتا، اپنا ہاتھ پیشانی پر لے جا کر تجھے اور تیرے دونوں ساتھیوں کو صد بار سلام پیش کرتا، تیری پیشانی چومتا، تیرے ان ہاتھوں کو بوسہ دیتا جن سے تُو نے منگولوں کو ایک نا قابل تلافی اور نا قابل برداشت عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پہلے کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

○○○○○

مؤرخین لکھتے ہیں کہ رکن الدین بیبرس بحیرہ روم کے ساحل کی طرف احتیاط سے آگے آگے بڑھا۔ وہ یہ بھی دیکھتا جا رہا تھا کہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ اس دور میں جو عیسائیوں نے قلعہ بندیاں کر رکھی تھیں اور ان کی جو بندرگاہیں تھیں، ان میں وہ کیا کر رہے ہیں۔ ساحل پر صلیبی نائٹ اور صلیبی سردار جن کو یورپ سے ہدایت نہیں مل رہی تھی، کچھ بھی نہیں کر رہے تھے۔ چنانچہ ان کے پاس سے رکن الدین اپنے لشکر کے ساتھ گزرا۔ اس نے ساحل پر جو چھوٹی چھوٹی عیسائی حکومتیں تھیں، ان پر بھی اپنا رعب اور دبدبہ ڈال دیا۔ اس نے عکہ شہر کی فصیلوں کے نزدیک خیمے لگائے اور عین جالوت کے میدان میں پیش قدمی کرنے سے پہلے اس نے صلیبیوں سے ہی خورونوش کا سامان خریدا اور پھر دوبارہ اس نے پیش قدمی شروع کی تھی۔

ایک جگہ پہنچ کر رکن الدین بیبرس نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ لشکر جب رک گیا، تب بڑے سالاروں میں سے فارس الدین، طرنطائی، سیف الدین، حسام الدین اور دوسرے اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے رکن الدین کے گرد آ جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر بڑے سالار سیف الدین نے رکن الدین کو مخاطب کیا۔

''امیر! خیریت تو ہے، آپ نے لشکر کو روک دیا؟''

اس موقع پر رکن الدین بیبرس نے پہلے ایک گہری نگاہ اپنے سارے ساتھیوں پر ڈالی، پھر بڑی رازداری میں کہنے لگا۔

''یہاں لشکر روک کر میں دو اہم کام کرنا چاہتا ہوں۔ پہلا یہ کہ لشکر کی تقسیم کو آخری شکل دینی ہے۔ دوسرا یہ کہ منگولوں کے مقابلے میں اپنی فتح مندی اور کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے ایک حربہ بھی استعمال کرنا ہے۔''

رکن الدین رکا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے بھائیو! لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصے میں عرب اور انتہائی جنوبی مصر کے حورہ قبائل ہوں گے۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی ہیں۔ اسلام پسند اور مسلمانوں کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے پیش پیش رہنے والے ہیں۔ ان سے میں ایک ایسا کام لوں گا کہ منگولوں کو حیرت میں ڈال کر رکھ دوں گا۔ لشکر کے دوسرے حصے میں ترک اور مصری سپاہ شامل ہوں گی۔

میرے بھائیو! میرے ساتھیو! لشکر کی تقسیم کے تھوڑی دیر بعد یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔ لشکر کا وہ حصہ جس میں عرب اور حورہ قبائل ہوں گے، وہ آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک حصے میں حورہ رہیں گے، دوسرے میں عرب کے بدو۔ ان سے کام لینے کی ذمہ داری سیف الدین! میں تمہارے اور طرنطائی کے حوالے کرتا ہوں۔ ہلاکو خان کے سپہ سالار قط بوغا نے جس جگہ قیام کر رکھا ہے، وہ ''عین جالوت'' کہلاتی ہے۔ اس جگہ سے ہم سب ہی واقف ہیں۔

سیف الدین اور طرنطائی! تم دونوں اس لشکر کو لے کر اس میدان میں ذرا فاصلے پر گھات میں چلے جاؤ گے جو شاہراہ عین جالوت کے اس حصے میں داخل ہوتی ہے۔ اس شاہراہ کے ایک طرف عرب اور دوسری طرف حورہ قبائل رہیں گے اور تم دونوں ان کی راہنمائی کرو گے۔ یوں جانو، تم ان لشکریوں کو لے کر گھات میں چلے جاؤ گے۔ جبکہ میں، فارس الدین اور دوسرے سالار آگے بڑھیں گے۔ حسام الدین بھی ہمارے ساتھ ہو گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین کچھ دیر کو رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''میں آگے بڑھ کر منگولوں کے سامنے صف آراء ہوں گا۔ منگولوں کے طریقۂ واردات اور ان کی جنگی ہنرمندی سے تم بھی واقف ہو، میں بھی اچھی طرح آگاہ ہوں۔ جونہی میں ان کے سامنے جاؤں گا، وہ صبر و تحمل سے کام نہیں لیں گے، فوراً میرے ساتھ

جنگ کی ابتدا کریں گے۔ چنانچہ میں بھی اس کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔ کچھ دیر میں انہیں روکوں گا، اپنے مصری بھائیوں اور اپنے مملوک لشکریوں کو ان سے تھوڑی دیر کے لئے قوت آزمائی کا موقع دوں گا۔ ہمارے مملوک لشکری ویسے ہی منگولوں سے تنگ بیٹھے ہیں۔ جتنے مظالم انہوں نے مملوکوں پر کئے ہیں، کسی پر نہیں کئے۔ اور یہ ان سے انتقام لینے کے لئے بے چین بھی ہو رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کی جنگ اور ٹکراؤ کے بعد آخر میں اور فارس الدین پیچھے ہٹنا شروع ہو جائیں گے۔ یہ ظاہر کریں گے کہ منگولوں پر ہم قابو نہیں پا سکے، ان کا دباؤ ہم پر بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں پسپا ہونا پڑا ہے۔ ہماری اس پسپائی کو منگولوں کا سالار قط بوغا اور اس کے لشکری اپنے لئے نعمت عظمیٰ خیال کریں گے۔ لہٰذا ہمارا تعاقب کرنے کے لئے ہم پر مزید دباؤ بڑھائیں گے۔ ہم پیچھے ہٹتے ہٹتے اس جگہ آئیں گے، جہاں عرب قبائل اور حورہ قبائل نے تمہارے ساتھ گھات لگا رکھی ہو گی۔ جونہی منگول ہمیں دھکیلتے ہوئے وہاں آئیں، تم عربوں اور حورہ قبائل کے ساتھ دائیں بائیں سے نکل کر منگولوں کے پہلوؤں پر حملہ آور ہو جانا اور سامنے کی طرف سے دیکھنا، میں اور فارس الدین مڑ کر کیسے ان پر حملہ آور ہو کر تیزی سے ان کی تعداد کو کم کرتے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین بیبرس دم لینے کے لئے رکا، پھر اپنے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب بولو! تم کیا کہتے ہو؟"

اس پر فارس الدین سب کی نمائندگی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہمارے عزیز بھائی! ہم نے کچھ نہیں کہنا۔ جو تدبیر اور منصوبہ بندی آپ نے کی ہے، یوں جانو، یہی حرف آخر ہے اور اسی کے مطابق ہم منگولوں پر ضرب لگائیں گے۔"

فارس الدین کا یہ جواب سن کر رکن الدین بیبرس خوش ہو گیا تھا۔ اس موقع پر سیف الدین اور طرنطائی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

کچھ دیر لشکر وہاں رکا رہا۔ سورج غروب ہو گیا، مغرب کی نماز بھی لشکر نے وہیں ادا کی۔ پھر جب رات گہری ہو گئی، تب رکن الدین بیبرس اپنے لشکر کے ساتھ اس رفتار

حرکت میں آیا کہ صبح کے وقت وہ قط بوغا کے لشکر کے سامنے جا پہنچا۔

چنانچہ رکن الدین کی تجویز کے مطابق "عین جالوت" کے میدانوں میں داخل ہونے کے بعد سیف الدین اور طرنطائی، حورہ قبائل کے ساتھ گھات میں چلے گئے تھے۔ جبکہ فارس الدین اور رکن الدین، منگولوں کے سامنے صف آرا ہونا شروع ہوئے تھے۔

رکن الدین بیبرس کے وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی قط بوغا نے اپنے لشکر کو استوار کرتے ہوئے صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ قط بوغا نے دیکھا کہ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر آیا ہے۔ اس نے اور اس کے دوسرے سالاروں نے خیال کیا کہ یہ مسلمان جان بوجھ کر ہمارے سامنے موت کے منہ میں سر دے کر اپنا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور رکن الدین بیبرس کے لشکر کو دیکھتے ہوئے وہ ٹھٹھہ مذاق اُڑانے لگے اور مسلمانوں کے خلاف نعرے بازی بھی کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر رکن الدین بیبرس نے جو لشکر اس کے ساتھ تھا، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا اپنے پاس رکھا، آدھا فارس الدین کی کمانداری میں دیا۔

اس کے بعد جنگ کی ابتدا ہلاکو خان کے سپہ سالار قط بوغا نے کی تھی اور وہ منگولوں کے علاوہ گرجستانیوں، ارمنی عیسائیوں اور ان ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے ساتھ جو اس کے لشکر میں شامل ہو چکے تھے، حرکت میں آیا اور رکن الدین کے لشکر پر وہ زمین کے خشک سینے پر جسم و جان کا کرب پھیلاتے حرص و ہوس کے سیل فنا، وقت کے فاصلوں میں رسوائیوں کے اندھیرے، غموں کے بھنور کھڑے کرتی کرب و الم کی یورش اور وحشتوں کے موسموں اور وہموں کے ہجوم کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف رکن الدین بیبرس اور فارس الدین نے بھی کمال انداز میں اپنے کام کی ابتدا کی۔ وہ بھی آگے بڑھے۔ جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ بھی قضا کے سہمے سہمے لمحوں میں وقت کی گردش تک کو روکنے والے آندھیوں کے جھکڑوں، موت کی شوریدہ سری اور نفس کی اُمیدوں، خیالات کے ہجوم، جرأت مندی کی جہتوں، نگاہِ فکر کے زاویوں میں دہکتی آگ سی بدترین ہزیمت، موت کے زہر بھرے سایوں، مرگ کے بھنور اُبھار دینے والے قدرت کے قہر، فطرت کے سیل بلاخیز اور خونی قبا اوڑھے طلسمی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اب دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر وقت کی بساط کو اُلٹنے والی آندھیوں کی خوفناک دستک کی طرح ضرب لگانے لگے تھے۔ ہر کوئی نرمی کو سختی، خوشی کو غم، اقدام کو پسپائی میں تبدیل کرنے کے درپے تھا۔

کچھ دیر تک خوفناک ٹکراؤ جاری رہا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مصریوں، مملوک ترکوں اور کردوں نے منگولوں کے سامنے سینہ تانتے ہوئے انہیں ''عین جالوت'' کے میدان میں خون میں نہلا دیا تھا۔

چونکہ قط بوغا کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی، لہٰذا اس کو پکی اُمید تھی کہ بے شک اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا یہ لشکر کڑی دیوار کی مانند ثابت قدم تھا لیکن جلد ہی وہ اس دیوار کو گرا کر مکمل طور پر مسلمانوں کے اس لشکر کا خاتمہ کر دے گا۔

عین اسی موقع پر رکن الدین بیبرس کے خاص اشارے پر اس کے پورے لشکر نے کچھ اس انداز میں پیچھے ہٹنا شروع کیا، جیسے وہ منگولوں کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکے ہوں۔ منگول یہی سمجھے کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی ہے، لہٰذا وہ کچھ دیر تک پسپائی اختیار کرتے ہوئے پیچھے ہٹتے رہیں گے اور اس کے بعد موقع دیکھ کر ایک دم پلٹیں گے اور بھاگ کھڑے ہوں گے۔

لیکن منگول نہیں جانتے تھے کہ رکن الدین بیبرس فطرت کے انوکھے کارکنوں کی طرح ساحرانہ رسوم کی ابتدا کرتے ہوئے منگولوں کی زندگی کو موت، ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کرنے کی طرف لے جا رہا تھا۔

نیکی سے محروم گھمنڈ میں ڈوبے منگول نہیں جانتے تھے کہ رکن الدین بیبرس ان سے بھی زیادہ جنگ کی ہنرمندی جانتا ہے اور وہ بڑے احسن طریقے اور بڑی ترتیب کے ساتھ انہیں جزا و سزا کے عمل سے گزارنے کی طرف لے جا رہا ہے۔ انسانیت کو عریاں کرنے والے منگول نہ سمجھ سکے کہ رکن الدین بیبرس بڑے منظم طریقے سے انہیں رُلاتی آہوں، زندگی کو ادھیڑتے خون آلود لمحوں اور موت کے قہر آلود سایوں کی طرف لے جا رہا تھا۔

جونہی منگول رکن الدین بیبرس اور فارس الدین کا تعاقب کرتے ہوئے اس جگہ آئے، جہاں دائیں بائیں عرب اور حورہ قبائل کے جنگجو گھات لگائے بیٹھے تھے، تب

زمین کی سطح پر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

سب سے پہلے ایک طرف سے صحرائے عرب کے بدو سوچوں کو زنگ آلود کرتے ؤں کے اضطراب، بادبانوں تک میں گرہ ڈال دینے والی تیز طوفانی ہواؤں اور زمین کی کوکھ سے نکلتے دکھ کے عذابوں کی طرح نمودار ہوئے۔ اس کے بعد وہ بدو تکبیریں بلند کرتے ہوئے، ہر عزم کو ہلا دینے والے انداز میں زنگ آلود تہذیب کو زخم زخم کرتی ت کی بے روک یلغار، دلوں کے گوشوں تک کو ریزہ ریزہ کرتے وقت کے کھردرے ہوں اور شب کی روشن قندیل تک کو برہم کر دینے والے خوفناک عذابوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کھلی آستینوں والے بدوؤں نے اپنے پہلے ہی حملے میں منگولوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ منگولوں کا ایسے جنگجوؤں سے پالا پڑا تھا، جو ان کی اگلی صفوں تک کو چیرنے کے لئے بے چین اور بے تاب ہو رہے تھے۔

عربوں کے پیچھے پیچھے حورہ قبائل کے جنگجو بھی دوسری سمت سے خطۂ لاہوت کی نی سے زیادہ سبک رفتار، مسافروں، آتشِ عناد رکھنے والی تیز گام برق کی طرح نمودار ہوئے اور پھر وہ بھی منگولوں کے لشکر کی دوسری سمت جہد قربانی اور ایثار کی داستانیں رقم کرتے علمی، فکری قدروں کے ہیجان، ارتقاء کے جگمگاتے اُفق پر صبحِ آزادی کی توحید، قوم اور ملت کے وقار کی خاطر دفاع کے چراغوں میں اپنا خون بھرنے والے مجاہدوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کھلی آستینوں والے عربوں نے جو برابر نعرے بلند کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، اپنے پہلے ہی حملے میں منگولوں کی کئی صفوں کو کھنگال اور نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ منگول بڑے پریشان تھے کہ یہ کون سے جنگجو ہیں جو ایک دم اس طرح بے باکی اور خونخواری سے ان پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہ تو یہی سمجھے تھے کہ دنیا کی ہر قوم ان سے ڈرتے ہوئے خوف زدہ ہے اور ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔

وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ تھوڑی دیر پہلے مسلمانوں کا لشکر ان کے سامنے خوف زدہ ہو کر پسپا ہوا تھا، لیکن یہاں کھلی آستینوں والے عربوں نے اپنے سامنے اُلٹا منگولوں کو خوف زدہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

اور دوسری طرف سے جنگجو اور حرب وضرب کا کمال ہنر رکھنے والے حورہ قبائل نے جب منگولوں کو اپنی تلواروں کی تیز دھار پر رکھا، تب منگولوں کے لشکر میں ایک چیخ وپکار اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ منگولوں کا ایسے صحرائی جنگجو بدوؤں اور حورہ قبائل جیسے خوف ناک مجاہدوں سے پالا پڑا تھا۔

منگولوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ دائیں بائیں پوری طاقت صرف کرتے ہوئے عربوں اور حورہ قبائل کو پیچھے دھکیل دیں لیکن انہوں نے جتنی کوشش کی، کھلی آستینوں والے عرب اور حورہ قبائل کے جنگجو اتنا ہی زیادہ ان کے اندر گھستے چلے گئے تھے۔ اور پھر عین اسی لمحہ جب سامنے کی طرف سے رکن الدین بیبرس اور فارس الدین نے ایک دم رکنے کے بعد منگولوں پر جو خوفناک حملے شروع کیے، تب منگولوں کے لشکری بڑی تیزی سے لاشوں میں تبدیل ہونے لگے تھے۔

اس موقع پر منگولوں نے اندازہ لگایا تھا کہ عین جالوت کے میدانوں میں ان کا پالا ایسے مسلمانوں سے پڑا ہے جو پیچھے ہٹنے کے بجائے صرف پیش قدمی جانتے ہیں۔ جو پسپا ہونے کے بجائے دشمن کی صفوں میں آگے تک نکل جانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

کچھ دیر تک ہولناک ٹکراؤ جاری رہا۔ اس ٹکراؤ کے دوران منگولوں کے سپہ سالار قط بوغا کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے ساتھ اور بہت سے سرکردہ منگول سرداروں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے منگول لشکری بھی گرفتار ہوئے تھے۔

دوسرے منگولوں نے جب دیکھا کہ انہیں تو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کا سپہ سالار قط بوغا بھی گرفتار ہوگیا ہے اور بہت سے منگولوں اور سرداروں کو گرفتار کرلیا گیا ہے، لہٰذا باقی منگول سر پر پاؤں رکھ کر اپنی جانیں بچانے کے لئے جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ کھڑے ہوئے۔

فلسطین کے عین جالوت کے میدانوں میں منگولوں کی یہ پہلی بدترین شکست رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں ہوئی اور اس جنگ میں مسلمانوں نے منگولوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ مؤرخین اپنے الفاظ میں اس ہولناک اور کرب خیز جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔

"یہ جنگ بروز جمعہ 15 رمضان المبارک کو مسلمانوں اور منگولوں کے درمیان ہوئی۔ دونوں لشکر عین جالوت کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے۔ اس گھمسان کا رن پڑا کہ ارض وسما کانپ اٹھے۔ رکن الدین بیبرس نے اس معرکہ میں حیرت انگیز عسکری صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنے لشکر کے بہترین دستوں کو گھات میں بٹھایا، دوسرے لشکر کو وسیع رقبہ میں پھیلا کر منگولوں کے سامنے آیا۔ منگولوں نے پوری قوت سے مصریوں پر حملہ کیا اور ان کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اندھا دھند آگے بڑھنے لگے۔ رکن الدین بیبرس نے اپنے سواروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ جم کر مقابلہ نہ کریں بلکہ منگولوں کے حملہ کا آغاز ہوتے ہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ یہاں تک کہ منگول ان دستوں کی زد میں آگئے، جو گھات میں بیٹھ کر منگولوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ اس کے بعد یکایک وہ تکبیروں کے نعرے بلند کرتے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور منگولوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے پہلے کہ وہ خود کو سنبھال سکتے، انہوں نے ان کے ہزاروں لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار کر رکھ دیا تھا۔"

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ قط بوغا کے لئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ اس نے اپنی صفوں کو دوبارہ آراستہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی سب تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔ مسلمانوں کے تیز وتند حملوں نے منگول لشکر کے پرخچے اُڑا دیئے۔ گرجستانی اور ارمنی دستوں کا وہ برا حشر ہوا کہ مسلمان مجاہدین نے ان کو بالکل روند ڈالا تھا۔

غرض چند گھنٹے کے اندر اندر منگولوں کو ایسی کمر توڑ شکست ہوئی کہ پچھلے چالیس سالوں میں اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی تھی۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ قط بوغا عین میدانِ جنگ میں اپنے کئی ساتھیوں سمیت مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ یہ درندہ صفت انسان، شام کے مسلمانوں پر بے پناہ ظلم توڑ چکا تھا، کسی رعایت کا مستحق نہیں تھا۔ چنانچہ جب اسے بیبرس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بلا تامل اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ قتل ہونے سے پہلے تکبر کرتے ہوئے اور ڈینگ مارتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"مسلمانوں نے میدان جیت لیا تو کیا ہوا؟ کیا منگولوں کی ماؤں نے بچے جننا چھوڑ

دیئے ہیں یا ان کی عورتیں بانجھ ہوگئی ہیں؟ میرے مرنے کے بعد منگول عین جالوت کی اس شکست کا بدلہ ضرور لیں گے۔ تمہیں اور تمہارے ملک کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل ڈالیں گے۔"

رکن الدین بیبرس نے قط بوغا کی اس ڈینگ کا جواب خندہ پیشانی کے ساتھ دیا اور اس کا سر کاٹ کر نمائش کے لئے قاہرہ بھیج دیا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی اسیر کر کے قاہرہ بھیجا گیا، جہاں گلیوں میں پھرانے کے بعد اُن کی گردنیں کاٹ دی گئیں۔

کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان منگول قیدیوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے سے پہلے ان کے ہاتھ پاؤں توڑے گئے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے تھے۔ ان قیدیوں میں قط بوغا کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اس طرح وہی منگول جن کے متعلق مشہور تھا کہ ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، ان کا عبرت ناک انجام اہلِ مصر نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

بہرحال معرکہ عین جالوت کا شمار تاریخ کی فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو دنیا میں ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہتی۔ ان کی تہذیب وتمدن، تاریخ، ثقافت برباد ہو جاتی۔ چنانچہ تمام عالم اسلام میں اس فتح پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا گیا اور شکرانے کی نمازیں پڑھی گئیں۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر رکن الدین بیبرس اور کچھ بھی نہ کرتا تو صرف اسی ایک معرکہ میں اس کی کامیابی، اس کی شہرت اور عوام کی نظروں میں امتیازی مقام دلانے کے لئے کافی تھی۔

○○○○○

دوسری طرف منصور بن احمد ابھی تک حلب، حمص اور کبھی کبھی البیرہ کے نواح میں ایک طوفانی ہیجان کھڑے کئے ہوئے تھا۔ ان علاقوں میں جہاں کہیں بھی اسے منگولوں کا کوئی لشکر متحرک نظر آتا، وہ آندھی اور طوفان کی طرح اس پر وارد ہوتا اور جہاں تک ممکن ہوتا، ان کا قتل عام کرتا اور انہیں مسلمانوں کے علاقوں سے اپنی ضرورت کا سامان حاصل کرنے نہ دیتا۔

اس نے ایک طرح سے منگولوں کو معاشی طور پر اپاہج کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ جہاں موقع ملتا، وہ ان کا قتل عام کر کے ان کی تعداد کو بھی کم کرتا جا رہا تھا۔

منصور بن احمد ایک روز حمص کے نواحی علاقوں میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کئے ہوئے تھا اور ایک بلند جگہ پر شرف الدین کردی، حسام الدین اور دیگر سالاروں کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ کچھ مخبر وہاں پہنچے۔ ان کی آمد پر منصور بن احمد نے خوشی کا اظہار کیا اور ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ مخبر وہاں بیٹھ گئے، تب بڑے شوق اور جستجو بھرے انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے منصور بن احمد بول اٹھا۔

"میرے بھائیو! کیا تم کسی سمت سے ہمارے لئے اچھی خبر لے کر آئے ہو؟"

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

"امیر! آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم مصر کی طرف سے ایک اچھی خبر لے کر آئے

ہیں۔ امیر! بات یہ ہے کہ ہلاکو خان اپنے آبائی وطن کی طرف جاتے ہوئے اپنے بہترین سالار قط بوغا کو بہت بڑے لشکر کے ساتھ فلسطین میں چھوڑ گیا تھا۔ چنانچہ ان حالات کی خبر جب مصر کے سپہ سالار رکن الدین بیبرس کو ہوئی تو وہ لشکر لے کر نکلا، عین جالوت کے مقام پر اس کا ٹکراؤ قط بوغا سے ہوا۔ رکن الدین نے اپنے بہترین سالاروں کے ساتھ قط بوغا کو بدترین شکست دی، ان گنت اور بے شمار منگولوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قط بوغا کو زندہ گرفتار کرلیا۔ گرفتار ہونے والوں میں اس کا بیٹا بھی شامل تھا۔ چنانچہ قط بوغا اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا اور جتنے منگول جنگ کے دوران گرفتار ہوئے، ان کے سر قلم کر کے بھی مصر کے گلی کوچوں میں اس لئے پھرائے گئے تاکہ مسلمانوں پر منگولوں کا ایک طرح کا جو رعب اور خوف چھا گیا تھا، اسے ختم کر دیا جائے۔ امیر! فلسطین کی وادیوں میں رکن الدین بیبرس نے منگولوں کو ایک دم اپنے سامنے سرنگوں ہونے اور جھکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب رکن الدین بیبرس کا نام منگولوں کے لئے ایک خوف اور وحشت کی علامت بن گیا ہے۔"

جب تک مخبر بولتا رہا، منصور بن احمد، شرف الدین، حسام الدین اور دوسرے سالار مسکراتے رہے، خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ جب مخبر خاموش ہوئے، تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے منصور بن احمد کہنے لگا۔

"رکن الدین! وقت کے بھاگتے لمحوں میں تُو کیا خوب منگولوں کے خلاف ریزہ ریزہ کر دینے والے عناصر کی طرح حرکت میں آیا۔ گمبھیر صورت یلغار کی طرح تُو نے ان کی ہستی کو رسوائی میں تبدیل کیا، اُن کی جرأت مندی اور اُن کی انا کو حروفِ غلط کی طرح مٹا کے رکھ دیا۔ رکن الدین! تُو نے کیا آسمان پر گِدھوں کی طرح منڈلانے والے منگولوں، خونی خواب اوڑھنے والے وحشیوں، اوہام کے کالے بادلوں کی طرح سرگرداں رہنے والے منگولوں کے لئے غم و اندوہ کے سیاہ ہجر کھڑے کر دیئے۔ تُو نے اُن کے لئے سلگتی بجھتی موہوم آس، اُن کے تخیل کے ہر پیچ کو سرنگوں کیا۔ ان کی وحشی یادوں کو درد کی سوغاتوں میں تبدیل کر دیا۔ اب حالات تبدیل ہوں گے۔ منگولوں کو اپنے سامنے شکست کے بے رنگ دھندلکوں میں موت ہی موت دکھائی دے گی۔ چاروں طرف ان کے لئے درد کے طوفان کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ اب اونگھتی مسلم

قوم بیدار ہو گی۔ لرزاں خاموشیاں پھیلتے تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگیں گی۔ مسلمان اب منگولوں کے خلاف ہاتھوں میں خشت لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ رکن الدین! میں صبح کے نور کی شادابی جیسی عظمت و سکون اور آسودگی جیسے تیرے وقار کو صد بار سلام پیش کرتا ہوں۔"

ooooo

دوسری طرف فلسطین کے میدانوں میں منگولوں کو بدترین شکست اور رکن الدین بیبرس کی شاندار فتح کی خبر جب برقائی خان کے پاس پہنچی تو برقائی خان نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ اور جو لوگ یہ خوشخبری لے کر اس کے پاس پہنچے تھے، انہیں اُس نے خوب نوازا۔ اس کے بعد اُس نے تیز رفتار قاصد رکن الدین بیبرس کی طرف روانہ کئے۔ اس نے ہلاکو خان کے مقابلہ میں رکن الدین کو محبت اور دوستی کا پیغام بھیجا اور یہ بھی کہا کہ منگو خان کی موت اور فلسطین میں رکن الدین کے ہاتھوں ہلاکو خان کے لشکر کی شکست کی حیرت ناک خبر نے اسے خوش کر دیا ہے۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں، برقائی خان نے اس شاندار اور عظیم فتح پر رکن الدین بیبرس کو مبارک باد کے پیغام بھیجے۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ شاید ہی کسی کو کبھی ایسا خوش حال پیغام ملا ہو جس سے وہ اس قدر کام نکال سکتا ہو۔ چنانچہ رکن الدین کو چشم زدن میں معلوم ہو گیا کہ منگولوں کے خلاف سب سے بڑی طاقت اور حلیف اور ساتھی جو اسے مل سکتے ہیں، وہ منگول ہی ہیں۔ چنانچہ اس نے قاہرہ میں برقائی خان کے بھیجے ہوئے قاصدوں کی بڑی خاطر مدارات کی، انہیں کنیزیں عطا کیں، اپنے حلقہ میں انہیں اعلیٰ عہدوں سے سرفراز کیا اور ان میں سے کچھ کو اس لئے روک لیا تاکہ وہ مملوکوں کو منگولوں کی جنگی ترکیبیں سکھائیں اور دوسروں کے ساتھ اپنے سفیروں کو برقائی خان کی خدمت میں روانہ کیا۔

اپنے سفیروں کی روانگی سے پہلے اس نے اچھی طرح پوچھ گچھ کر کے دریافت کیا کہ برقائی خان کو کس طرح کے تحفے پسند ہیں۔ اور پھر اس نے تحفتاً قرآنِ مقدس کا ایک نسخہ جس کے ریشمی جزدان پر سنہری کام تھا اور ہاتھی دانت اور صندل کا

ایک مرصع تخت بھیجا۔ زرتار مصلی، نقرئی دستوں کی نفیس تلواریں، ریشمی زرہ کی دمشقی کمانیں، اعلیٰ درجہ کے گھوڑے، صبا رفتار اونٹ، جنگلی گدھوں کا ایک گلہ، جراف جس کے ساتھ منقش زینیں تھیں، ایک کلاہ یعنی عمامہ جو مکہ معظمہ میں حج کے زمانے میں پہنی گئی تھی، بھیجی۔

رکن الدین نے برقائی خان کی طرف سے اپنے ایک سالار کو حج بیت اللہ کے لئے روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے حسین اور نوجوان کنیزیں بھی اسے روانہ کیں، جو گانے اور کھانے پکانے میں مشاق تھیں۔ ان کی خدمت کے لئے خواجہ سراؤں کا ایک دستہ ساتھ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ اور بہت سے تحفے جو برقائی خان کو پسند آ سکتے تھے۔ تحفوں کے ساتھ جو خط بھیجا گیا تھا، وہ رکن الدین نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا۔

اس خط میں رکن الدین نے توجہ کروائی تھی کہ ہلاکو خان، اسلام کو سرے سے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ عاجز رکن الدین یہ کوشش اور سعی کر رہا ہے کہ خلافت کو ازسرنو بحال کرے اور کافروں کے خلاف جہاد کرے۔ رکن الدین نے یہ بھی وعدہ کیا کہ قاہرہ کی جامع مسجد کے خطبہ میں برقائی کا نام بھی لیا جائے گا۔ آخر میں تجویز پیش کی کہ برقائی خان اس طرح مدد کر سکتا ہے کہ عقب سے ہلاکو خان کے لشکر پر حملہ کرے۔

یہ خط بقول مؤرخین بڑے دوستانہ لہجہ میں سیاسی ضرورت کے پیش نظر لکھا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے مصر پر ہلاکو خان کی یورش کا خدشہ ٹل گیا۔ یہ پہلا موقع تھا، خاندانِ زریں کے ایک فرد یعنی برقائی خان نے اپنے ہی خانوادے اور قوم کے خلاف ایک اجنبی قوم کے لئے قدم اٹھایا تھا۔

اس کے بعد رکن الدین پھر حرکت میں آیا۔ قط بوغا کو شکست دینے اور منگولوں کا قتل عام کرنے کے بعد وہ بیکار نہیں بیٹھا۔ پہلے وہ اپنے لشکر کے ساتھ واپس قاہرہ گیا۔ اب اس کی شہرت کو دوام مل چکا تھا۔ رکن الدین نے پہلے منصورہ اور دیگر کئی دوسری لڑائیوں میں بے مثال شجاعت اور عسکری صلاحیت کا مظاہرہ کر کے مصر کی سیاست میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ لیکن عین جالوت میں جو اس نے منگولوں کو بدترین شکست دی، ایک تو اس کی یہ فتح عالم اسلام بالخصوص اہلِ مصر کی نگاہوں میں بڑی اہمیت اختیار

کرئی اور وہ مصریوں کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔

چنانچہ جب وہ مظفر و منصور قاہرہ واپس گیا تو اہل مصر نے بڑے جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا اور اس کی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگیں۔ درحقیقت عین جالوت کی فتح نے مصر اور شام میں رکن الدین بیبرس کی ہر دل عزیزی کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ وہ سلطانانِ مصر اور شام کا محبوب ترین قائد بن گیا تھا۔

دوسری طرف مصر کے سلطان ملک مظفر نے برسر اقتدار آ کر کچھ ایسے اقدامات کئے تھے جو مملوک امراء کو ناگوار گزر رہے تھے۔ لیکن منگولوں کے خطرہ کے پیش نظر وہ خاموش رہے۔ اس خطرے کے دور ہوتے ہی اس کے خلاف جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، وہ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ لشکریوں نے ایکا کر کے 698 ہجری کو ملک مظفر کا قصہ پاک کر دیا۔ چنانچہ ملک مظفر کے قتل کے بعد مملوکوں نے اتفاقِ رائے سے رکن الدین بیبرس کو اپنا سربراہ منتخب کر لیا اور اسے 698 ہجری میں مصر کی حکومت پر بٹھا دیا گیا۔ اس کی تخت نشینی کے اعلان پر اہلِ مصر نے بڑے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا۔ چونکہ وہ رکن الدین کے جذبۂ جہاد اور اعلیٰ کردار سے بخوبی آگاہ تھے، وہ سمجھتے تھے کہ نیا سلطان منگولوں اور صلیبیوں سے نمٹنے اور عوام کی اُمنگوں کو پورا کرنے کے لئے پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

فی الحقیقت رکن الدین پہلا حکمران تھا جس کو نہ صرف مملوک امراء اور لشکریوں کی حمایت حاصل تھی بلکہ عام لوگ بھی اس کے پُرجوش حمایتی تھے۔

چنانچہ سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد رکن الدین نے بڑی فراخ دلی سے کام لیا اور ان امراء کے خلاف بھی انتقامی کارروائی نہیں کی جو ملک مظفر کے خاص آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ انتقام اور سزا کا چکر چلانے کے بجائے اس نے ان امراء کو نہ صرف اپنے اپنے مناصب پر بحال رکھا بلکہ اور بھی جو کچھ ہو سکتا تھا، ان کی دلجوئی کے لئے کیا۔ اس طرح سب مملوک امراء دل و جان سے اس کے ہمدرد اور حمایتی بن گئے تھے۔

مشہور مؤرخ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ رکن الدین بیبرس نے تخت نشین ہو کر اپنا لقب الملک القاہر مقرر کیا اور امراء میں سے ایک شخص بہاء الدین کو اپنا وزیر

مقرر کیا۔

چنانچہ بہاء الدین جو وزیر مقرر ہوا تھا، وہ رکن الدین بیبرس کا بڑا ہمدرد اور حمایتی تھا۔ ایک روز اس نے رکن الدین سے کہا کہ جس شخص نے اپنا لقب القاہر مقرر کیا، اس نے کبھی فلاح نہیں پائی۔ بغداد کے انیسویں عباسی خلیفہ نے یہ لقب اختیار کیا تو چند ہی روز میں معزول کیا گیا۔ اس کی آنکھیں نکلوا ڈالی گئیں۔ پھر والئ موصل نے اپنا لقب قاہر رکھا، اس کو زہر دے دیا گیا۔

اپنے وزیر کی اس رائے کو رکن الدین نے پسند کیا۔ چنانچہ اس نے اپنا لقب قاہر سے بدل کر ظاہر رکھ لیا۔ اس طرح تاریخ کے اوراق میں سلطان رکن الدین بیبرس اپنے لقب الملک الظاہر سے مشہور ہوا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ رکن الدین بیبرس مصر کا سلطان ہونے کے ساتھ ساتھ لشکریوں کا امیر اور سپہ سالار بھی تھا۔ عین جالوت کے مقام پر منگولوں کو بدترین شکست دینے کے بعد صرف رکن الدین بیبرس ہی نہیں، اس کے لشکریوں کے حوصلے اور جذبے بھی بلند ہو گئے تھے اور اب وہ منگولوں سے ٹکرانا اپنے لئے ایک عزت اور سعادت خیال کرنے لگے تھے۔ یہ تبدیلی یقیناً عالم اسلام کے لئے ایک روشنی کی دلیل تھی۔ چنانچہ رکن الدین بیبرس بیکار نہیں بیٹھا۔ اپنے لشکر کو لے کر وہ نکلا اور بڑی تیزی سے اس نے ارضِ شام کا رخ کیا۔

دراصل وہ چاہتا تھا کہ ہلاکو خان کی واپسی سے پہلے پہلے شام کے علاقوں میں جو منگولوں نے شہر فتح کئے ہیں، وہ سارے واپس لے کر ان کے استحکام کو آخری شکل دے، پھر وہ دوبارہ منگولوں کو ان سرزمینوں میں داخل نہ ہونے دے۔

چنانچہ اپنا لشکر لے کر وہ تیزی سے شمال کی طرف بڑھا تھا۔

ادھر تین بڑے شہروں میں جو منگولوں کے لشکر تھے، انہیں بھی خبر ہو گئی تھی کہ مصر کے سلطان رکن الدین بیبرس نے ان کے نامور اور بہترین سپہ سالار قط بوغا کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے، منگولوں کے جرار لشکر کو شکست دی ہے اور اب بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ شام کے شہروں کا رخ کر رہا ہے۔

یہ خبریں سن کر حمص، دمشق، حماۃ جران اور حلب میں جو منگولوں کے لشکر تھے، انہوں

نے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کیا اور پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ علیحدہ علیحدہ رکن الدین کا مقابلہ کرنا ان کے لئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ تینوں شہروں میں جو منگولوں کے لشکر تھے، وہ حلب شہر اور حمص کے درمیان ایک مناسب جگہ جمع ہوئے، اپنے پاس انہوں نے مہینوں کے لئے کافی رسد بھی جمع کر لی اور اب ان کا ارادہ تھا کہ وہ انہی میدانوں میں مصر کے حکمران رکن الدین سے نمٹیں گے اور اس پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ اسے مصر کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔

دوسری طرف منصور بن احمد کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ رکن الدین بیبرس اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے شمال کی طرف بڑھ رہا ہے لہٰذا اس نے حلب سے چند میل شمال میں قیام کر رکھا تھا۔ یہ خبر سن کر اس نے اپنے چھوٹے بڑے سالاروں کو جمع کیا۔

جب سب اس کے پاس آ گئے، تب منصور بن احمد نے پہلے ایک غائر نگاہ سب پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائیو! میں ایک نئی منصوبہ بندی پر عمل کرنے لگا ہوں۔ اگر تم لوگوں نے اس سے اتفاق کیا تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ اس کو روک دیا جائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن احمد رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر تک ہم یہاں سے مزید شمال کی طرف بڑی تیزی سے سفر کریں گے اور دس میل آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہمارے مخبر ہمیں یہ اطلاع دے چکے ہیں کہ رکن الدین بیبرس ابھی اپنے لشکر کے ساتھ کافی دور ہے۔ لہٰذا ہم کئی میل شمال کی طرف چلے جائیں گے اور پھر منگولوں کے آس پاس بلکہ ان کے اندر بھی یہ خبریں پھیلا دیں گے کہ منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار اپنے لشکر کو لے کر کوہستانِ قپچاق کی طرف جا چکے ہیں۔ اور جب ان کے جاسوس ان علاقوں کا جائزہ لیں گے، جہاں ہم نے اب قیام کر رکھا ہے تو وہ یقیناً مان جائیں گے کہ ہم واقعی شمال کی طرف جا چکے ہیں۔ اور ہم حقیقت میں کئی میل دور تک شمال میں جا کر کسی مناسب جگہ پڑاؤ کر لیں گے۔ اپنے اردگرد اپنے مسلح جوان پھیلا دیں گے تاکہ ان علاقوں میں یا ہمارے اردگرد کوئی منگول خبریں لینے کے لئے بھٹکتا دکھائی دے تو اس کا قصہ تمام کر کے

رکھ دیں۔

ابھی ہم دو طرح کے اپنے ہرکارے اور مخبر تیار کریں گے۔ پہلے وہ ہوں گے جو منگولوں کے لشکر میں یہ خبریں پھیلائیں گے کہ منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین، کوہستانِ قپچاق کی طرف جا چکے ہیں۔ دوسرے جاسوس ہمیں رکن الدین بیبرس کی آمد اور اس کے محل وقوع سے متعلق برابر آگاہ کرتے رہیں گے۔ ہم یہ تو سب جان چکے ہیں کہ حماۃ، جران، حمص، دمشق اور حلب میں جس قدر منگولوں کے لشکر تھے، وہ سب یکجا ہو گئے ہیں اور وہ حلب کے نواح میں جمع ہو کر ایک ساتھ اتفاق اور یکجہتی کے ساتھ رکن الدین کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو خبریں ہمارے مخبر لے کر آئے ہیں، ان کے مطابق منگولوں نے یہ بھی ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ رکن الدین بیبرس سے اپنے سالار رقط بوغا کا انتقام ضرور لیں گے۔

ہمارے مخبر جب یہ اطلاع کریں گے کہ رکن الدین بیبرس اپنے لشکر کے ساتھ منگولوں سے پانچ میل کے فاصلے پر رہ گیا ہے، تب ہم بھی حرکت میں آئیں گے۔ شمال سے جنوب کی طرف بڑھیں گے اور منگولوں کے لشکر سے پانچ میل کے فاصلے پر آ جائیں گے۔ اس کے بعد جب رکن الدین بیبرس منگولوں کے سامنے آ کر صف آرا ہو گا تو شمال کی طرف سے کھسکتے ہوئے ہم دونوں، منگولوں کے لشکر کے قریب ہی گھات لگا لیں گے۔ منگول ہو سکتا ہے، رکن الدین بیبرس کے آتے ہی جنگ کی ابتدا کر دیں۔ وہ یہ چاہیں گے کہ مصر کا لشکر سفر کر کے تھکا ہوا ہو گا لہٰذا ان کی تھکاوٹ سے فائدہ اٹھا کر اپنی کامیابی کو یقینی بنائیں گے۔ چنانچہ منگول جب رکن الدین بیبرس سے ٹکرائیں گے تو اس کے بعد ہمارے کام کی ابتدا ہو گی۔ اپنے لشکر کے ساتھ ہم اپنی گھات سے نکل کر منگولوں کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ ایک طرف سے رکن الدین جب حملہ آور ہو گا اور دوسری جانب پشت کی طرف سے منگولوں پر ہم ضرب لگائیں گے تو منگول کیسے اپنے مرنے والے سالار، قط بوغا کا انتقام لیتے ہیں اور کیسے وہ رزم گاہ کے اندر زیادہ دیر رکنے، ٹھہرنے اور جنگ کرنے کی جرأت اور جسارت کرتے ہیں۔

حسام الدین، شرف الدین اور دیگر سالاروں نے جب منصور بن احمد کی اس تجویز

سے اتفاق کیا، تب تھوڑی دیر بعد لشکر حرکت میں آیا اور بڑی تیزی کے ساتھ شمال کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

○○○○○

اگلے روز منگولوں کے اندر یہ خبر پھیل گئی کہ منصور بن احمد اپنے لشکر کو لے کر کوہستانِ قپچاق کی طرف جا چکا ہے۔

حلب کے نواح میں جہاں منگول جمع ہوئے تھے، وہاں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، منگولوں کا پڑاؤ قائم تھا۔ رسد کے سامان کے علاوہ بار برداری کے جانوروں اور خوراک کے لئے استعمال ہونے والے جانوروں کے ریوڑ کھڑے ہوئے تھے جبکہ منگولوں کے تینوں عساکر کے سالار یعنی دمشق، حمص اور حلب کے لشکریوں کے سربراہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔

جس وقت انہوں نے سلطان رکن الدین سے نمٹنے کی اپنی منصوبہ بندی کو آخری شکل دے لی، تب کچھ مخبر آئے اور انہوں نے انہیں یہ اطلاع دی کہ منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق کی طرف جا چکا ہے۔

یہ خبر یقیناً ان منگول سالاروں کے لئے بڑی حوصلہ افزا اور خوش کن تھی۔ اور وہ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ اب اکیلے رکن الدین کا مقابلہ کرنے کے لئے انہیں زیادہ مشکلوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

دوسری طرف منصور بن احمد کے ہرکارے اور اس کے مخبر، رکن الدین بیبرس کی پیش قدمی سے اسے برابر مطلع کرتے جا رہے تھے۔ رکن الدین بیبرس جب منگولوں کے لشکر سے پانچ میل دور پہنچ گیا، تب منصور بن احمد بھی اپنے لشکر کو لے کر منگولوں کے شمال میں پانچ میل کے فاصلے پر آ گیا تھا۔

اور جب رکن الدین بیبرس نے منگولوں کے سامنے آ کر اپنا پڑاؤ کرنا شروع کیا، تب منصور بن احمد بھی بالکل قریب آ کر گھات لگا گیا تھا۔

منگولوں کا خیال تھا کہ رکن الدین بیبرس مصر سے منزل بہ منزل ایک لمبا سفر طے کر کے آیا ہے۔ اگر اس کے لشکری راستے میں ستا بھی چکے ہیں، تب بھی ان میں تھکاوٹ

کے آثار ہوں گے۔ لہٰذا اس حالت میں اگر رکن الدین پر حملہ کر دیا جائے تو ان کی کامیابی اور ان کی کامرانی کے زیادہ آثار رہیں گے۔

چنانچہ دونوں لشکر جب اپنی صفیں درست کر چکے۔ کچھ دیر تک منگولوں کے لشکر میں بڑے بڑے طبل بجتے رہے۔ اس دوران رکن الدین بیبرس دشمن کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ اس موقع پر ایک طلایہ گر، رکن الدین کے قریب آیا، اس وقت رکن الدین کے سالاروں میں سے سیف الدین اور طرنطائی بھی اس کے قریب ہی کھڑے تھے۔ اس طلایہ گر نے قریب آ کر رکن الدین کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''سلطانِ محترم! جو خبریں ہمیں ملی ہیں، ان خبروں کے مطابق منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق کی طرف جا چکا ہے۔''

یہ خبر سن کر ہلکا سا تبسم رکن الدین بیبرس کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''گو تم مجھے یہ خبر سنا چکے ہو لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ ان حالات میں جب ہم منگولوں سے ٹکرانے کے لئے شام کی سرزمینوں کی طرف آئے ہیں تو منصور بن احمد ہمارا ساتھ دیئے بغیر کوہستانِ قپچاق کی طرف چلا جائے۔ میں اسے ناممکن خیال کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی اس کی کوئی جنگی چال ہو۔ بہر حال تم جاؤ اور پہلے کی طرح اپنے کام میں لگ جاؤ۔''

منگولوں کے لشکر میں کچھ دیر تک طبل بجتے رہے۔ جب طبل بجنا بند ہو گئے، تب قبل اس کے کہ منگول اپنی کسی کارروائی کی ابتدا کرتے، رکن الدین بیبرس نے اپنے لشکر کو پہلے ہی تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ درمیانی حصہ اس کے پاس، دایاں پہلو سیف الدین کے پاس، بایاں پہلو طرنطائی کی کمانداری میں تھا۔

منگولوں کے لشکر میں جونہی طبل بجنا بند ہوئے، رکن الدین بیبرس نے اپنے لشکر کو ہوا کے جھونکوں کے شعلۂ شرر اور بپھری موجوں کی یلغار کی طرح آگے بڑھایا، پھر وہ منگولوں کے لشکر پر اُداس لمحوں کی کہانیوں میں پیاس کے خونی کانٹے بکھیرتی درد کی خونی فراوانیوں، سرابوں سے بھرپور صحرا کے اندر خون سے لکھی اُداس داستانوں، چڑھتے ساگر کی طغیانیوں، شعلوں کی باڑ مارتے نفرت بھرے آتشیں طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے منگول بھی رکن الدین بیبرس کے لشکر پر جلتی دھوپ کے لیے سفر میں خوابیدہ ارادوں کو پکارتی مرگ، زیست کے گلشن کو پراگندہ کرتے نامرادیوں کے سیاہ بخت، بساطِ ذات کے سارے زاویے، زوال و فنا کا شکار کرتی بربادیوں کی لامتناہی پرچھائیوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

ابھی یہ ٹکراؤ تھوڑی دیر ہی ہوا تھا کہ اچانک منگولوں کے لشکر کی پشت پر صدیوں کے آئینوں میں فطرت کی زیبائی، بے کنار دھرتی پر پھیلی انسانی عظمتوں کی امین صداؤں اور سانسوں کے مدوجزر میں نادیدہ رنگوں کو دستک دیتی آوازوں کی طرح تکبیریں بلند ہوئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین کندار، منگولوں کے لشکر پر پشت کی جانب سے ہست و نیستی کے سنگم پر کھڑے فاتحانہ رفتار کے ساتھ اُبھرتے انسانی عظمتوں کے پیکر، اپنی فوزمندی کے حروف رقم کرتے بھڑکتے آتش فشانوں کی حدت، روحوں کے درپے موت آلود اساطیر اور نفرتوں کے زہر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

پشت کی جانب سے منصور بن احمد اور اس کے دونوں بڑے سالاروں کا یہ حملہ ایسا خوف ناک، ایسا جان لیوا تھا کہ لگتا تھا ان گنت گِدھوں کے جھنڈ میں شاہینوں کے غول حملہ آور ہو کر سارے نظام کو درہم برہم کرنے لگے ہوں یا بھیڑیوں کے غور پر تیندوے حملہ آور ہو کر تباہی اور بربادی کا ایک کھیل شروع کر چکے ہوں۔

پشت کی جانب سے زوردار حملے کرتے ہوئے منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ منگولوں کے اندر دُور تک گھستا چلا گیا تھا۔ جبکہ سامنے کی طرف سے رکن الدین بیبرس، سیف الدین اور طرنطائی، منگولوں کے ساتھ موت کا وہ کھیل شروع کر چکے تھے کہ انہوں نے اپنے سامنے آنے والے ہر منگول کو لقمۂ اجل بنانا شروع کر دیا تھا۔

یہ بڑا خوف ناک ٹکراؤ تھا۔ موت نامانوس گوشوں سے نکل کر نفرت کی شدتیں، روحوں کے عذاب، قضا کے جنوں، مرگ کے زہر اور غموں کی دھوپ پھیلانے لگی تھی۔ رزم گاہ کے اندر کرب کے کھولتے لمحات، چیختے چلاتے بگولوں کی سی وحشت ناکی، نوحہ کناں ماتم کرتی صدائیں، سنگدل ناموافق احوال رقص کرنے لگے تھے۔ رگوں میں گڑگڑاہٹ، لہو میں بے چینی اور شعلوں کے لرزاں طوفان اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔

کچھ دیر تک مزید ہولناک ٹکراؤ رہا۔ یہاں تک کہ منگولوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

منگولوں نے اس موقع پر دوسمتوں میں بھاگنا شروع کیا۔ لہٰذا ایک سمت والوں کے پیچھے رکن الدین بیبرس لگ گیا تھا اور جو دوسری سمت بھاگے تھے، ان کے پیچھے منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین لگ گئے تھے۔

منصور بن احمد نے جن منگولوں کا تعاقب کیا تھا، ان کو گھیرنا شروع کر دیا۔ پشت کی طرف خود رہا، دائیں بائیں سے شرف الدین اور حسام الدین نے ان کا گھیراؤ کیا، انہیں روک دیا۔ سب سے پہلے انہیں گھوڑوں سے اُترنے کے لئے کہا، پھر ان سے ان کے ہتھیار لے کر انہیں رسیوں میں باندھ دیا گیا تھا اور اس جگہ واپس لایا گیا، جہاں جنگ ہوئی تھی۔ وہ لگ بھگ چار پانچ سو منگول تھے اور ان کے چار پانچ سو گھوڑے اور ہتھیار ایک طرف کر دیئے گئے تھے۔

ان سب کو نہتا کھڑا کرنے کے بعد اچانک منصور بن احمد کو کوئی خیال گزرا۔ اپنے لشکریوں کے بیچ میں وہ زمین پر بیٹھا سجدہ ریز ہوا پھر وہ بڑے کرب خیز انداز میں دعا مانگ رہا تھا۔

”اے اللہ! تیرے کُن فیکون کے نغموں میں پانی کے بلبلے ہواؤں کے بگولے جنم لیتے ہیں۔ اے خدائے لم یزل! یہ گاتا چاند، ہنستے ستارے، یہ زندگی کی تڑپ اور اپنے شانوں پر چیختے بادل اٹھائے اور فضاؤں میں نشیلے خواب بکھیرتی یہ ہوا سب تیرے کُن کا کمال ہے۔

اے ربِ لازوال! مسلمانوں پر خون میں نہائی منزلوں کی گرد، بحران کے دور اور جمود کے عہد کا دور ہے۔ ہمیں ہمت و استقامت دے کہ ہم منگولوں جیسے ابلیسوں کے منہ میں لگام ڈال کر ان کے اسم وجسم، ان کے نبض و نفس میں تیرگی کی ٹھوکریں بھر دیں۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما کہ ہم ابہام پرست، متعصب وجنونی منگولوں کے لئے مقدر کی بے نامی و بربادی کھڑی کر دیں۔ اے اللہ! یہ منگول عصمتوں پر گندگی اُچھالتے رہے ہیں، برہنہ شیطانی قہقہے بلند کرتے رہے ہیں، اے اللہ! انہوں نے آدمیت کے چیتھڑے اُڑاتے، ماؤں کی گود کی نرمی و آسودگی چھینی، چشمِ انسانیت کو لہو لہو کیا۔ اے اللہ! ہماری

بھول چوک پر ہماری گرفت نہ کر، ہمارے معاملے میں سختی سے کام نہ لے۔ اے اللہ! ہمیں دلِ سلیم، راہِ مستقیم اور عزمِ صمیم پر عزیمت و استقامت، جرأت و ہمت عطا کر کے ہم دشمن کا خبثِ باطن نکال کر ان کا سارا وحشی پن درست کر دیں۔

اے اللہ! انہوں نے عصمتیں صلیب پر چڑھائیں، ہم فرزندانِ توحید کو ہمت عطا کر کہ پرستارانِ باطل کی ہولناک یلغار کے سامنے ہم عناد کی آگ، نفرتوں کا طوفان ثابت ہوں۔ ان کے حسد، نسلی تعصب میں ذلت و مسکنت بھر دیں۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما، تاکہ ہم اپنی دینی و نسلی یکجہتی کو استوار کر کے دشمن کے ذہنی، عقلی قویٰ کو مفلوج کر کے رکھ دیں۔ اے اللہ! ہمیں ہمت دے، ہماری مدد فرما کہ ہم اسلام کے غیر متبدل اصولوں پر قائم رہتے ہوئے پھر سے اپنی شیرازہ بندی کر کے دشمن کے اتحادِ عملی اور ان کے شجرِ اقبال کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما اے اللہ! تیرے علاوہ کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔ اے اللہ! ہماری مدد فرما۔“

اس سے آگے منصور بن احمد کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ اس کی بکھرتی روتی آواز الفاظ کا ساتھ نہ دے سکی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے دائیں طرف شرف الدین اور حسام الدین کھڑے اپنی آنکھیں خشک کر رہے تھے اور پیچھے کچھ اجنبی کھڑے تھے۔ وہ بھی اپنی آنکھوں کی نمی صاف کر رہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک حرکت میں آیا، اس نے اپنے بازو پھیلائے اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے میری قوم کے شاہین! میں رکن الدین بیبرس ہوں۔ تیری دعا کے سارے الفاظ سن چکا ہوں۔ آ، مجھ سے گلے مل کہ میں تیری پیشانی کو چوموں، میں تیرے ان ہاتھوں کو بوسہ دوں جن سے تُو نے منگولوں کے خلاف ایک ہیجان اور کہرام کھڑا کر رکھا ہے۔“

رکن الدین بیبرس کا نام سن کر منصور بن احمد چونکا تھا۔ پھر آگے بڑھا اور رکن الدین بیبرس سے گلے مل گیا تھا۔

رکن الدین نے کئی بار اُس کی پیشانی چومی، اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، پھر اسی انداز میں رکن الدین نے اپنے سالاروں سے اس کا تعارف کروایا اور منصور بن احمد ان

سے بھی ملا۔ اس کے بعد بڑی عقیدت میں سلطان رکن الدین بیبرس، منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز! تیری ساری خبریں، تیرے سارے کارنامے، تیرے سارے معرکے مخبروں کے ذریعے ہمیں مصر میں پہنچتے رہے ہیں۔ میں تیری کارگزاری کو سلام پیش کرتا ہوں۔ تُو کیا خوب شورہ پشت منگولوں پر موت بن کر کھیلتا رہا۔ ان کے حرص و ہوس کے شہروں میں اپنی شمشیرِ بے اماں کا سایہ کرتا رہا، اپنی تدبیر کے فولاد سے ان کو فکر وفریب کی تھکن کی لڑکھڑاہٹوں میں مبتلا کرتا رہا۔ تُو نے کیا خوب ان کے ہاتھوں سے خوشی کے علم چھین کر ان کے لئے دکھوں کے جمود آراستہ کئے۔ ان کے سنہرے ارادوں کو جدائی کے زخموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔"

رکن الدین بیبرس جب خاموش ہوا، تب بڑی عاجزی و انکساری میں منصور بن احمد کہنے لگا۔

"سلطانِ محترم! میں نے کچھ بھی نہیں کیا، جس کی آپ تعریف کر رہے ہیں۔ میں موت کے سمندر سے بھاگا ہوا ایک لشکری ہوں۔ حالات نے مجھے افسردہ چراغوں کے دھوئیں، جلتی چربی کی طرح پگھلنے کے لئے زندہ رہنے دیا۔ جنگل کی صداؤں کی طرح بھاگ کر میں کوہستانِ قپچاق کی طرف آیا۔ سلطانِ محترم! آپ جانتے ہیں، بھاگے ہوئے لشکری کو لوگ ایسا صحرا سمجھتے ہیں جس میں کشف حقائق نہ ہو۔ ایسا صدف سمجھتے ہیں، جس میں موتی نہ ہو۔ ایسا پتھر جس میں گوہر نہ ہو، ایسی صہبا جس میں تلخی نہ ہو، ایسا پھول جس میں خوشبو نہ ہو، ایسا نطق جس میں حلاوت نہ ہو۔ میں تو یوں جانئے اب خود فراموشی کے عالم میں پڑا ہوں۔ موقوف عمل کا لشکری ہوں۔ زندگی کے عذاب سے، تباہی اور بربادی سے بھاگا ہوا ایک ناکام سالار ہوں۔"

رکن الدین نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر منصور بن احمد کو گلے لگا لیا، پھر اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھے اور بولا۔

"میرے عزیز! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم بغداد کے لشکریوں کے نائب سالارِ اعلیٰ رہے ہو۔ تم نے اور تمہارے سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد نے یقیناً بغداد شہر کے نواح میں ہلاکو خان کو بدترین شکست دی تھی۔ اگر دوسرے سالار منگولوں کا

تعاقب کرنے کی ضد نہ کرتے تو اب تک حالات مختلف ہوتے، ہماری تاریخ مختلف ہوتی اور تم ہلاکو کا تعاقب کرتے ہوئے یقیناً صحرائے گوبی کا رخ کرتے۔ لیکن چند سالاروں کی کوتاہی اور ان کی عاقبت نااندیشی نے ہمارے لئے تباہی اور بربادی کے در کھول دیئے۔"

یہاں تک کہتے کہتے رکن الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ایک مسلح جوان اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ منصور بن احمد اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اس کے مخبروں میں سے ایک تھا۔ اس موقع پر منصور بن احمد، رکن الدین بیبرس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"سلطانِ محترم! یہ میرا ایک مخبر آیا ہے۔ دیکھتے ہیں، یہ کیا کہتا ہے۔"

قریب آ کر اس مخبر نے بلند آواز میں سلام کیا۔ پھر وہ سب سے مصافحہ کرنے کے بعد منصور بن احمد کے قریب ہوا اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"امیر! میں آپ کے لئے ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں۔"

یہ الفاظ سن کر رکن الدین بیبرس، منصور بن احمد اور وہاں کھڑے سالار اور لشکری چونکے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مخبر پھر بولا اور کہنے لگا۔

"امیر منصور بن احمد! آپ کے لئے اچھی خبر یہ ہے کہ خداوند قدوس نے آپ کو ایک اور بیٹا دیا ہے۔ جہاں آپ کے پہلے بیٹے کا نام احمد بن منصور ہے، اب آپ کی بیوی نے اپنے دوسرے بیٹے کا نام سعد بن منصور رکھا ہے۔"

یہ خبر سن کر سب بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ باری باری سب منصور بن احمد کو مبارکباد دینے لگے تھے۔ پھر رکن الدین نے کچھ سوچا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز! میں نے سن رکھا ہے کہ تمہاری بیوی کا نام کیتھرائن ہے اور وہ آرمینیا کے شہنشاہ کی بیٹی ہے۔"

ہلکا سا تبسم اس موقع پر منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

"سلطانِ محترم! آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ میری بیوی کا نام کیتھرائن ہے اور وہ آرمینیا کے بادشاہ حیثون کی بیٹی ہے۔"

پھر سلطان نے دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اپنے سارے سالاروں کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی، پھر منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان نے پوچھ لیا۔

''منصور بن احمد! میرے بھائی! ہماری نسبت منگولوں کے خلاف تمہارا تجربہ زیادہ ہے۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے فلسطین کے میدانوں میں ہلاکو خان کے لشکر کو بدترین شکست دی ہے اور اس کے بہترین سالار قط بوغا، اس کے بیٹے کے علاوہ ان کے سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور پھر یہاں حلب کے نواح میں بھی ہم نے ہلاکو کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست دی ہے اور ان کی تعداد کو خوب کم کیا ہے۔ ان سارے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تمہارا کیا اندازہ ہے؟ کیا یہ خبریں ملنے کے باوجود بھی ہلاکو خان اپنے مرکزی شہر قراقرم جائے گا، وہاں ہونے والی منگولوں کی قرولتائی (مجلس) میں شریک ہوگا؟''

رکن الدین بیبرس یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

''سلطانِ محترم! بات یہ ہے کہ ان شکستوں کی خبریں منگول ہرکارے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ ہلاکو خان تک پہنچائیں گے۔ ہلاکو خان پہلے ہی مجھ سے اور برقائی خان سے نالاں ہے۔ اس نے میرے سر کی قیمت لگا رکھی ہے۔ اسے جب خبر ہوئی ہوگی کہ مصر کی صورت میں ایک تیسری قوت بھی اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے، جس نے نہ صرف اس کے سالارِ اعلیٰ قط بوغا بلکہ اُس کے ان گنت لشکریوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے تو یاد رکھئے گا، ہلاکو کے پاؤں رک جائیں گے، وہ آگے نہیں بڑھے گا۔ جہاں تک جا چکا ہے، وہیں سے پیچھے مڑے گا، واپس آئے گا اور ہم سے انتقام لینے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا اس کی آمد سے پہلے پہلے ہمیں بھی اس کا سامنا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دینی چاہئے۔ چونکہ اپنے سالارِ اعلیٰ اور ہزاروں کی تعداد میں لشکر کے مارے جانے کے باعث ہلاکو کی حالت زہریلے زخمی سانپ کی سی ہو جائے گی، وہ جس سمت کا رخ کرے گا، سامنے آنے والی ہر چیز کو ڈسنے کی کوشش کرے گا۔ اور ہم نے نہ صرف یہ کہ اس کے زہر کا تریاق تلاش کرنا ہے

بلکہ اس جیسے زہریلے سانپ کا وقت آنے پر سر بھی کچلنا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رکا، کچھ سوچا، پھر منصور بن احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں یہ بھی جانتا ہوں، ہلاکو خان کے چچا زاد برقائی خان کے ساتھ تمہارے تعلقات بڑے مثالی ہیں۔ یہ عالم اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ برقائی خان، اسلام قبول کر چکا ہے۔ میرے بھائی! تم کیا سمجھتے ہو کہ اگر ہلاکو خان پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ہمارے خلاف حرکت میں آتا ہے تو کیا اس موقع پر برقائی خان، ہلاکو خان کے خلاف ہماری مدد کرے گا؟ اور کیا وہ اپنے چچا زاد بھائی کو پس پشت ڈال کر ہماری حمایت میں ہلاکو خان سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا؟''

رکن الدین بیبرس کے اس سوال پر دھیمی سی مسکراہٹ منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوئی اور پھر وہ کہنے لگا۔

''سلطانِ محترم! آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں برقائی خان کو بہت بہتر طور پر جانتا ہوں۔ وہ اب پکا سچا مسلمان ہے۔ مسلمانوں سے اس کی ہمدردی، اپنے سالاروں کے ساتھ اس کا درد رکھنا ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ وہ ہلاکو خان کو اپنا اور عالم اسلام کا بدترین دشمن خیال کرتا ہے۔ اگر کسی بھی موقع پر ان گنت لشکری جمع کر کے ہلاکو خان نے ہمارے خلاف زہریلا سانپ بننے کی کوشش کی تو سلطانِ محترم! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، برقائی خان اس سانپ کا سر کچلنے میں پوری طرح ہمارے ساتھ ہوگا۔ خود بھی جنگوں میں حصہ لے گا اور اپنا جس قدر ممکن ہوا، لشکر بھی مہیا کرے گا۔ اس کی میں آپ کو ضمانت دیتا ہوں۔''

منصور بن احمد سے یہ الفاظ سن کر سلطان رکن الدین نے خوشی و طمانیت کا اظہار کیا تھا۔ دوبارہ وہ بولا اور منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اچھا یہ بتاؤ، جو لشکری آج کل تمہارے شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار کے تحت کام کر رہے ہیں، کیا وہ برقائی خان کے لشکری ہیں یا تم تینوں نے خود مسلمان لشکریوں کو بھرتی کر کے ان سے کام لینا شروع کیا ہے؟''

اس پر منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

"سلطانِ محترم! یہ بات نہیں۔ برقائی خان کا مسکن ہمارے شمال میں ہے۔ ہم اس کے جنوب میں کوہستانِ قپچاق کے اندر ہیں۔ وہاں سارے فراتا تار قبائل آباد ہیں۔ ان سب نے اسلام قبول کر رکھا ہے اور مسلمانوں کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ میرے ساتھ جو لشکر ہے، اس میں پہلا عنصر وہ ہے۔ جو لشکر میرے ساتھ بغداد سے ان علاقوں کی طرف آیا، اس میں عرب ہیں، کرد ہیں، ترک ہیں۔ اور پھر فراتا تار قبائل نے بہترین انداز میں ہمارا استقبال کیا۔ میری، شرف الدین اور حسام الدین کی آمد سے پہلے ان کا سالار ایک شخص لوئی تاشی تھا۔ اور نائب سالار یانگ خان تھا۔ میں نے پہلے اپنے آپ کو ان کے اندر گمنام رکھا۔ لیکن برقائی خان کو مخبروں کے ذریعے خبر ہو گئی کہ بغداد کے لشکریوں کا نائب سالار منصور بن احمد بھاگ کر اس طرف آیا ہے۔ لہٰذا میرا راز فاش ہو گیا اور مجھے فراتا تار قبائل کا سالار اور سردار مقرر کر دیا گیا۔ اب میرے پاس جو لشکر ہے، وہ عربوں، کردوں، ترکوں اور فراتا تار قبائل پر مشتمل ہے۔"

رکن الدین بیبرس نے دوبارہ کچھ سوچا، پھر منصور بن احمد کو مخاطب کر کے بولا اور کہنے لگا۔

"ہلاکو خان اگر زخمی سانپ کی طرح لوٹتا ہے تو اس سے نمٹنے کے لئے ہمارے پاس ایک منصوبہ بندی ہے، وہ تم لوگوں سے میں کہتا ہوں۔ پھر بتانا کہ کیا اس منصوبہ بندی سے ہلاکو کے خلاف ہم کامیابی اور فوز مندی حاصل کر سکتے ہیں؟"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رکا، پھر بولا اور کہتا چلا گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں، انتقام لینے کے لئے ہلاکو خان ایک بہت بڑا لشکر لے کر ہمارے خلاف آئے گا۔ اس کے پاس لشکریوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک بہت بڑا لشکر بغداد میں اور اس کے گرد و نواح میں سرگرداں ہے۔ اس کے علاوہ مراغہ اس کا مرکزی شہر ہے۔ وہاں بھی اس کی بہترین عسکری قوت ہے۔ ایک بہت بڑا لشکر وہ اپنے ساتھ بھی رکھتا ہے۔ اس طرح میرے خیال میں وہ اپنی پوری عسکری طاقت اور قوت کو ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔ میں چاہتا ہوں، اس کے آنے تک دریائے فرات تک ساری گھاس جلا دی جائے، باغات کے درخت کاٹ دیئے جائیں، گاؤں خالی کر

کے آگ لگا دی جائے۔ اس طرح اس بات کا اطمینان کر لیا جائے کہ اس تباہ شدہ علاقے میں منگولوں کے لشکریوں کو نہ غذا مل سکے گی، نہ ان کے گھوڑوں کو گھاس۔ اس کے علاوہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بحیرہ روم کے کنارے کنارے جو صلیبی ریاستیں ہیں، وہ بھی اندرونی طور پر ہلاکو کے حق میں ہیں۔ اس لئے کہ ہلاکو کی بیوی عیسائی ہے۔ اور پھر حسن بن صباح کے جانشین جن کے پاس ابھی تک کچھ قلعے ہیں، وہ بھی یقیناً ہمارے خلاف ہلاکو کا ساتھ دیں گے۔ لہٰذا ان صلیبیوں اور حسن بن صباح کے جانشین کو بھی میں ایک سبق سکھاؤں گا تاکہ آنے والے دور میں ہمارے خلاف وہ ہلاکو کا ساتھ نہ دیں۔"

رکن الدین جب خاموش ہوا، تب منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

"سلطانِ محترم! میں اور میرے سارے سالار اور ساتھی آپ کی اس تجویز اور منصوبہ بندی سے اتفاق کرتے ہیں۔ اس طرح ارضِ شام میں منگولوں کے لئے یقیناً مسائل اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس موقع پر میں آپ کو ایک مشورہ بھی دوں گا بشرطیکہ آپ برا نہ مانیں۔"

سلطان رکن الدین نے گھورنے کے انداز میں منصور بن احمد کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

"منصور بن احمد! اب تم ہمارے جسم کا ایک حصہ ہو۔ ہم تمہاری کسی بات کا برا کیوں مانیں گے؟ کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

"جو انتظامات آپ کرنا چاہتے ہیں، جو منصوبہ بندی آپ نے بیان کی ہے، میں چاہتا ہوں اس پر عمل کرنے کے بعد آپ واپس مصر چلے جائیں، ان علاقوں میں قیام نہ کریں۔ ہاں کچھ دستے بے شک یہاں رکھنا چاہیں تو ضرور مناسب ہو گا۔ شام میں آپ کی غیر موجودگی میں، میں برقائی خان کے ساتھ مل کر ہلاکو کے ساتھ نمٹتا رہوں گا اور ان علاقوں میں اب ہم اسے مزید کارروائیاں کرنے نہیں دیں گے۔ اور اب وہ ان علاقوں کو کوئی زیادہ اہمیت بھی نہ دے گا۔ اس لئے کہ جب دریائے فرات تک کے علاقے کو جلا کر خاک کر دیا جائے گا تو ان علاقوں میں وہ اپنے لئے کوئی دلچسپی نہیں

دیکھے گا۔ جس کی بنا پر مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ دوبارہ مصر کو اپنا ہدف نہ بنائے۔ اور اگر آپ اس کی آمد تک یہاں شمال میں شام کی سرزمینوں میں کام کرتے ہیں تو وہ کوئی مختصر راستہ اختیار کرتے ہوئے مصر کا رخ کر کے اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔''

منصور بن احمد جب رکا، تب اس کی طرف توصیفی انداز میں دیکھتے ہوئے رکن الدین بولا۔

''میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ جو منصوبہ بندی میں نے بیان کی ہے، اس پر عمل کرنے کے بعد میں واپس مصر چلا جاؤں گا اور ہلاکو کے مقابلے میں اپنا دفاع کروں گا۔ اب مجھے اس بات پر بھی فخر ہوگا کہ ہلاکو خان، جنوب کا رخ کرتا ہے تو سامنے کی طرف سے میں اس پر ضرب لگاؤں گا۔ جنوب کی طرف سے جب میرے بھائی! تم اور برقائی خان بھی نکل کر اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرو گے تو پھر ہلاکو خان کو مصر کی طرف بڑھنے کے لئے سو بار سوچنا پڑے گا۔ وہ ہچکچاہٹ میں پڑے گا اور اسی ہچکچاہٹ میں ہم اس پر وہی عذاب نازل کریں گے جو اس سے پہلے اس کے سالارِ اعلیٰ قط بوغا پر نازل کر چکے ہیں۔''

سارے سالاروں نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا رکن الدین بیبرس نے چند یوم کے لئے ارضِ شام میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر لیا تھا۔

اُس کے اس قیام کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ رکن الدین بیبرس خوب جانتا تھا کہ قط بوغا کے لشکر کو بدترین شکست دینے اور قط بوغا کا کام تمام کرنے کے بعد ہلاکو خان کی طرف سے اس کے لئے خطرہ بڑھ گیا تھا۔ لیکن اس نے اب سچ مچ بڑے انہماک سے جنگ کی تیاری شروع کی۔ اس نے پھر منگولوں کی ہی چال چلی، شام میں یلغار کر کے وہ شمالی شام کی آبادیوں کو اپنے ساتھ لیتے آیا اور دریائے فرات تک ساری گھاس جلا دی۔ باغات کے درخت کاٹ ڈالے۔ خالی گاؤں میں آگ لگا دی۔ اس طرح اس بات کا اطمینان کر لیا کہ اس تباہ شدہ علاقے میں منگولوں کے لشکر کو نہ غذا مل سکے گی، نہ ان کے گھوڑوں کو گھاس۔ اس کے علاوہ آس پاس کے صلیبیوں اور شام کے حسن بن صباح کے جانشینوں کو بھی وہ اپنے ساتھ زبردستی لیتا گیا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں

سے دیکھ لیں کہ غیر جانبدار رہنے ہی میں ان کی خیریت ہے۔ اس لئے اس نے کچھ آرمینیا والوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے پانچ سوار منوں کو گرفتار کر کے مصر کا رخ کیا۔

اس کے علاوہ رکن الدین بیبرس نے شمال کی طرف جہاں ہلاکو خان تھا، بڑی احتیاط سے نظریں جمائے رکھیں۔ اپنے پہرہ داروں اور چوکیوں کے لئے اس نے ہوائی ڈاک یعنی نامہ بردار کبوتروں کا انتظام کر دیا تاکہ منگول اگر کہیں بھی نظر آئیں تو انہیں فوراً اطلاع مل جائے۔ وہ جہاں ایک منزل کرتا، ایک خیمہ میں ایک رات سے زیادہ بسر نہ کرتا۔ سونے کے لئے کپڑے نہ اُتارتا۔ ایک گھوڑا جس پر زین کسی ہوتی، خیمہ پر تیار کھڑا رہتا تھا۔ گویا وہ ہمہ وقت منگولوں کے خلاف چوکس اور تیار رہنا چاہتا تھا۔ اس طرح ہلاکو خان سے نمٹنے کے لئے اپنے سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد رکن الدین مصر کی طرف چلا گیا تھا۔

کچھ مؤرخین ہلاکو خان کے خلاف رکن الدین بیبرس کی تیاریوں سے متعلق مزید لکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

''رکن الدین نے معرکہ ''عین جالوت'' میں منگولوں کو شکست دے کر ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی۔ لیکن اس کا کام ہنوز تشنۂ تکمیل تھا۔ کیونکہ حلب، حمص، دمشق، حماۃ اور شام کے کئی دوسرے شہروں پر منگول ابھی تک دندناتے پھر رہے تھے۔ رکن الدین نے ایک طوفانی یلغار میں منگولوں کو جا لیا، انہیں تابڑ توڑ شکست دے کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

اپنی اس طوفانی مہم میں رکن الدین نے تمام غداروں کو بھی بے دریغ قتل کر دیا، جنہوں نے ماضی میں منگولوں کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ اس طرح چند دن کے اندر اندر سرزمین شام تمام منگول غارت گروں کی حمایت کا دم بھرنے والے نام نہاد مسلمانوں سے یکسر پاک کر دی گئی۔

اب رکن الدین کا کام پورا ہو چکا تھا، لیکن اسے خدشہ تھا کہ جوں ہی وہ مصر کو پلٹ کر جائے گا، منگول دوبارہ شام کی سرزمینوں میں آن گھسیں گے۔ اس خطرہ کا تدارک کرنے کے لئے وسیع اور دُوررس اقدامات کی ضرورت تھی۔ لیکن ان کے لئے وقت نہیں

تھا۔ چونکہ سیاسی حالات کے پیش نظر وہ جلد از جلد قاہرہ واپس جانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اس قسم کے اقدامات کو کسی آئندہ وقت پر اٹھا رکھا۔ البتہ لشکر کے چند مضبوط دستے شام میں مناسب مقامات پر تعینات کر دیئے اور خود باقی لشکر کے ساتھ وہ فتح اور نصرت کے پرچم اُڑاتا قاہرہ کی طرف واپس چلا گیا تھا۔

○○○○○

اپنے مرکزی شہر قراقرم جاتے ہوئے ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ ابھی کوہستانِ الثائی کے تاریخی اور مشہور درّوں تھان شیان کے مغرب میں ہی تھا کہ کچھ مخبر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ گھنٹیاں بجاتے ہوئے ہلاکو خان کے لشکر میں داخل ہوئے۔

اُن کے اس طرح آنے پر ہلاکو خان نے اپنے لشکر کو روک دیا اور آنے والے قاصدوں کے اپنے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

وہ قاصد جب اس کے لشکر میں داخل ہوئے، اس وقت منگول بڑی خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ اپنے وطن کی طرف جا رہے ہیں اور چند روز اپنے مرکزی شہر قراقرم میں گزاریں گے۔ اس وقت ہلاکو خان نے جب اپنے لشکر کو روکا اور خود بھی رک گیا، تب اس کی بیوی دوقوزہ، اس کے بیٹے اور بڑے سالار بھی گفتگو کرتے ہوئے اس کے ساتھ جا رہے تھے۔

چنانچہ آنے والے منگول ہرکارے اس کے پاس پہنچے تو وہ فکرمند ہوا اور غور سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

آنے والے وہ خبر رساں، ہلاکو کے سامنے اپنے گھوڑوں سے اُترے، اسے تعظیم دی، پھر ان میں سے ایک، ہلاکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’خاقان! ہم آپ کے لئے ایک انتہائی بری خبر لے کر آئے ہیں اور وہ یہ کہ فلسطین کے مقام ’’عین جالوت‘‘ میں مسلمانوں نے ہمارے لشکر کو بدترین شکست دی ہے۔‘‘

ان الفاظ پر ہلاکو خان چونکا تھا، اس کی بیوی دوقوزہ کا رنگ فق ہو گیا تھا اور اس کا بڑا بیٹا اباقا حیرت سے آنے والے ان مخبروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ خبر سن کر ہلاکو تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر ان ہرکاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس جنگ کے متعلق تفصیل سے کہو۔''

اس پر آنے والوں میں سے ایک کہنے لگا۔

''جب آپ لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ ارضِ فلسطین سے نکل کر اس طرف روانہ ہوئے تو مصر سے ایک لشکر نکلا۔ اس لشکر کی کمانداری ان کا سپہ سالار رکن الدین بیبرس کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ عین جالوت میں بالکل ہمارے لشکر کے سامنے آیا، دونوں لشکر ٹکرائے تو مسلمانوں نے ہمارے لشکر کو بدترین شکست دی۔''

اس کے بعد اُس ہرکارے نے وہ ساری تفصیل بھی ہلاکو خان سے کہہ دی تھی، جس طرح رکن الدین بیبرس نے اپنے کچھ لشکروں کو گھات میں بٹھایا تھا اور پھر منگولوں کے لشکر کو اس نے تہ تیغ کر کے رکھ دیا تھا۔

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد ہلاکو خان کچھ دیر تک دکھ بھرے انداز میں گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''اس جنگ میں ہمارے کتنے لشکری بچے ہوں گے؟''

جواب میں بولنے والا ہرکارہ پریشان اور فکرمند ہو گیا تھا، کپکپاتی آواز میں بولا۔

''اکثریت ماری گئی۔''

''قط بوغا کا کیا ہوا؟'' ہلاکو خان نے دکھ بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

خبر رساں کچھ دیر تک ہونٹ کاٹتا رہا، اس کے بعد کہنے لگا۔

''جنگ کے دوران مصر کے سالار رکن الدین بیبرس نے اسے گرفتار کر لیا تھا، اس کا سر کاٹا گیا اور اس کا کٹا ہوا سر ایک نیزے پر رکھ کر مصر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے منگولوں کے سر کاٹ کر مصر کی طرف روانہ کیے گئے۔ اور جب یہ سر مصر میں داخل ہوئے تو کہتے ہیں کہ مصر کے مرکزی شہر قاہرہ میں جشن کا سماں تھا۔ بدقسمتی کی بات یہ کہ قط بوغا کے ساتھ اس کا بیٹا بھی گرفتار ہوا اور اس کا بھی سر کاٹ کر

اس کے باپ قط بوغا کے ساتھ قاہرہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔''

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد غصہ سے ہلاکو خان کا رنگ سرخ ہو چکا تھا۔ کچھ سوچنے کے بعد پھر گونجتی اور دھاڑتی آواز میں کہنے لگا۔

''گرفتار ہونے کے بعد قط بوغا نے کچھ کہا تھا؟''

اس پر وہ ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

''جس وقت قط بوغا کو گرفتاری کے بعد مسلمانوں کے سالار کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا تھا۔ مسلمانوں نے میدان جیت لیا تو کیا ہوا؟ کیا منگولوں کی گھوڑیوں نے بچے جننا چھوڑ دیئے ہیں یا ان کی عورتیں بانجھ ہو گئی ہیں؟ میرے مرنے کے بعد منگول شہسوار شکست کا بدلہ ضرور لیں گے اور تمہارے ملک کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل ڈالیں گے۔''

اس موقع پر ہلاکو نے ایک لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگا۔

''یقیناً، ایسا ہی ہو گا۔''

پھر ان مخبروں کو مخاطب کر کے ہلاکو نے کہا۔

''اب تم آرام کرو۔ میں قط بوغا کا انتقام ضرور لوں گا۔ خوب لوں گا۔ قاہرہ پر حملہ آور ہوں گا اور قاہرہ کی فصیل اور وہاں کی عمارات کو ان کے مکینوں سمیت پیس کر ریت کے ذروں کے مانند کر دوں گا۔ مصر کے سپہ سالار، رکن الدین بیبرس نے منگولوں کا قتل عام کر کے خود اپنے قتل عام کو دعوت دی ہے۔ اب وہ میری یلغار و تر کتاز سے کسی صورت بچ نہیں پائے گا۔''

آنے والے ہرکارے جب پیچھے ہٹنے لگے، تب ہلاکو خان نے پھر انہیں روک لیا، کچھ سوچا، دوبارہ انہیں مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

''یہ بتاؤ کہ رکن الدین کا ہمارے لشکر کے ساتھ جو ٹکراؤ ہوا، اس ٹکراؤ میں جو ہمارے لشکر کو شکست ہوئی تو کیا اس کے بعد اب تک رکن الدین مصر میں ہی قیام کیے ہوئے ہے؟''

جواب میں ہرکارے نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔

''خاقان! اس نے مصر میں قیام نہیں کیا ہوا۔ فلسطین عین جالوت میں ہمارے

لشکر کو شکست دینے کے بعد وہ بیکار نہیں بیٹھا۔ آندھی اور طوفان کی طرح شمال کی طرف بڑھا۔ دمشق، حمص، حلب، حماۃ، البیرہ اور شام کے جس قدر دوسرے علاقے ہیں، جن پر ہماری گرفت اور ہمارا قبضہ تھا، جہاں ہمارے لشکر مقیم تھے، ان پر وہ حملہ آور ہوا اور ہمارے لشکر کی اکثریت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جس وقت وہ شام پر حملہ آور ہونے کے لئے جنوب سے شمال کی طرف بڑھا تھا تو ہمارے مخبروں نے مختلف شہروں میں ہمارے سالاروں کو اس کی اطلاع کر دی تھی۔ لہٰذا حماۃ، دمشق، حلب اور حمص میں جس قدر ہمارے لشکر تھے، وہ حلب کے نواح میں جمع ہو گئے اور سب نے مل کر رکن الدین بیبرس کا مقابلہ کیا لیکن شکست اٹھائی اور ہمارے ہزاروں لشکری مارے گئے۔"

ہلاکو خان کچھ اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا، کہنے لگا۔

"کیا ہمارے لشکر کی نسبت رکن الدین کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی؟"

جواب میں اس ہرکارے نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔

"خاقان! اس کے لشکر کی تعداد تو ہمارے لشکر سے کم تھی لیکن اسے ایک اور طاقت و قوت کی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔"

"وہ کس کی؟" غور سے ہرکارے کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو خان نے پوچھ لیا تھا۔

اس پر ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

"بغداد کا سابق نائب سالار، منصور بن احمد جو مختلف مواقع پر ہمارے لئے بلائے جان اور مصیبت بنا رہا ہے، شام میں لڑی جانے والی جنگ میں وہ رکن الدین کے ساتھ شامل ہو چکا تھا اور اب ایک طرح سے رکن الدین اور منصور بن احمد کے درمیان اتحاد و تعاون قائم ہو چکا ہے۔"

ہرکارہ جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان کہنے لگا۔

"اب تم جا کے آرام کرو۔ میں اب آگے نہیں جاؤں گا۔ واپسی کا رخ کروں گا اور دشمن قوتوں کو بتاؤں گا کہ کس طرح وہ میری غیر موجودگی میں میرے لشکریوں کا قتل عام کرتے رہے ہیں۔"

ہلاکو خان جب خاموش ہوا، تب اس کی عیسائی بیوی دوقوزہ نے گہری نگاہ ہلاکو پر

ڈالی، پھر اسے مخاطب کر کے بولی۔

"جس وقت فلسطین کے میدانوں میں آپ اپنے آبائی وطن کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، اس وقت ہی میں نے آپ کو سمجھایا تھا کہ ہمیں واپسی کا رخ نہیں کرنا چاہئے جب تک مغرب کی طاقت اور قوت کو کچل نہ دیں۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ اور ڈر تھا۔ مسلمانوں نے ہماری غیر موجودگی میں ہم سے اپنی تباہی اور بربادی کا انتقام لیا اور انتقام بھی بڑا ہولناک لیا۔ اور اب اس انتقام کے بہت سے منفی اثرات بھی مرتب ہوں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد دوقوزہ جب خاموش ہوئی، تب استفہامیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو نے پوچھ لیا۔

"تم کون سے منفی اثرات کا ذکر کرنا چاہتی ہو؟"

ہلاکو خان کے اس استفسار پر دوقوزہ پھر بولی اور کہنے لگی۔

"ایک نہیں، کئی منفی اثرات اُٹھیں گے۔ پہلا یہ کہ عین جالوت کے مقام پر جو مسلمانوں نے منگولوں کے لشکر کو بدترین شکست دی ہے تو منگولوں کا یہ زعم اور منگولوں کا یہ دعویٰ ایک طرح سے ختم ہو گیا ہے کہ وہ ناقابلِ تسخیر ہیں اور کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ عین جالوت کے مقام پر نہ صرف ہزاروں منگولوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا بلکہ آپ کے بہترین سپہ سالار قط بوغا اور اس کے بیٹے کی گردنیں کاٹنے کے ساتھ ساتھ بہت سے منگول سالاروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

دوئم یہ کہ مصر نے فلسطین کے وسیع میدانوں میں منگولوں کا قتل عام کر کے ان کے سر کاٹ کر اپنے مرکزی شہر قاہرہ بھیج کر ایک طرح سے مسلمانوں پر جو منگولوں کا خوف تھا، وہ زائل کر دیا۔ پہلے مسلمانوں کے بڑے بڑے لشکر، منگولوں کے مقابل آتے ہوئے خوف زدہ تھے لیکن اب میں آپ سے کہوں کہ مسلمان ہر جگہ خم ٹھونک کر منگولوں کے مقابل آئیں گے اور ہماری فتح کو مشکوک بنا کر رکھ دیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد دوقوزہ رُکی، کچھ سوچا، اس کے بعد وہ پھر ہلاکو خان کو مخاطب کر کے بولی۔

''آنے والے ہرکاروں نے آپ کو یہ بات بتائی ہے کہ ان کے مطابق رکن الدین بیبرس نے بڑے پائے کے اقدام کئے ہیں۔ ایک تو مصر میں اس نے ان مملوکوں کو ہمارے خلاف مصلح اور تیار کیا جو ہمارے ہاتھوں ستائے ہوئے تھے اور جو ہم سے انتقام لینے کے لئے بے چین اور بے تاب ہو رہے تھے۔ اس نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ عرب کے بدوؤں کی طرف توجہ دی۔ وہ جانتا تھا، منگول صحرائی ہیں۔ صحرا کی مشقتوں نے انہیں جرأت مند اور دلیر بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس نے بھی صحرا کے بدوؤں کو اپنے لشکر میں جگہ دی۔ اور جیسا کہ آنے والے مخبروں نے بتایا ہے، ان بدوؤں نے ایسے خوفناک انداز پر منگولوں پر حملے کئے کہ منگولوں کو انہوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔

اس کے علاوہ جیسا کہ ہرکارے بتا چکے ہیں، رکن الدین نے تیسرا اقدام یہ کیا ہے کہ جنوبی مصر کے صحرائی سلسلوں کے جنگجو حورہ قبائل کو تربیت دے کر اپنے لشکر میں شامل کیا۔ بقول خبر رساں کے، وہ حورہ قبائل بھی انتہا کے جنگجو اور جرأت مند ہیں۔ صحرائی اور دشت کے رہنے والے ہیں۔ اس طرح منگولوں کے مقابلے میں رکن الدین بیبرس منگولوں ہی کی طرح کے جنگجوؤں کو ہمارے مقابل لایا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے مقابلے میں منگول مات کھا گئے۔ قط بوغا کو بدترین شکست ہوئی، اس کو گرفتار کر لیا گیا، اس کے بیٹے سمیت اس کا سر کاٹ کر قاہرہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ کیا یہ منگولوں کے لئے ایک بہت بڑی بدنامی اور نقصان کا باعث نہیں؟ اگر آپ فلسطین کے میدانوں میں میری بات مانتے اور اس وقت لشکر کے ایک حصے کے ساتھ کوچ کر کے اپنے آبائی وطن کی طرف روانہ نہ ہوتے تو وہ بدترین دن منگولوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا، جو انہوں نے عین جالوت کے مقام پر رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں تباہی اور بربادی کی صورت میں دیکھ لیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دوقوزہ کچھ دیر کو رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں نہیں جانتی کہ آنے والے دنوں میں کیا ہوگا۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اب ہمارے مقابلے میں مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور ان کے مقابلے میں ہمارے لشکریوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ مسلمان اب بڑھ چڑھ کر اور چھائی

ان کر ہمارے مقابل آئیں گے اور منگول آئندہ دنوں میں اپنا آپ بچانے کے لئے احتیاط اور بچاؤ کے طریقوں کو سامنے رکھیں گے اور ایسا منگولوں کے لئے یقیناً باعث نقصان ہوگا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دوقوزہ پھر دم لینے کے لئے رکی، ہلاکو خان اور اس کے بیٹے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دوقوزہ پھر بول اٹھی اور کہنے لگی۔

''ان سے بھی بہت بڑا ایک خطرہ اب ہماری تاک میں رہے گا۔''

دوقوزہ کے ان الفاظ پر ہلاکو چونکا تھا اور کہنے لگا۔

''کون سا خطرہ؟''

دوقوزہ نے لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگی۔

''آپ جانتے ہیں، آپ کا چچا زاد بھائی برقائی خان اس وقت اسلام قبول کر چکا ہے اور اس نے صرف اسلام ہی قبول نہیں کیا، اسلام کی تبلیغ کے لئے بھی بہت کام کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس کے لشکریوں کی اکثریت اسلام قبول کر چکی ہے۔ لہٰذا آنے والے دور میں برقائی خان، اسلام کی قوت کی حیثیت سے ہمارے مقابل ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمان تو خاموش اور چپ ہو کر بیٹھ جائیں گے جبکہ خود منگول ایک دوسرے کے مقابل آئیں گے اور ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے اور آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے خود اپنے لشکر کی تعداد کم کرتے چلے جائیں گے۔ لہٰذا اب جو بھی قدم ہم نے اٹھانا ہے، سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے۔''

دوقوزہ جب خاموش ہوئی، تب بے پناہ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے ہلاکو خان بولا اور کہنے لگا۔

''اس برقائی خان کی کیا مجال کہ وہ میرے مقابل آئے۔ جہاں تک تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اور آنے والے دور میں مسلمانوں کی ایک قوت بن کر ہمارے سامنے آ سکتا ہے تو وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ بلکہ میں یوں کہہ سکتا ہوں، وہ ایسا کرنے کی جرأت اور جسارت کر ہی نہیں سکتا۔ اگر کرے گا تو ہمارے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اور مسلمانوں کے جو علاقے ہم نے فتح کئے ہیں، ان کے ساتھ ساتھ برقائی کے

سارے علاقے بھی ہماری عمل داری میں شامل ہو جائیں گے۔"

بہر حال مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہلاکو کو اپنے وطن جانا نصیب نہ ہوا۔ اس کے لشکر کے بوڑھے منگولوں میں سے بعض کے دل میں ابھی تک چنگیز خان کے قول نقش تھے۔ ان کے ذہن میں بس ایک ہی دھن تھی کہ قط بوغا کی موت کا بدلہ لیں۔ چنانچہ چنگیز خان اور صحرائے گوبی کے قانون کے مطابق اب ہلاکو پر لازم تھا کہ مصر کا سر کچلے اور قاہرہ کی فصیلوں کو ریگستان کی ریت کی طرح پیس ڈالے۔ چنانچہ ایسا کرنے کے لئے ہلاکو خان بڑی تیزی سے شمال کی طرف جانے کی بجائے جنوب کی طرف آیا اور بڑی تیزی سے پیش قدمی کرنے لگا تھا۔

ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ تبریز سے کافی دور تھا کہ اس کے کچھ ہرکارے گھنٹیاں بجاتے ہوئے اس کے سامنے آئے۔ جب وہ قریب آئے تو اپنے گھوڑوں کو موڑنے سے پہلے انہوں نے ہلاکو کو تعظیم دی، پھر گھوڑوں کو موڑ کر ہلاکو خان کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑوں کو ہانکنے لگے۔ اس کے بعد ہلاکو خان کے استفسار پر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

"خاقان! ہم آپ کے لئے ایک خبر لے کر آئے ہیں۔ خبر بڑی اہم ہے۔ اچھی ہے یا بری، اس کے بارے میں ہم نہیں بتا سکتے۔ لیکن یہ خبر ہمارے لئے خطرے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔"

یہ الفاظ سن کر ہلاکو خان نے اپنے گھوڑوں کو روک دیا۔ اپنے پیچھے لشکر کو بھی رک جانے کا حکم دیا۔ اس موقع پر دوقوزہ، اس کے بیٹے، سالاروں میں سے آبچل اور مہرتاق اس کے قریب آ کر رک گئے تھے۔ پھر ہرکارے کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو خان کہنے لگا۔

"تم کون سی ایسی خبر کہنا چاہتے ہو جس سے ہمارے لئے خطرات اُٹھ سکتے ہیں؟"

اس پر وہ ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

"خاقان! یہاں سے لگ بھگ دس میل آگے دائیں جانب مسلمانوں کا ایک لشکر قیام کئے ہوئے ہے۔ ہم نے اس لشکر کی سُن گُن لی اور یہ جان لیا کہ وہ لشکر مسلمانوں کے اسی سالار کا ہے جس کا نام منصور بن احمد ہے۔ جو ماضی میں ہمارے لئے بڑے

نقصان کا باعث بنتا رہا ہے۔ اب وہاں قیام کر کے وہ ہمارے خلاف کس قسم کی کارروائی کرنا چاہتا ہے، یہ ہم نہیں جان سکے۔"

ہرکارہ جب خاموش ہوا، تب ہلاکو اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا تم لوگوں کو یقین ہے کہ وہ لشکر، مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کا ہے؟"

اس پر ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

"ہم سو فیصد یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ لشکر منصور بن احمد کا ہے اور ساتھ ہی اپنے ان خیالات کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ اس نے بیکار میں وہاں پڑاؤ نہیں کیا ہوگا۔ اسے اس کے مخبروں نے اطلاع دی ہوگی کہ آپ اپنے وطن نہیں گئے، واپس آرہے ہیں۔ لہٰذا کسی مناسب مقام پر وہ ضرور آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ ہرکارہ جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ بولی اور ہلاکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اس منصور بن احمد سے ہمیں انتہا درجہ کا محتاط رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اب تک یہ ہم منگولوں کے لئے زندگی کے عذاب، تباہی اور بربادی کی علامت ثابت ہوا ہے۔ یہ اچانک زندگی کو اجاڑ ونڈھال، دشمن کو زخم خوردہ اور مجروح کرنے والے اور نہ ختم ہونے والے ریت کے طوفانوں کی طرح نمودار ہوتا ہے، پھر تنہائیوں کے دشت میں کھولتی سلگتی چنگاریوں کی طرح اپنا آپ دکھا کر لاوے کی صورت اختیار کرتا ہے اور زندگی کے بند کواڑوں پر کھولتی آگ کی دستک دیتا ہے۔ حملہ آور ہونے کے بعد سرابوں کی طرح غائب ہوتا ہے، پھر اپنے پیچھے نیلے آکاش تلے موت کی خاک، مرگ کی راکھ، خوف بھرے نوحے، سلگتی کراہٹیں چھوڑ کر قضا کے بے عکس مناظر کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ اس نے اب تک ہم منگولوں کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہمارے نامور سالاروں کو اس نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ جب کبھی بھی یہ ہم پر حملہ آور ہوا، کسی بھی موقع پر اسے ناکامی اور نامرادی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہر موقع پر کامیابی نے اس کے قدم چومے اور ہر موقع پر اس نے ہمارے ہی لشکریوں کا قتل عام کیا۔

یہی وہ منصور بن احمد ہے، جس نے اربل شہر پر ہمیں قبضہ نہ کرنے دیا۔ یہی وہ

منصور بن احمد ہے، جس نے میافارقین کے نواح میں ہمارے پڑاؤ کے اندر ایک ہلچل برپا کی۔ ایسے ہی ہنگامے میں میری بہن سیمر مجھ سے جدا ہوئی اور بعد میں موت کا شکار ہو گئی۔ اسی ہنگامے میں آرمینیا کے بادشاہ ہیثون کی بیٹی کیتھرائن ہم سے جدا ہو گئی۔ اور اب وہی کیتھرائن اس منصور بن احمد کی بیوی ہے۔ اس کے علاوہ یہ وہی منصور بن احمد ہے جس نے ہمیں جزیرہ، دیار بکر اور دیار ربیعہ پر قبضہ نہیں کرنے دیا۔ اسی نے البیرہ شہر ایک بار ہم سے چھینا۔ اسی نے حلب اور حمص پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے وہاں حکومت قائم کر لی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دوقوزہ رکی، پھر وہ کہتی چلی گئی تھی۔

''یہ علیحدہ بات ہے، اس کے پاس کوئی بڑا لشکر نہیں جس کی بنا پر جس شہر پر وہ قبضہ کرتا ہے، اس کا نظم و نسق سنبھال نہیں سکتا۔ اگر اس کے پاس کوئی بڑا لشکر ہوتا تو میں آپ لوگوں کو یقین دلاتی ہوں، اب تک وہ ہم سے کئی شہر چھین کر ان کا نظم و نسق درست کر کے بغداد کی طرف پیش قدمی کر چکا ہوتا۔ اس لئے کہ وہ بغداد کا نائب سپہ سالار رہا ہے اور اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو گی کہ بغداد کی طرف کوچ کرے اور وہاں جس قدر منگول ہیں، ان کا قتل عام کر کے بغداد کی ہمارے ہاتھوں تباہی کا انتقام لے۔ اور پھر بغداد پر مسلمانوں کے قبضے کو بحال کر دے۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتی ہوں، جس روز بھی اس شخص کے پاس کوئی بڑا لشکر ہو گیا یا برقائی خان نے کوہستانی سلسلے سے نکل کر اس کا ساتھ دینا شروع کر دیا، اس روز ایران کی سرزمینوں میں بھی ہمارے لئے خطرات اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اب تک وہ شام کی سرزمینوں میں ہمارے لئے موت کا پیغام ثابت ہوئے ہیں، شام کے سارے شہروں کو انہوں نے ہمارے لشکریوں سے خالی کرا لیا ہے اور اگر اس منصور بن احمد کا کوئی بندوبست نہ کیا گیا تو پھر ایران بھی خالی کر کے ہمیں واپس صحرائے گوبی کا رخ کرنا پڑے گا۔ اور جس روز ایسا ہوا، یہی مسلمان اس خوف ناک انداز میں ہمارا تعاقب کریں گے کہ صحرائے گوبی تک ہم میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دیں گے۔''

جب تک دوقوزہ بولتی رہی، خود ہلاکو خان، اس کے بیٹے اور اس کے سالار بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

جب دوقوزہ خاموش ہوئی، تب ہلاکو خان کے بڑے سالاروں میں سے آتچل بولا اور ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خاقان! اس سے پہلے جو ہوا، سو ہوا۔ شمال کی طرف جاتے ہوئے جب اس شخص نے ہم سے ٹکراؤ کیا، میں نے اور مہرتاق نے جلدی میں اس کا تعاقب کیا تو یہ تعاقب ہم نے بغیر کسی سوچ اور تدبیر سے شروع کر دیا تھا۔ اب جبکہ ہمارے مخبر یہ خبریں لائے ہیں کہ وہ یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر شاہراہ کے دائیں جانب پڑاؤ کئے ہوئے ہے تو میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے ایک لشکر مہیا کر دیں۔ اس بار میں اکیلا جاؤں گا۔ مہرتاق یہیں آپ کے پاس رہے گا۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کو شکست دینے کے بعد، اسے زندہ گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کروں گا۔''

آتچل جب خاموش ہوا، تب دوقوزہ اور اس کے بیٹے بڑے توصیفی اور فخریہ انداز میں آتچل کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ ہلاکو خان کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا، پھر آتچل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آتچل! میں تمہاری جاں نثاری، وفاداری اور تمہارے جذبوں کی قدر کرتا ہوں۔ پر دیکھو میرے عزیز! وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ دایاں ہاتھ دکھا کر بائیں ہاتھ سے وار کر کے اپنے دشمن کا قصہ تمام کر کے رکھ دیتا ہے۔ میں تمہیں اس پر حملہ آور ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں، محتاط رہنا۔ اگر تم اس پر حملہ آور ہو کر اسے شکست دیتے ہوئے اسے گرفتار کر کے میرے پاس لاتے ہو تو پھر تمہارے لئے کیا انعام مقرر ہو گا، اس کا میں ابھی ذکر نہیں کرتا۔ جب تم ایسا کر گزرو گے تو جو انعام میں تمہیں دوں گا، اس کا جب میں تم پر انکشاف کروں گا تو تم ہی نہیں، لوگ بھی دنگ رہ جائیں گے۔''

آتچل مطمئن ہو گیا تھا۔ لہٰذا ہلاکو خان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کیا۔ وہ آتچل کی کمانداری میں دیا اور جو ہرکارے، منصور بن احمد سے متعلق خبر لے کر آئے تھے، ان کی راہنمائی میں آتچل لشکر کو لے کر بڑی تیزی سے کوچ کر گیا تھا۔

اپنے ہرکاروں اور مخبروں کی راہنمائی میں آتچل ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ

بڑی شاہراہ سے اُتر کر دائیں جانب روانہ ہوا تھا۔ اس نے اب دس میل آگے جا کر منصور بن احمد کے لشکر پر حملہ آور ہونا تھا۔

لیکن آنچل اور اس کے تحت کام کرنے والوں کی بدقسمتی کہ ابھی وہ صرف پانچ میل ہی دُور گئے ہوں گے کہ اچانک ان کے ایک پہلو کی طرف سے منصور بن احمد اپنے لشکر کے ساتھ جوش مارتے بحر کی بے کنار وسعتوں میں وقت کے کھولتے منجدھار، ہجر مسافتوں میں الاؤ کے شعلوں کی طرح نمودار ہوا۔ پھر وہ آنچل کے لشکر پر اُجاڑ موسموں اور مسافرت کی راتوں میں انا پرستی پر ضرب لگاتے موت سے زیادہ بھیانک روگ، حرص، کینہ، بغض اور نفرت میں مبتلا کر کے نفس کی توہین کر دینے والے اعضاء شکن عذابوں اور راتوں کے سیل بے پناہ میں نبضِ فطرت پر ہاتھ رکھ دینے والے سرفروشوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس اچانک حملہ سے آنچل اور اس کے تحت کام کرنے والے منگول گھبرا اٹھے تھے۔ اس لئے انہیں ایک دم اپنا دفاع کرنا پڑ گیا تھا۔ وہ تو یہ سوچ کر پیش قدمی کر رہے تھے کہ اپنے ہرکاروں کی رہنمائی میں دس میل آگے جا کر انہوں نے اچانک مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد پر حملہ آور ہو کر اسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ سارا اُلٹ ہو گیا تھا۔ پانچ میل پہلے ہی منصور بن احمد ان پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح آنچل نے اپنے لشکر کو استوار کیا۔ جوں ہی کارروائی شروع کی، اس کی دوسری طرف سے شرف الدین اور حسام الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے اور وہ بھی منگولوں پر اجنبیت کی فسوں خیز ظلمتوں میں کرچیاں بن کر ہر شے کے رگ و پے میں سما جانے والی نہاں چھپی قیامت خیز بربادیوں، تن کو ریزہ ریزہ کر دینے والے فتنہ گر، دوران اعصاب میں سنسنی دوڑا دینے والی دھواں دھواں خاکستری چنگاریوں اور غم کی چلچلاتی دھوپ میں صحرا صحرا جھلساتی لُو کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے آنچل کی سرکردگی میں منگول بھی منصور بھی احمد کے لشکر پر دشت وصحرا میں آوارہ گردی کرتی قدیم خونی اساطیر، موت کی آندھی کا لقمہ بناتے آگ اور خون کے وحشت بدوش کھیل، وقت کی سکڑتی چادر میں شکستہ و منہدم کرتے

کرب کے گہرے سمندر، مصائب کے ہجوم، ہوس کی اندھی آنچ، دل سوز مناظر اور نفرتوں کے بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک ہولناک رن پڑا۔ ویرانوں کے اندر بربادی کا ایک کہرام اور طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر فضاؤں کی آنکھ نے دیکھا، منصور بن احمد، شرف الدین اور حسام الدین کے دو طرفہ حملوں کے سامنے منگول دبتے دکھائی دینے لگے تھے۔ اس لئے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، ان کے سامنے اور پشت کی جانب ان کے اپنے لشکریوں کی لاشیں بساط کی طرح بچھی جا رہی تھیں۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ٹکراؤ کے دوران ان کا سالار آنچل بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، شکست اٹھا کر منگول بھاگ کھڑے ہوئے۔ منصور بن احمد نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ ایک میل دور تک بڑے ہولناک اور بڑے کرب خیز انداز میں ان کا تعاقب کر کے ان کی تعداد کو مزید کم کیا، اس کے بعد ایک دم پلٹا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا، شاہراہ کے قریب آ گیا ہے اور شمال طرف اسی شاہراہ پر سفر کرتا ہوا ہلاکو بھی آ رہا ہے، جس کے پاس بہت بڑا لشکر ہے۔ اس بنا پر پلٹنے کے بعد وہ کوہستانی سلسلوں کے اندر سرابوں کی طرح غائب ہو گیا تھا۔

منگولوں کا شکست خوردہ لشکر اب اس شاہراہ پر آ گیا تھا، جس پر سفر کرتے ہوئے ہلاکو خان بھی آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہلاکو خان بھی وہاں پہنچ گیا۔ ہلاکو خان کو اس کے مخبروں نے پہلے ہی اطلاع کر دی تھی کہ آنچل کو مسلمانوں کے سالار منصور بن احمد کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آنچل بری طرح زخمی ہوا ہے۔

ہلاکو جب شکست خوردہ لشکر کے قریب آیا تو دنگ رہ گیا۔ اس نے دیکھا، جس قدر لشکر اس نے بھیجا تھا، وہ اب آدھا رہ گیا تھا۔ آدھے کو منصور بن احمد نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ آنچل بری طرح زخمی تھا۔

سارے لشکریوں اور آنچل کا جائزہ لینے کے بعد جو ہرکارے آنچل کی رہنمائی کرتے ہوئے منصور بن احمد کی طرف گئے تھے، انہیں مخاطب کر کے ہلاکو کہنے لگا۔

''کیا مسلمانوں کے سالار کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی؟''

ہرکارے نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

''خاقان! ہماری نسبت اس کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔''

ہلاکو تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر دوبارہ اس نے پوچھا۔

''اگر یہ معاملہ ہے تو پھر ایچل کو شکست کیسے ہوگئی؟''

اس پر ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

''خاقان! وہ بڑا عیار اور فریبی انسان ہے۔ ہم نے تبریز کی طرف جانے والی شاہراہ کے دائیں جانب دس میل کے فاصلہ پر اسے پڑاؤ کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسی کی اطلاع آپ کو آ کر دی تھی۔ اور جب ہم ایچل کو لے کر اس مقام کی طرف گئے جہاں اس نے پڑاؤ کر رکھا تھا تو وہ اس مقام سے پانچ میل پہلے ہی ہم پر حملہ آور ہو گیا اور ہماری شکست اور بربادی کا باعث بن گیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہرکارہ جب خاموش ہوا، تب دکھ بھرے انداز میں ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ بول اُٹھی، کہنے لگی۔

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بڑا عیار اور دھوکا باز شخص ہے۔''

دوقوزہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو بول اٹھا۔

''اسے دھوکا اور فریب نہیں کہا جا سکتا۔ یہی جنگی چالیں ہیں جو کسی کو فتح اور کسی کو شکست سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ اس نے بہترین قدم اٹھایا کہ ہم پر یہ ظاہر کیا کہ وہ شاہراہ سے دس میل دور ہے۔ اور پھر پانچ میل کا فاصلہ سمیٹ کر وہ قریب آیا اور حملہ آور ہو کر ایچل کو شکست دی۔ ایسا ہر سالار نہیں کر سکتا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ جو دس میل کا فاصلہ ترک کر کے پانچ میل کے فاصلہ پر دوبارہ آیا ہے تو وہاں سے پانچ میل ہی کے فاصلہ پر وہ شاہراہ ہے جس پر میں اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف پیش قدمی کر رہا ہوں۔ لیکن وہ ہماری آمد سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ اس کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور وہ ہر صورت میں اپنے مقصد کو پورا کرنا چاہتا تھا اور وہ ایسا کر کے رہا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر دکھ بھرے انداز میں بولا۔

''میں نے اپنی زندگی میں اتنا اچھا سالار نہیں دیکھا۔ اب تک ان گنت بار ہمارا اس سے ٹکراؤ ہوا ہے اور ہر بار فتح مند اور کامیاب وہی رہا۔ جہاں کہیں بھی ہم پر حملہ آور ہوا، ہمارے لشکریوں کو اس نے اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ یہ بات درست ہے کہ اس کے پاس ابھی کوئی بڑا لشکر نہیں جس کی بنا پر وہ خم ٹھونک کر ہمارے سامنے آئے۔ لیکن کبھی وہ شب خون مارتا ہے، کبھی دن کی روشنی میں اچانک حملہ آور ہو کر ہمارے لئے ذلت اور عذاب کا باعث بنتا ہے اور چند لمحوں کے اندر ہی ہمارے لشکریوں کو کاٹ کر ہماری تعداد کو کم کرتے ہوئے سرابوں اور دھوئیں کی طرح سرابوں میں کھو جاتا ہے۔ اب میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے اور بغداد کے سپہ سالارِ اعلیٰ فتح الدین داؤد نے جو بغداد کے شہر کے نواح میں پہلی بار ہمیں شکست دی تھی، اس وقت اگر ان کے دوسرے سالار ہمارے لشکر کا تعاقب نہ کرتے تو پھر فتح الدین اور یہی منصور بن احمد ہمارا تعاقب کرتے اور صحرائے گوبی تک کہیں بھی ہمارے قدم جمنے نہ دیتے۔ مجھے بے حد دکھ اور افسوس ہے کہ ہمارے لشکر میں اس جیسا کوئی سالار ہی نہیں ہے۔ میرے لشکری اس بات پر فخر کرتے تھے کہ قط بوغا ہمارا ناقابل تسخیر سالار ہے، لیکن مارا گیا۔ اس سے بھی جنگ کا وسیع تجربہ ایچل اور مہرتاق رکھتے تھے۔ لیکن ان دونوں کو بھی دو تین بار منصور بن احمد نے شکست دی اور ان کی پیشانیوں پر ان کی ناکامی کی مہریں لگائیں۔ اس کے علاوہ ہمارے دو بہترین سالاروں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا۔ بائیدو ہمارا ایک ایسا سالار ہے جس نے ان سرزمینوں میں کبھی شکست نہیں اٹھائی۔ لیکن اس منصور بن احمد کے سامنے ہر بار اس کے مقدر میں شکست ہی آئی۔ اس کے علاوہ دوسرے جس قدر ہمارے چھوٹے بڑے سالار ہیں، سب کو اس منصور بن احمد نے ایک بار شکست سے دوچار ضرور کر رکھا ہے۔ قسم نیلے جاودانی آسمان کی۔ ایسا سالار اگر کبھی میرا حلیف، میرا ساتھی ہوتا تو میں اسے اپنے لشکریوں کی تربیت پر مقرر کرتا اور ان کی ایسی تربیت کرتا کہ میرے لشکری کبھی شکست سے دوچار نہ ہوتے۔''

ایچل کے بری طرح زخمی ہونے اور اس کے لشکر کو شکست ہونے کی وجہ سے ہلاکو خان کا سارا لشکر اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔

بہر حال ہلاکو کے حکم پر آتچل کو ایک لشکری نے اپنے گھوڑے پر بٹھالیا۔ پھر ہلاکو خان نے زخمی ہونے والوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد پیش قدمی شروع کی تھی۔

زخمی ہونے کے باعث آتچل بخار میں مبتلا ہو گیا تھا اور مؤرخین لکھتے ہیں، چند روز بخار میں مبتلا رہنے کے بعد آتچل مر گیا۔ آتچل کے اس طرح مرنے کا ہلاکو کو بڑا افسوس اور صدمہ تھا۔ بہر حال وہ آگے بڑھ گیا اور تبریز شہر میں داخل ہوا تھا۔

○○○○○

تبریز شہر میں چند دن قیام کرنے کے بعد ہلاکو نے اپنے مرکزی شہر مراغہ کا رخ کیا۔ وہاں قیام کے دوران اس نے بڑی تیزی، بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنی عسکری طاقت اور قوت کو مضبوط اور مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے اپنے لشکر میں گرجستانیوں، آرمینیا سے تعلق رکھنے والے جنگجوؤں، آذربائیجان کے لوگوں، صلیبی نائٹوں، صلیبی رضا کاروں اور یورپ کی دوسری عیسائی قوتوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے ایک بہت بڑا اور تباہ کن لشکر تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز ہلاکو خان اپنی بیوی اور بیٹوں کے ساتھ بیٹھا اپنی نئی عسکری طاقت کے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ اس کی بیوی دوقوزہ بولی اور کہنے لگی۔

''ماضی میں ہم سے غلطیاں ہوئیں، جن کا ہمیں بہت برا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اگر آپ واپس اپنے آبائی شہر کی طرف نہ جاتے تو قط بوغا نہ مرتا۔ عین جالوت کے مقام پر ہمیں شکست نہ ہوتی۔ اب ہمیں اپنے ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ اس لئے کہ اس وقت ہمارے آس پاس کے علاقوں میں تین قوتیں ہیں اور جس حکمران نے بھی دو قوتوں کو یکجا کیا، وہ کامیاب اور کامران رہے گا۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنے آبائی علاقوں سے مدد کی کوئی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔ اس لئے کہ قراقرم میں اب آپ کا چھوٹا بھائی خاقان بن چکا ہے۔ وہ آپ کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔''

دوقوزہ جب خاموش ہوئی، تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلاکو کہنے لگا۔

''تم کون سی تین بڑی طاقتوں کا ذکر کرنا چاہتی ہو کہ ان تین میں سے اگر دو اتحاد کر لیں تو تیسری کے خلاف فتح اور کامیابی حاصل کر سکتی ہیں؟''

اس پر دوقوزہ بولی اور کہنے لگی۔

''ان تین طاقتوں میں ایک منگول ہیں، دوسرے یورپی ملکوں کے عیسائی حکمران اور ارضِ شام میں فلسطینی صلیبی ریاستیں اور قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت ہے۔ اور تیسری بڑی طاقت مسلمان ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد دوقوزہ رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''یہ تینوں طاقتیں بھی اپنے اپنے دائرہ میں متحد اور مضبوط نہیں ہیں بلکہ کئی دھڑوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ان میں ہر ایک کے طریقہ کار اور اندازے مختلف ہیں۔ جہاں تک ہم منگولوں کا تعلق ہے، شروع شروع میں منگولوں میں کامل اتحاد تھا۔ اتحاد کی بدولت انہوں نے پہلے فاتح اعظم چنگیز خان کی قیادت میں، اس کے بعد قبلائی خان اور آپ اور دوسرے منگول سرداروں کی قیادت میں اس دنیا کو زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ ان کی ہولناک یلغار جس کو منگولوں کا فتنہ کہا جاتا ہے، مسلمانوں کے لئے خاص طور پر تباہی و بربادی کا پیغام لائی تھی۔

منگولوں ہی نے عظیم خوارزم شاہی سلطنت اور بغداد کی عباسی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ ان علاقوں سے تباہ حال مسلمانوں کے قافلے جو کسی طرح منگولوں کی خون آشامی کی بھینٹ چڑھنے سے بچ گئے تھے، دھڑا دھڑ مصر میں پہنچ رہے تھے۔ اگر عین جالوت کے معرکہ میں رکن الدین بیبرس منگولوں کو شکست نہ دے دیتا تو مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں کے لئے شاید ہی کوئی جائے پناہ باقی رہ جاتی۔

اب جب کہ رکن الدین نے ہمارے خلاف فتح مندی کا ذائقہ چکھ لیا ہے، وہ بار بار ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے، اپنے ان مقبوضہ علاقوں کے اندر رہتے ہوئے ہی کرنا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے پیچھے منگولوں کی سلطنت مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو چکی ہے، جس سے ہمیں مدد کی کوئی امید نہیں ہے۔''

دوقوزہ کا کہنا درست تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں منگولوں کی سلطنت کم از کم چار حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔

پہلی طاقت چین میں تھی، جس کا سربراہ ہلاکو خان کا بھائی قبلائی خان تھا جس کا

مرکزی شہر خان بلیغ یعنی موجودہ پیکنگ تھا۔ منگولوں کا دوسرا دھڑا ایل خانی تھا، جس کا سربراہ ہلاکو تھا جس کی حکومت میں فارس، عراق اور کچھ اور علاقے شامل تھے۔ ان کی وسیع مملکت سینکڑوں میل پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کا مرکزی شہر آذربائیجان کا شہر مراغہ تھا۔

منگولوں کا تیسرا حصہ خوانین زریں خیل تھا۔ ان کا سربراہ برقائی خان تھا۔ ان منگول قبائل کے خیمے چونکہ سنہری رنگ کے ہوتے تھے، اس لئے ان کو زریں خیام یا زریں خیل کہتے تھے اور ان کی سلطنت کو اردوئے زریں سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

خوش قسمتی سے منگولوں کے اس حصہ کے سربراہ برقائی خان نے اپنی شہزادگی ہی کے زمانے میں اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ منگول بادشاہوں میں پہلا شخص تھا جو اسلام لایا۔ اس کو حلقۂ اسلام میں لانے کا سہرا سمرقند اور بخارا کے مسلمان تاجروں کے سر ہے جو تجارت کے سلسلے میں منگولوں کے علاقوں میں اکثر آیا کرتے تھے۔

برقائی خان ان کے اخلاق سے بڑا متاثر ہوا اور اس کے دل میں ان لوگوں کے مذہبی حالات جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک دن وہ ایک کارواں میں پہنچا جو بخارا سے آیا ہوا تھا۔ اس کارواں میں دو مسلمان تاجر بڑے عالم فاضل تھے۔ برقائی خان نے ان سے اسلام کے متعلق کچھ سوالات دریافت کئے۔ انہوں نے اسلام کی صداقت اور حقانیت اور اس کے احکامات اور اصول ایسی عمدگی سے بیان کئے کہ برقائی خان بعد میں اسلام قبول کر گیا۔

ایک عیسائی مؤرخ کا بیان ہے کہ 1260ھ میں علامہ نجم الدین نے برقائی خان کے لئے ایک کتاب لکھی جس میں حضور ﷺ کی صداقت دلائل اور براہین کے ذریعے ثابت کی تھی۔ اسلام اور عیسائیت کا محاکمہ بھی کیا تھا۔ برقائی خان اسلام کا پُر جوش مبلغ ثابت ہوا۔ اس کے زیر اثر ہزاروں منگولوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ چنگیز خان کا پوتا تھا اور اس کی سلطنت خوارزم، مغربی قپچاق اور روس کے لاکھوں مربع میل میں تھی۔ اس کے علاوہ بلغاریہ اور کرغیز کی حکومتوں کا برقائی خان کے ساتھ اتحاد اور تعاون تھا۔ اور منگولوں کا چوتھا حصہ چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کی اولاد کے پاس تھا جسے چغتائی خاندان کہتے تھے اور یہ ماوراالنہر کے حکمران تھے۔

○○○○○

ہلاکو خان کی بیوی دوقوزہ چونکہ عیسائی تھی، لہٰذا بہت سے عیسائی حکمران ہلاکو خان کی طاقت اور قوت کی طرف مائل تھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف اس کی مدد اور اس کے تعاون پر تلے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ اہم فرانس، انگلستان، صقلیہ، وینس، جنیوا، قسطنطنیہ کی بزنطینی سلطنت اور شام میں فلسطین کے ساحل پر بہت سی صلیبی ریاستیں شامل تھیں۔ ان کے علاوہ پاپائے روم مذہبی اعتبار سے عیسائی دنیا میں زبردست قوت اور اثر ورسوخ کا مالک تھا۔ اس کا رجحان بھی ہلاکو کی طرف تھا۔

دوسری طرف عالمِ اسلام میں ایسی کوئی بڑی طاقت وقوت نہ تھی جو اس دور میں رکن الدین بیبرس کی مدد کرتی۔ ہندوستان میں ان دنوں خاندانِ غلاماں کی حکومت تھی اور ناصر الدین محمود حکومت کر رہا تھا اور ہندوستان کے دُور ہونے کے باعث وہ رکن الدین بیبرس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ مراکش میں مرین خاندان کی حکومت تھی، جو خود اپنے علاقوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ الجزائر میں زیانی خاندان کی کمزور حکومت تھی۔ تیونس میں بھی حفصین کی ضعیف حکومت تھی۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی حکومت صرف غرناطہ تک محدود تھی اور وہ اپنا وجود قائم رکھنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے۔ حجاز کی سرزمینوں میں خاندانِ قتادہ کی حکمرانی تھی۔ وہ بھی کمزور تھے، مدد نہیں کر سکتے تھے۔ یمن میں اسولین کی حکومت تھی۔ وہ رکن الدین کی مدد کرتے رہے۔ فارس یعنی ایران میں سلغری خاندان کی حکومت تھی۔ یہ مسلمانوں کے بجائے منگولوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

رکن الدین بیبرس کے سامنے ہلاکو اب اپنی پوری طاقت کے ساتھ تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ رکن الدین نے منگولوں کی ہیبت ناک طاقت کے سامنے تلواروں کا بند باندھ کر نہ صرف اپنی زبردست شخصیت کا لوہا تمام دنیا سے منوالیا تھا بلکہ تمام عالم اسلام میں مملکت مصر اور شام کو مرکزی اہمیت کا حامل بنا دیا تھا۔

ہلاکو خان اور ارضِ مشرق و یورپ کے صلیبی رکن الدین کے بدترین دشمن تھے اور انہوں نے مصر اور شام کی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکنے کے لئے ایک دوسرے سے گٹھ جوڑ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ رکن الدین اپنی زبردست قوت کے باوجود یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک طرف اس کے خلاف ایک صلیبی مہم کا آغاز ہو جائے تو دوسری طرف منگول مصر اور شام پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح وہ دو زبردست دشمنوں کے گھیرے

میں آسکتا تھا۔

اس کا تدارک اس نے یوں کیا، ایک طرف تو اس نے منگولوں کے طاقت ور حریف برقائی خان سے گہرے دوستانہ مراسم استوار کئے اور دوسری طرف صقلیہ کے حکمران مینفریڈ، قسطنطنیہ کے بازنطینی حکمران اور وینس اور جنیوا کی جمہوری ریاستوں سے تجارتی اور دوستانہ معاہدے کئے۔ اس طرح اس نے منگولوں اور صلیبیوں کی قوت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں، جب سلطان رکن الدین بیبرس کا برقائی خان سے اتحاد قائم ہوا تو سلطان کی ایماء پر بہت سے مصری اور شامی علماء بھی برقائی خان کے ہاں گئے اور وہاں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔ دوسری طرف برقائی خان کے منگولوں کی ایک کثیر تعداد برقائی خان کی اجازت سے مصر آ کر آباد ہو گئی۔ ان لوگوں نے سلطان کی تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا اور اپنے آپ کو نہایت اچھا شہری ثابت کیا۔

○○○○○

مراغہ شہر میں ایک روز ہلاکو خان اپنے بیٹوں، اپنی بیوی دوقوزہ، اپنے سالاروں میں سے بائیدو، مہرتاق، توران ایل خان اور کئی دوسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور گفتگو اسی موضوع پر ہو رہی تھی کہ مسلمانوں سے قط بوغا کی موت اور عین جالوت میں ہزاروں کی تعداد میں مارے جانے والے منگولوں کا انتقام مصر کی حکومت سے کیسے لیا جائے۔

اس موقع پر ہلاکو خان کا بزرگ سالار مہرتاق جو اس کے بیٹوں کا کسی دور میں اتالیق بھی رہا تھا، کچھ سوچنے کے بعد ہلاکو خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خاقان! ہمیں اب پہلے کی نسبت زیادہ محتاط اور چوکس ہو کر مصر پر حملہ آور ہونا ہو گا۔ اس لئے کہ آنے والے دور میں ہمارا پالا ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد قوتوں سے پڑے گا۔ اگر ہم قط بوغا اور ہزاروں کی تعداد میں مرنے والے اپنے لشکریوں کا انتقام لینے کی خاطر مصر کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں تو یاد رکھئے گا، پشت کی جانب سے ہمارے خلاف ایک ایسا طوفان اُٹھے گا جو ہماری ساری طاقت وقوت کو ہلا کے رکھ دے گا۔ اور یہ قوت دو قوتوں کا مجموعہ ہے۔ پہلی قوت برقائی خان کی ہے اور دوسری قوت

منصور بن احمد کی ہے۔ آپ جانتے ہیں، یہ منصور بن احمد کسی سے کم خطرناک نہیں ہے۔“

مہرتاق جب خاموش ہوا، تب ہلاکو خان غور سے مہرتاق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مہرتاق! تمہارا کہنا درست ہے۔ یہ منصور بن احمد سب سے زیادہ خطرناک شخص ہے۔ جہاں تک میں اس کی ذات کا تجزیہ کر سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر کچھ سالار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے مقدر، ان کی قسمت میں دو ہی کام ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہر معرکے، ہر حادثہ میں فتح مندی ان کے قدم چومتی ہے۔ شکست اور ہزیمت ان کے نزدیک نہیں جاتی۔ اور پھر دوسرا کام جو ان کے لئے ہوتا ہے، وہ یہ کہ وہ پھر موت کا لقمہ بھی بن جاتے ہیں۔ جہاں تک اس منصور بن احمد کا تعلق ہے، یہ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ جب کسی پر ایک بار حملہ کرتا ہے تو دوسری بار نیا حربہ استعمال کرتا ہے اور سمجھ نہیں آنے دیتا کہ کس انداز میں کون سا رویہ اختیار کرتے ہوئے حملہ آور ہو گا اور اپنے دشمن کو کاٹتا نکل جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ہلاکو خان جب خاموش ہوا، تب اس کی بیوی دوقوزہ کو اچانک کوئی خیال گزرا، پھر وہ ہلاکو خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”مہرتاق کا کہنا درست ہے۔ اگر ہم اپنے لشکر کے ساتھ قط بوغا کا انتقام لینے کے لئے جنوب کا رخ کرتے ہیں اور مصر پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ہماری پشت کی جانب سے خونی انقلاب اُٹھے گا۔ اگر برقائی خان، کوہستانی سلسلہ سے باہر نہ بھی نکلا، تب بھی وہ اپنے لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ منصور بن احمد کے حوالے کر دے گا اور منصور بن احمد ہمارے پیچھے لگ جائے گا۔ اور یہ منصور بن احمد وہ بلا ہے جو کسی کے بس اور کسی کے قابو میں آنے والی نہیں ہے۔ لہٰذا ان دو قوتوں کے مقابلے میں ہمیں بھی دو قوتیں بن کر اس کے سامنے آنا چاہئے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہمیں تیز رفتار قاصد قسطنطنیہ کے بادشاہ کی طرف روانہ کرنے چاہئیں اور اس کی بیٹی ماریہ کا رشتہ اپنے بیٹے اباقا خان کے لئے طلب کرنا چاہئے۔ جب یہ رشتہ طے ہو جائے گا تو قسطنطنیہ کا بادشاہ ایک طرح سے ہمارا حلیف ہو جائے گا اور آنے والے دور میں وہ مصر کے حکمران رکن الدین بیبرس کے علاوہ برقائی خان اور منصور بن احمد کے خلاف بھی ہماری مدد کے لئے تیار رہے گا۔

قسطنطنیہ کا بادشاہ اگر ہمارا ساتھ دیتا ہے تو پھر اس کے سامنے رکن الدین بیبرس اور برقائی خان کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔“

ہلاکو خان نے اپنی بیوی دوقوزہ کی اس تجویز کو بڑا پسند کیا تھا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے تیز رفتار قاصد قسطنطنیہ کے شہنشاہ کی طرف روانہ کئے اور اس کی بیٹی ماریہ کا رشتہ اپنے بیٹے اباقا خان کے لئے مانگا۔ ساتھ ہی اس نے انگلستان کے بادشاہ کی طرف بھی مسلمانوں کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے قاصد روانہ کئے۔

ہلاکو خان کی ان کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ ہلاکو خان کے قاصد جب قسطنطنیہ کے حکمران کے پاس پہنچے اور اس کی بیٹی کا رشتہ ہلاکو خان کے بیٹے اباقا خان کے لئے طلب کیا تو قسطنطنیہ کا شہنشاہ بقول مؤرخین بغیر کسی تامل کے اس رشتہ کے لئے مان گیا اور اپنی بیٹی کو اس نے جہیز کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ تا کہ اس کی شادی ہلاکو خان کے بیٹے اباقا خان سے کر دی جائے۔

جہاں تک انگلستان اور پاپائے روم کا تعلق تھا تو یہ دونوں قوتیں اپنے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا تھیں، اس لئے انہوں نے ہلاکو خان کو کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا۔ مؤرخین کا یہ بھی خیال ہے کہ قیصرِ روم نے اپنی لڑکی ماریہ کو ہلاکو خان کے مرکزی شہر مراغہ کی طرف روانہ کیا تا کہ اس کی شادی ہلاکو خان کے ساتھ کر دی جائے۔ یہ لڑکی ابھی راستہ میں ہی تھی کہ مؤرخین لکھتے ہیں، ہلاکو خان، برقائی خان اور منصور بن احمد کے ساتھ آخری جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوا۔ اس کے بعد اسے بخار آیا اور وہ مر گیا۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد قیصرِ روم کی بیٹی ماریہ کی شادی ہلاکو خان کے بیٹے اباقا خان کے ساتھ کر دی گئی تھی۔

○○○○○

سلطان رکن الدین بیبرس بھی ہلاکو خان اور اس کے لشکریوں پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس کو جب خبر ملی کہ ہلاکو خان نے قسطنطنیہ کے شہنشاہ سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا ہے تو وہ چونکا۔ لہٰذا اس نے تیز رفتار قاصد برقائی خان کی طرف روانہ کئے اور ان قاصدوں کے ہاتھ اس نے برقائی خان کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا کہ وہ قسطنطنیہ کے بادشاہ

سے اپنے بھتیجے نوگائی کے لئے قیصرِ روم کی دوسری بیٹی کا رشتہ مانگے۔

چنانچہ یہ قاصد بڑی برق رفتاری اور تیزی سے فاصلوں کو سمیٹتے ہوئے کوہستانِ قپچاق میں داخل ہوئے اور ایک روز برقائی خان کے مرکزی شہر سرائے برقائی میں پہنچے۔ برقائی خان کو جب ان کی آمد کی اطلاع دی گئی تو قاصد جو تعداد میں دو تھے، انہیں برقائی خان نے فوراً طلب کر لیا۔

برقائی خان نے انہیں بڑی تعظیم اور عزت دی۔ پہلے ان کی خوب تواضع کی، پھر انہیں اپنے قریب بٹھایا۔ اس موقع پر برقائی خان کا بھتیجا نوگائی اور دوسرے سالار بھی برقائی خان کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ سب کی موجودگی میں آنے والے قاصدوں کو مخاطب کر کے برقائی خان کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! اب کہو، ہمارے بھائی رکن الدین بیبرس نے تمہارے ہاتھ میرے لئے کیا پیغام بھجوایا ہے۔''

اس پر ایک قاصد بولا اور کہنے لگا۔

''خاقان! بات یہ ہے کہ ہلاکو خان یورپ کی قوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہم مسلمانوں کے خلاف تباہی اور بربادی کا ایک طوفان کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ پہلی سیڑھی کے طور پر اس نے اپنے تیز رفتار قاصد قسطنطنیہ کی طرف روانہ کئے اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ سے اس کی بیٹی کا رشتہ اپنے بیٹے اباقا خان کے لئے مانگا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے اس رشتہ کو قبول کر لیا ہے اور اپنی بیٹی کو اس نے مراغہ شہر کی طرف روانہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے، جہاں اس کی شادی اباقا خان کے ساتھ کر دی جائے گی۔ خاقان! ہم اپنے سلطان رکن الدین کی طرف سے آپ کے لئے یہ پیغام لائے ہیں کہ اگر ہلاکو خان کو قسطنطنیہ کے بادشاہ کی بیٹی کا رشتہ مل جاتا ہے تو اس طرح ہلاکو خان کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوگا۔ لہٰذا ہمارے سلطان نے آپ کے نام یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ بھی اپنے تیز رفتار قاصد قسطنطنیہ کے بادشاہ کی طرف روانہ کریں اور اس سے اس کی دوسری بیٹی کا رشتہ اپنے بھتیجے نوگائی کے لئے طلب کریں۔''

برقائی خان نے سلطان رکن الدین بیبرس کی اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اس نے رکن الدین کے قاصد کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ تیز رفتار قاصد اس نے قسطنطنیہ کی طرف روانہ

کئے اور اپنے بھتیجے نوگائی کے لئے قسطنطنیہ کے بادشاہ کی دوسری بیٹی کا رشتہ مانگا۔

مؤرخین لکھتے ہیں، برقائی خان نے رکن الدین بیبرس کی اس تجویز کو بڑا پسند کیا، اس پر عمل کیا۔ قیصرِ روم کی طرف قاصد بھجوائے اور اس سے اس کی دوسری بیٹی کا رشتہ مانگا۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ قیصرِ روم کو برقائی خان جیسے طاقتور خاقان کا پیغام رد کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے اپنی دوسری لڑکی کو نوگائی سے بیاہنے کے لئے روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان رکن الدین بیبرس نے انہی دنوں قیصرِ روم سے ایک تجارتی معاہدہ بھی کر لیا جس کی رو سے دونوں ملکوں کے تاجر ایک دوسرے کی بندرگاہوں میں آ جا سکتے تھے۔ اس طرح سلطان نے قیصرِ روم کو عالمی سیاست میں بالکل غیر جانب دار بنا دیا تھا۔

○○○○○

ہلاکو خان اپنی پوری تیاری اور اپنے لشکر کو ناقابل تسخیر بنانے کے بعد رکن الدین، برقائی خان اور منصور بن احمد کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا تھا۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے لشکر میں ان گنت آرمینیا کے لشکریوں کے علاوہ جنگجو گرجستانی، صلیبی رضا کاروں اور یورپ کے نائٹوں کو شامل کیا جو اپنے آپ کو ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ بڑے بڑے شہروں میں جو لشکر تھے، ان کا بڑا حصہ اپنے پاس واپس بلوا لیا تھا۔ بغداد میں سب سے بڑا جو لشکر تھا، اس کی اکثریت کو اس نے مراغہ شہر میں طلب کر لیا۔ بغداد میں ایسی کوئی طاقت اور قوت تھی ہی نہیں جو ہلاکو کے اس قدر بڑے لشکر کے جانے کے بعد بغداد کے اندر کوئی انقلاب یا ہلچل برپا کر دے۔ دراصل بغداد کی کمر پوری طرح ٹوٹ چکی تھی اور یہ عالم اسلام کی سب سے بڑی بدقسمتی تھی کہ بغداد کی تباہی کے ذمہ دار خود مسلمان ہی تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ خود مسلمانوں کے تشتت و افتراک اور بے حمیتی نے منگول وحشیوں کو قلب اسلام پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ عباسی خلافت جو تین سو سال سے زوال پذیر تھی، انحطاط کے اس دور میں اپنی بقا کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی سہارے کی محتاج رہتی تھی، طاقت ور غزنوی، سلجوقی، زنگی اور ایوبی حکمرانوں کے زوال کے بعد وہ بالکل بے سہارا ہو گئی تھی۔

عباسی خلفاء اگر اس وقت بھی ہوش سے کام لیتے اور اس دور کی دوسری طاقت ور مسلم حکومتوں سے دوستانہ مراسم استوار کر لیتے تو شاید بغداد کی عباسی خلافت کو وہ بد دن

دیکھنا نصیب نہ ہوتا جس نے اس کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ لیکن ان خلفاء کی غفلت اور عاقبت نااندیشی کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی سرحدوں سے کچھ دور ہی اسلامی مملکت کے مسلمانوں کے سروں پر خون کا سیلاب گزر رہا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے اپنے بے کار مشاغل میں مصروف تھے۔

ان خلفاء کی خوشی اسی میں تھی کہ چار سُو غلام زریں پٹکے باندھے ان کے سامنے دست بستہ حاضر رہیں اور لوگ ان کے تخت کو عرشِ معلیٰ سمجھتے رہیں۔ قدرت نے ان کو کافی ڈھیل دی تھی، مگر اس سے انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ محرم 656ھ مطابق جنوری 1258ء میں ہلاکو قہرِ الٰہی بن کر بغداد پر نازل ہوا۔ حالات کی ستم ظریفی کہ قلبِ اسلام پر حملہ کرنے والے غارت گر منگولوں کے لشکر میں بقول مؤرخین شیراز کا حاکم اور سعدی شیرازی کا ممدوح ابوبکر سعد اور والئ موصل بدرالدین لولو بھی مسلمانوں کے خلاف منگولوں کے لشکر میں شامل تھے۔

خلیفہ بغداد المستعصم، جس نے حماقت سے کام لیتے ہوئے ابنِ علقمی کی ہر بات کو مانتے ہوئے سارے عساکر دوسری سرحدوں پر بھیج کر بغداد کی عسکری طاقت میں ضعف پیدا کر دیا اور پھر فتح الدین اور منصور بن احمد کے بعد اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا جو بغداد کی حفاظت کرتا۔ اب اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ اپنے آپ کو چپ چاپ منگولوں کے حوالے کر دے۔ اس کے بعد بغداد پر جو بیتی، اس کی داستان قابلِ بیان نہیں۔ ایک مؤرخ جس کا تعلق ساتویں صدی سے ہے، وہ لکھتا ہے کہ بغداد میں ہلاکو کے لشکریوں کے داخل ہوتے ہی اس شدت کے ساتھ قتل و غارت ہوئی جسے شاید کان بھی سننا پسند نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ بغداد کی عبرت ناک تباہی اور بربادی کو احاطۂ تحریر میں لانا اگر ناممکن نہیں تو سخت محال ضرور ہے۔ مختصر الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ دارالسلام بغداد جس کا دروازہ صدیوں سے بوسہ گاہِ خلائق رہا تھا، وہاں چھ ہفتوں تک زبانِ شمشیر کے سوا کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔

بیس لاکھ آبادی کے اس عظیم الشان شہر میں آٹھ لاکھ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سترہ لاکھ لوگ نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان میں عورتیں، بچے، بوڑھے، علماء، وزراء، اہلِ ہنر، اساتذہ، طلباء، مریض، معذور غرض ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔

عصمت مآب خواتین جن پر کبھی غیر مرد کی نظر تک نہیں پڑی تھی، اپنے گھروں سے کشاں کشاں باہر لائی گئیں اور سڑکوں اور چوراہوں پر ان کی بے حرمتی کی گئی۔ اس کے بعد مظلوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا کنیزیں بنا لیا گیا۔

خلیفہ المستعصم سے جان بخشی کا وعدہ کیا گیا لیکن چوتھے ہی دن اسے ایک قالین میں لپیٹ کر لاتیں اور گھونسے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کام میں خود خلیفۂ بغداد کا غدار اور بے غیرت وزیر ابنِ علقمی بھی شامل تھا۔

عباسی شہزادے، شہزادیاں، خلیفہ کے درباری مصاحب، علماء فضلاء اور دوسرے اہلِ کمال بھی خلیفہ کے ساتھ ہلاکو کی پناہ میں گئے تھے، تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ بغداد کے لاتعداد فلک بوس قصر اور ایوان، رفیع الشان مساجد اور مدارس، بے نظیر کتب خانے اور شفا خانے، قدیم مقبرے اور مزار سب جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ ان کو بری طرح برباد کر دیا گیا۔ جاہل منگولوں نے علم و ہنر کے وہ نایاب خزانے جو عباسی خلفاء اور علماء نے اپنے کتب خانوں میں بڑی محنت سے جمع کئے تھے، جلا کر دریا برد کر دیئے۔ غرض بغداد اس بری طرح تباہ ہوا کہ آج تک اس کی گزشتہ شان و شوکت بحال نہیں ہو سکی۔

بغداد کا مٹنا اور خلیفہ کا قتل ہونا کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا۔ سارے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا۔ عباسی خلیفہ کی کمزوری کے باوجود اسے روحانی طور پر ساری اسلامی دنیا کا فرماں روا سمجھا جاتا تھا اور بڑے بڑے باجبروت مسلمان حکمران اور فاتح اس کے سامنے گردنیں جھکاتے تھے اور اس سے خلعت اور سند حاصل کرنا اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

اس زمانے کے شاعروں نے اس سانحہ پر ایسے ایسے دلدوز مرثیے لکھے کہ ان کو پڑھ کر تاریخ کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے۔ شیخ سعدی شیرازی نے بھی اس حادثہ سے متاثر ہو کر ایک دردناک مرثیہ لکھا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شیخ سعدی نے اسی مرثیہ کے آخر میں شیراز کے حاکم ابوبکر کی تعریف کی جس نے اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ہلاکو خان کا ساتھ دیا تھا۔

بغداد کو تاراج کرنے کے تقریباً دو سال بعد تک ہلاکو کے عساکر عراق کے دوسرے شہروں کی طرف بڑھے، تباہی اور بربادی، خون ریزی اور جہالت ان کے دلوں میں

تھی۔ چند دن کے اندر اندر انہوں نے عدیسہ، نصیبین اور حران شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور وہاں کے باشندوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا۔

حاکم حران نے اس شرط پر اطاعت قبول کی تھی کہ شہر کو محفوظ رکھا جائے گا۔ لیکن وحشی منگولوں نے شہر پر قبضہ کرتے ہی قتل عام شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ماؤں کی چھاتی سے چمٹے ہوئے شیر خوار بچوں کو بھی نہ چھوڑا۔

یہاں سے تباہی اور بربادی کا یہ جھکڑ شام میں داخل ہوا اور حلب، حماۃ، بعلبک اور صیدا شہروں کو بری طرح پامال کر ڈالا۔ حلب کے پچاس ہزار باشندے موت کے گھاٹ اُتر گئے اور اس کی عظیم الشان جامع مسجد کو آگ لگا دی گئی۔ اس طرح حماۃ، بعلبک اور صیدا کھنڈرات کے ڈھیر بن گئے۔

منگولوں کا ایک لشکر کاوا کاٹتا ہوا دمشق میں جا گھسا۔ اس کے ساتھ انطاکیہ کے صلیبی نائٹ اور ان کا سردار ریمنڈ چہارم، گرجستانی اور ارمنی عیسائی بھی تھے۔ دمشق پر قابض ہو کر ان لوگوں نے شہر کو خوب لوٹا۔ اس کے بعد منگولوں کے سیل بلاخیز نے فلسطین کا رخ کیا تھا۔

ooooo

منگولوں کے فلسطین تک جانے کے دوران برقائی اور منصور بن احمد کے علاوہ کہیں سے بھی کوئی حکمران منگولوں کے خلاف متحد نہیں ہوا تھا۔ اب چونکہ مصر بیدار ہو چکا تھا اور فلسطین کے میدانوں میں رکن الدین بیبرس، منگولوں کو بدترین شکست دینے کے بعد ان کے لشکر کے ایک بڑے حصے کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا، لہٰذا اب ہلاکو خان کا مقابلہ کرنے کے لئے تین قوتیں چھاتی تان کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ ایک خود ہلاکو کا چچا زاد بھائی برقائی خان، دوسرا منصور بن احمد، تیسرا رکن الدین بیبرس۔ ہلاکو خان کی ان تینوں پر گہری نگاہ تھی۔ اس نے یورپ سے اپنے حمایتی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔ انگلستان اور پاپائے روم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہ کو ہلاکو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا لیکن رکن الدین بیبرس کی کوششوں نے ہلاکو خان کی اس تجویز کو بھی ناکام بنا دیا۔ اب ہلاکو خان نے جب سارے شہروں سے اپنے بڑے بڑے عساکر مراغہ شہر میں اکٹھے کر لئے، اس کے علاوہ آرمینیا اور گرجستانی جنگجو ان گنت تعداد میں

اس کے پاس پہنچ گئے، یورپ کے نائٹ، صلیبی رضا کاروں کے گروہ بھی اس سے آن ملے، تب ہلاکو خان کو یقین ہو گیا کہ اب اس کے پاس طاقت اور قوت ہے جس کے بل بوتے پر وہ سامنے آنے والی مسلمانوں کی تینوں طاقتوں کو کچل سکتا ہے۔

ہلاکو خان کا یہ خیال اور گمان تھا کہ اگر اتنے بڑے لشکر کو لے کر وہ جنوب کی طرف بڑھتا ہے تو اس کی غیر موجودگی میں یا اس کے جنوب کی طرف بڑھنے کے بعد برقائی خان اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلوں سے باہر نہیں نکلے گا۔ ہلاکو خان کا یہ بھی خیال تھا کہ جہاں تک منصور بن احمد کا تعلق ہے کہ اس نے کوہستانی سلسلوں سے نکل کر اس کی پشت کی طرف سے حالات خراب کرنے کی کوشش کی تو وہ پہلے ہی ایک لشکر مقرر کر دے گا، جو مڑ کر منصور بن احمد پر حملہ آور ہو گا اور اس کا قصہ پاک کر دے گا۔

چنانچہ یہ سارے فیصلے کرنے کے بعد ہلاکو اپنے اس لشکر کو جس کی گنتی نہیں کی جا سکتی تھی، لے کر جنوب کی طرف بڑھا تا کہ مصر پر حملہ آور ہو کر فلسطین میں ہونے والی منگولوں کی شکست کا انتقام لے اور ساتھ ہی اپنے سالار قط بوغا کے قتل اور ان گنت منگول لشکریوں کے مارے جانے کا انتقام رکن الدین بیبرس سے لے۔

چنانچہ اپنے بے شمار لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے ہلاکو نے ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اس کے تیز رفتار ہرکاروں اور مخبروں نے اسے خبر دی کہ برقائی خان اور منصور بن احمد اتحاد کر چکے ہیں اور اب وہ کوہستانی سلسلوں سے باہر آ چکے ہیں۔ اور اگر آپ اس طرح جنوب کی طرف بڑھتے گئے تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے جنوب کی طرف بڑھیں گے اور پھر حالت یہ ہو گی کہ سامنے کی طرف سے رکن الدین بیبرس اور پشت کی طرف سے برقائی خان اور منصور بن احمد آپ پر حملہ آور ہوں گے تو منگولوں کے لئے ایسے خدشات اور خطرات اُٹھیں گے، جن پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

یہ خبر سن کر ہلاکو خان ہی نہیں، اس کی بیوی دوقوزہ اور اس کے بیٹے اور سارے سالار چونکے تھے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے منصور بن احمد ان کے لئے خوف اور دہشت کا باعث بنا ہوا تھا۔ اب جو برقائی خان بھی اپنے لشکر کو لے کر کوہستانِ قپچاق سے نکلا، تب اس کے اس طرح اس کے خلاف ہونے سے ہلاکو اور اس کے سالار چونکے تھے۔ لہٰذا ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہلاکو خان نے مصر کی طرف پیش قدمی ترک کر دی، پلٹا اور یہ

فیصلہ کیا کہ پہلے برقائی خان اور منصور بن احمد سے نمٹا جائے اور ان دونوں کا قصہ پاک کرنے کے بعد پھر وہ جنوب کی طرف بڑھے گا اور مصر کے سلطان رکن الدین بیبرس سے ٹکرائے گا۔

برقائی خان اور منصور بن احمد اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق سے باہر نکل آئے تھے اور جس وقت انہیں یہ خبر ملی کہ ان کی وجہ سے ہلاکو خان نے مصر کی طرف پیش قدمی ترک کر دی ہے اور اب وہ پلٹا اور شمال کا رخ کر رہا ہے، تب سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ جمع ہونے والوں میں برقائی خان، منصور بن احمد، برقائی خان کا بھتیجا نوگائی، شرف الدین کردی، حسام الدین جوکندار، لوئی تاشی، یانگ خان اور برقائی خان کے دوسرے سالار شامل تھے۔

جب سب جمع ہو گئے، تب منصور کی طرف دیکھتے ہوئے برقائی خان نے کہا۔

''میرے بھائی! میں جانتا ہوں، سارے سالاروں میں جنگ کا تم ہی وسیع تجربہ اور ہنر مندی رکھتے ہو۔ ہمارے کوہستانِ قپچاق سے باہر نکلنے کی وجہ سے ہلاکو خان کو ہمت نہیں ہوئی کہ وہ جنوب کی طرف بڑھے۔ میں نے ہلاکو خان کے جنوب کی طرف بڑھنے سے بہت پہلے ہی اپنے قاصد رکن الدین کی طرف بھجوا دیئے تھے کہ ہلاکو خان اگر جنوب کا رخ کرتا ہے تو اسے ہم جنوب کا رخ نہیں کرنے دیں گے۔ اور اگر وہ پلٹ کر شمال میں ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو رکن الدین بالکل مطمئن ہو کر مصر میں قیام کرے تاکہ منگولوں کا کوئی اور لشکر مصر پر حملہ آور نہ ہو۔ شمال میں ہم ہلاکو سے خوب نمٹیں گے۔ اب جب کہ ہلاکو پلٹ آیا ہے اور ہمارے مخبروں کے مطابق وہ اب یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر ہے تو ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہئے۔''

اس پر منصور بن احمد بولا اور کہنے لگا۔

''خاقان! بات یہ ہے کہ ہلاکو خان کے ساتھ کسی مناسب جگہ ٹکراؤ کرنا ہو گا۔ ہمارے مخبر یہ اطلاع دے چکے ہیں کہ اس کے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہو چکی ہے، جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ آرمینیا کا پورا لشکر اس سے آن ملا ہے۔ گرجستان کا پورا لشکر اس کی کمانداری میں ہے۔ اس کے علاوہ یورپ کے نائٹ، صلیبی جنگجو سب اس کے پاس جمع ہو چکے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ ہمیں پیچھے ہٹ کر

دریائے تیرک کے کناروں کو رزم گاہ بنانا چاہئے۔ آپ اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ دریا کے کنارے شمال میں سامنے رہیں۔ میں، شرف الدین، حسام الدین اپنے لشکر کے ساتھ جیسے ہم ماضی میں متحرک رہے ہیں، بائیں جانب کوہستانوں کے سلسلوں کی آڑ میں رہیں گے۔

ظاہر ہے ہلاکو کے پاس اتنا بڑا لشکر ہے کہ کوہستانِ قپچاق میں داخل ہو گا تو اس کا پہلا ٹکراؤ آپ سے ہو گا۔ اس لئے کہ آپ کا لشکر اس کے سامنے ہو گا۔ اس ٹکراؤ کے تھوڑی دیر بعد آپ پیچھے ہٹنا شروع کیجئے گا اور وہاں تک پہنچ جایئے گا کہ ہلاکو خان کا پورا لشکر دریائے تیرک کے کنارے پر آ جائے۔ جب ایسا ہو گا تب کوہستانی سلسلوں کے اندر میرے اور میرے سالاروں اور لشکریوں کی تکبیریں بلند کرنے کی آوازیں سنائی دیں تو آپ اپنی پسپائی بند کر کے جارحیت اختیار کریں اور پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ہلاکو پر حملہ آور ہو جائیں۔ اتنی دیر تک میں، شرف الدین اور حسام الدین بھی بائیں جانب سے کوہستانی سلسلوں سے نکل کر ہلاکو خان کے وسطی حصہ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر میں دیکھتا ہوں، ہلاکو خان دریائے تیرک کے کنارے جو اس وقت برف باری کے باعث برف ہی کی طرح جما ہوا ہے، کیسے زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ کرتا ہے۔ برقائی خان! میرے محترم! میں نے اپنے دل میں ارادہ کیا ہوا ہے، خداوند قدوس کو منظور ہوا تو میں اس ہلاکو خان کا تعاقب کروں گا اور اس کی گردن کاٹوں گا۔“

برقائی خان نے منصور بن احمد کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر لشکر کوہستانِ قپچاق میں داخل ہوا۔ برقائی خان اور اس کا بھتیجا نوگائی اپنے لشکر کے ساتھ دریائے تیرک کے کنارے اپنے لشکر کو استوار کر گئے تھے۔ اس وقت دریائے تیرک سردی کے عروج پر آنے کے علاوہ برف باری کی وجہ سے برف کی طرح جما ہوا تھا۔ جبکہ منصور بن احمد کوہستانی سلسلے کے اندر بائیں جانب ایک مناسب جگہ قیام کر گیا تھا۔

○○○○○

جس وقت ہلاکو خان اپنے ان گنت لشکر کے ساتھ کوہستانِ قپچاق میں داخل ہو رہا تھا تاکہ برقائی خان پر ضرب لگائے۔ اس وقت کوہستانوں سے گھری ایک وادی کے اندر منصور بن احمد اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! آنے والی جنگ ہمارے لئے زندگی اور موت کے لمحات لے کر آئے گی۔ میں تم میں سے کسی کو بھی زبردستی اس جنگ میں شامل نہیں کرنا چاہتا۔ ابھی وقت ہے۔ جو جنگ میں شامل نہ ہونا چاہے، وہ اٹھ کر اپنے گھر کو جا سکتا ہے۔ میں اکیلا بھی رہ گیا تو منگولوں سے لڑوں گا۔“

ان الفاظ پر منصور بن احمد کے لشکر پر ایک چپ اور خاموشی طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایک زندہ دل جوان منصور بن احمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے سالارِ مہربان! ہم سب قیامت تک آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔“

اس کے ان الفاظ کی سارے لشکریوں نے تائید کی تھی، جس سے ہلکا سا تبسم منصور بن احمد کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر وہ اپنے ان لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! یہ قافلۂ شمس و قمر، یہ سلسلۂ آب و ہوا اسی طرح چلتا رہے گا۔ اُمتِ مسلمہ کے تحفظ کے لئے جو سلسلۂ جہاد ہم شروع کر چکے ہیں، اس میں ایمان کے تحت ہمارا ایک ایک عمل، وجدان کی ایک ایک ادا، درویشی کے نالوں کی تڑپ، عابد کی عبادت، زہد کی ریاضت اور محوِ شنا رہنے والی زبان سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

میرے ساتھیو! یاد رکھنا، مہتاب کی کرنوں میں نہاں گُلوں کی بُو باس تمہارے جذبۂ جہاد کی متلاشی ہے اور اسی جذبۂ جہاد کے سامنے یاد رکھنا، عارف کی فغانِ سحری، صوفی کی

روشِ مہر و وفا بھی ہیچ و کمتر ہے۔

ہم اُمتِ مسلمہ کے لئے محبتوں کا روپ، اپنوں کے لئے بہارِ بے خزاں، خود سروں کے لئے سیلِ بے کراں بن کر میدانِ جنگ میں اُترنے والے ہیں۔ یاد رکھنا! ظرف بیچ کر جو خوشی ملے، وہ حرام۔ حق نگار بن کر حق فروشوں پر ضرب لگانا، آگ و خون کے کھیل کی طرح کفن بدوش بن کر کفن فروشوں پر ضرب لگانا۔ میرے بھائیو! یاد رکھنا، ہلاکو سے یہ جنگ ہمارے لئے حیات سے عجیب تر اور موت سے عمیق تر ہوگی۔ میرا خدا دلوں کے بھید جانتا ہے اور ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔ نعرہ مارو کہ فتح و کامرانی اور فوز مندی ہمارے ہم رکاب ہوگی۔''

ان الفاظ کے جواب میں منصور بن احمد کے لشکری جذباتی ہو گئے تھے۔ ان میں سے بہت سوں کی آنکھیں نم ناک ہو چکی تھیں۔ پھر انہوں نے اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ فلک شگاف تکبیریں بلند کی تھیں، اس کے بعد کوہستانی سلسلے کی بکل میں بالکل چپ اور خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

ہلاکو خان اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا اور وہ کپڑے پھاڑتے آندھیوں کے جھکڑوں اور برف باری اور بگولوں کی فنا خیزی، خود فراموشی کے عالم میں باغیانہ ہنگاموں، سفاک خزاں کی چیرہ دستیوں، ذلت و مسکنت کی مہیب عفریتوں اور حسد و نسلی عصبیت کی طرح برقائی خان پر حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے برقائی خان بھی قسمت کی طرح اٹل الم انگیزیوں، نبضِ ہستی، سازِ حیات توڑ دینے والی وقت کی حیرت انگیز گردش، نزع کی بے صوت حکایات کھڑی کرتے طلسماتی فضاؤں کے سحر، خون میں نہائی داستانوں، فنا کے شرر بار صحرائی بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فضاؤں کے اندر اس طرح تکبیریں بلند ہوئیں جیسے صدیوں کے گہرے سناٹوں میں انتظار و اضطراب کا عالم اچانک تمام ہوا ہو۔ یہ تکبیریں منصور بن احمد کی طرف سے بلند ہوئی تھیں۔ جب اس نے تکبیریں بلند کیں تو اس کے پورے لشکر نے تکبیریں بلند کرتے ہوئے کوہستانوں پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ اس کے بعد لشکر کے ساتھ منصور بن احمد حرکت میں آیا۔ دریائے تیرک کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی گردن

اپنے گھوڑے کے ہنے پر جھک گئی تھی۔ بڑی عاجزی سے اپنے خداوند قدوس کو یاد کرتے ہوئے وہ دعا مانگ رہا تھا۔

''اے رب مہربان! مجھے معاف کرنا، بغداد کے سلسلہ میں مجھ سے ہونے والی کوتاہیاں مجھے نہ جینے دیتی ہیں، نہ مرنے دیتی ہیں۔ گزرے دنوں کی خوشبو کے تعاقب میں بھاگنے والا بے آشیانہ مسافر ہوں۔ میرے اللہ! منگولوں سے انتقام لینے کے انتظار میں میری حالت ریت کی پیاس کی طرح ہو گئی ہے۔ اور میرے ہونٹوں پر انتقام کی پپڑیاں جم گئی ہیں۔ میرے اللہ! میری مدد کرنا۔ مجھے کامیاب رکھنا۔''

پھر ایک دم اس کی چھاتی تن گئی تھی۔ چہرہ سیدھا کیا، دو تین بار اس نے تکبیریں بلند کیں، اپنے لشکریوں کو للکارا، اس کے بعد وہ ہلاکو خان کے لشکر کے وسطی حصہ پر غضب ناک ریگستانوں میں چلتی ہیجان آفریں شدید نفرت، ہتھوڑوں کی ضربوں کی طرح اکتا مارنے والی وحشت سے قطعی نا آشنا معرکہ آرائیوں۔ عظمتوں کی اساطیر، طاقت کا منظر بنتے آندھیوں کے جھکڑوں اور بگولوں کی حشر سامانیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف جو برقائی خان پسپا ہوا تھا، وہ بھی دفاع سے نکل کر جارحیت پر اُترا اور وہ بھی ہلاکو خان کے لشکر پر سانسوں میں تحلیل ہو جانے والی بربادی کی تلخیوں، تقدیر میں دکھ کے کانٹے، بھاگ میں تباہی کی آگ لکھ دینے والی صدیوں کی غضب ناکی کے غبار کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

ہلاکو خان، برقائی خان اور منصور بن احمد کے دو طرفہ عذاب لیوا حملوں کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا۔ اس کے ان گنت لشکریوں کو سامنے کی طرف سے برقائی خان اور اس کے بھتیجے نوگائی اور بائیں جانب سے منصور بن احمد، شرف الدین کردی اور حسام الدین نے حملہ آور ہو کر کاٹ کر رکھ دیا تھا اور برف کی طرح جمے ہوئے دریائے تیرک کے کنارے جہاں تک نگاہ پڑتی تھی، ہلاکو خان کے لشکریوں کی لاشیں یوں پڑی تھیں جیسے زمین پر جمی برف کی طرح وہ بھی برف ہونا شروع ہو گئی ہوں۔

ہلاکو نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کے لئے ناقابل برداشت تھا اور پھر یہ بھی وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ منصور، برقائی، نوگائی، حسام الدین اور شرف الدین کے جان لیوا حملوں کے سامنے اب اس کے لشکر کی حالت گھٹا ٹوپ اندھیروں میں مسموم خیالات کی

تخم ریزی اور آنگنوں میں مفلسی کے غبار سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہلاکو خان نے شکست قبول کی اور برف کی طرح جمے ہوئے دریائے تیرک پر اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

سامنے کی طرف سے برقائی خان کے بھتیجے نوگائی اور درمیان سے منصور بن احمد نے بے کراں و بے پایاں سمندر، جاوداں و شعلہ فشاں آگ، تیز و تند ہنگامہ خیز طوفانوں اور سحر کی کرنوں میں پھیلتے کہر کے عذاب کی طرح ہلاکو خان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔

منصور بن احمد بڑی تیزی سے اپنے سامنے آنے والے منگولوں کو کاٹتا ہوا ہلاکو خان سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے حسام الدین جوکندار اور شرف الدین کردی، عربوں، کردوں اور ترکوں کے ساتھ ایک حلقہ بنائے ہوئے تھے۔

منصور بن احمد جب ہلاکو کے قریب ہوا تب سب سے پہلے اس کی راہ روکنے کے لئے ہلاکو کا بہترین سالار بائیدو آیا۔ منصور بن احمد اس پر حملہ آور ہوا اور اپنے ایک ہی وار سے اس نے بائیدو کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ اتنی دیر تک دو گروہوں کو لے کر ہلاکو خان کا سالار مہرتاق اور توران ایل خان نمودار ہوئے۔ اس موقع پر حسام الدین اور شرف الدین دونوں چوکس تھے، ان پر حملہ آور ہوئے۔ مہرتاق جب منصور بن احمد کے قریب پہنچا تو منصور بن احمد اس کی طرف پلٹا، ایک ایسا خوفناک وار اس پر کیا کہ اس کی تلوار شانہ سے اس کو چیرتی ہوئی گھوڑے کی پیٹھ تک نکل گئی تھی۔

توران ایل خان کے ساتھ جو منگول تھے اور ان کے ساتھ کام کرنے والے بھی آن ملے تو شرف الدین اور حسام الدین ان پر حملہ آور ہوئے، ان کا قصہ پاک کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد شرف الدین اور حسام الدین اپنے لشکریوں کے ساتھ منصور بن احمد کے اردگرد حصار اور حلقہ بنائے منگولوں کے لشکر میں جا گھسے تھے۔ اس لئے کہ منصور بن احمد ہلاکو خان کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے منصور بن احمد کا حال، مستقبل، ماضی ہم آہنگ ہو گئے ہوں۔ اس کی روح پر ایک غیر مرئی نشہ اور وجدانی سکر و مستی طاری ہو گئی ہو۔

ہلاکو خان کے قریب پہنچ کر منصور بن احمد نے اسے للکارا اور بے پناہ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہلاکو خان! میری طرف دیکھ، میں منصور بن احمد ہوں۔ بھاگ نہیں، رک۔ میرے سامنے آ، میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کر۔ پھر میں تجھے بتاؤں کہ نیل کے دہانے سے فرات کے دہانے تک تیری خباثتوں، تیری مکاریوں کے خلاف مسلمان اب کیسے متحد اور یکجا ہوئے ہیں۔ رک، میرا مقابلہ کر۔ پھر دیکھ میں تیری رگ رگ سے کیسے خون نچوڑتا ہوں۔"

اس موقع پر کچھ منگول، منصور پر حملہ آور ہوئے، اسے زخمی بھی کیا لیکن منصور بن احمد نے ہلاکو کے قریب ہو کر اس پر وار کیا۔ ہلاکو نے اپنی ڈھال پر وہ وار روکا۔ اس کے باوجود اس کا شانہ منصور بن احمد کی تلوار سے زخمی ہوا تھا۔ منصور بن احمد کو اپنے سامنے اس طرح دیکھتے ہوئے ہلاکو خان کا رنگ پیلا ہو چکا تھا اور چہرے پر موت کے سائے رقص کرنے لگے تھے۔

اتنی دیر تک اس کے کچھ دستے اس کے قریب پہنچ گئے اور اس کے اردگرد حلقہ بنا لیا۔ ساتھ ہی ہلاکو خان نے اپنے بھاگنے کی رفتار تیز کر دی۔ اس لئے کہ وہ جلد از جلد دریائے تیرک کو پار کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ دریائے تیرک پر جمی برف پگھلنے لگی تھی۔ منصور نے پھر اسے پکارا۔

"انسان کا بچہ ہے تو آ کر میرا مقابلہ کر۔"

ہلاکو بھاگ گیا۔ وہ زخمی ہوا تھا۔ زخم کی وجہ سے اسے بخار آیا اور تین دن کے بعد وہ مر گیا۔

خود منصور بن احمد بھی زخموں سے چور تھا لیکن ہمت نہیں ہار رہا تھا۔ جب وہ پلٹا، اس نے دیکھا اس کے دونوں دست راست شرف الدین کردی اور حسام الدین جوکندار برف پر بے سدھ پڑے ہوئے تھے اور اس کے کچھ لشکری دونوں کو سنبھال رہے تھے۔

ان کے قریب جا کر منصور بن احمد اپنے گھوڑے سے اس طرح گر گیا تھا جیسے کوئی زخمی پرندہ اپنے گھونسلے سے گر جاتا ہے۔ اس کے بعد بڑی مشکل سے جب وہ حسام الدین اور شرف الدین کردی کی لاشوں کی طرف بڑھنے لگا، تب کئی لشکری اور چھوٹے سالار اس کی طرف لپکے، اسے سہارا دیا۔ پھر اسے، اس کے دونوں ساتھیوں کے پاس لے گئے۔

وہ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر عجیب سی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں وہ ان دونوں کے چہروں کو دیکھتا رہا، پھر دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ ایک ہاتھ سے حسام الدین کو، دوسرے ہاتھ سے شرف الدین کی لاش کو اس نے اوپر اٹھایا، گلے لگایا، دونوں کی پیشانی پر اس نے طویل بوسے دیئے، پھر انہیں لٹا دیا۔ اس کے بعد وہ روتی، بار بار ٹوٹتی اور آنسوؤں میں بھیگی آواز میں ان دونوں کی لاشوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”تم دونوں خوش قسمت ہو کہ ایک کامیاب مسافر کی طرح اپنی منزل پر پہنچ چکے ہو۔ میں بودا اور بزدل نکلا۔ نہ بغداد کے نواح میں فتح الدین داؤد کا اور نہ تمہارا ساتھ دے سکا۔“

اسی لمحہ پشت کی طرف سے آواز سنائی دی۔

”بودے اور بزدل تمہارے دشمن ہیں جو بھاگ گئے ہیں۔“

اتنی دیر تک سامنے کی طرف سے لوئی تاشی اور یانگ خان بھی آ گئے تھے۔

اس موقع پر نوگائی نے آگے بڑھ کر منصور بن احمد کو اٹھایا اور ایک گھوڑے پر سوار کرایا۔ برقائی خان، لوئی تاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں اور نوگائی اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ شرف الدین اور حسام الدین کی لاشوں کے علاوہ سب مرنے والوں کو اٹھا کر دریائے تیرک کے پاس لے چلو۔“

اس موقع پر لوئی تاشی نے لوگوں کو پکارا۔ اس پکار پر فراتا تار طوفان کی طرح اُمڈے اور لاشیں اٹھا کر لے جانے لگے تھے۔

لوئی تاشی اور یانگ خان جب منصور بن احمد کو دریائے تیرک کے اس پار لے گئے، تب لوگوں کا جمگھٹا منصور بن احمد کی طرف لپکا تھا۔ ان میں کیتھرائن اور اس کے دونوں بیٹے بھی تھے۔

اس موقع پر منصور ہمت کر کے گھوڑے سے اُتر گیا اور لوئی تاشی سے کہنے لگا۔

”لوگ میری طرف لپک رہے ہیں۔ اس موقع پر اگر میں گھوڑے پر سوار رہا تو لوگ سمجھیں گے، میں معذور ہو گیا ہوں۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں ٹھیک ہوں اور اگر کسی نے ہماری ملت کے کھیت کھلیانوں اور مفاد پر شب خون مارا تو میں اسے ایک

چوپان کی طرح مار بھگا سکتا ہوں۔“

منصور خاموش ہو گیا۔ کیونکہ کیتھرائن سامنے آن کھڑی ہوئی تھی اور منصور بن احمد کا لباس خون میں لت پت دیکھ کر رونے لگی تھی۔ منصور کے دونوں بیٹے بھی رونے لگے تھے۔

منصور کے کہنے پر کیتھرائن نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور لوئی تاشی سے کہنے لگی۔

”بابا! میں انہیں خود لے کر چلتی ہوں۔ یہ میرے لئے ایک سعادت ہو گی۔“

لوئی تاشی مان گیا۔ کیتھرائن نے منصور کی کمر میں ہاتھ ڈالا، اس کا ایک بازو اپنے کندھے پر رکھا، پھر وہ منصور بن احمد کو لے کر لوئی تاشی کے کہنے پر اس کی حویلی کی طرف جا رہی تھی۔ ان کے پیچھے مدلان، تنکیر، بلذون، منصور بن احمد کے دونوں بیٹوں کو اٹھائے جا رہے تھے۔

(تمت بالخیر)